

کلیاتِ اقبال

اُردو

اقبال

کلیاتِ اقبال

کلیاتِ اقبال (اردو) خصوصی ایڈیشن

جمہد حقوق بحق اقبال اکادمی پاکستان محفوظ ہیں۔

پروفیسر شہرت بخاری

ناشر

ناظم اقبال اکادمی پاکستان، لاہور

۱۹۹۰ء مطابق ۱۱۔۔۔ ۱۴۱۰ھ

سال اشاعت

۳۵۰۰

تعداد

۲۶۰ روپے

قیمت

استقلال پریس، لاہور

مطبع

ISBN 969-416-000-6

بہ اہتمام

اقبال اکادمی پاکستان، لاہور

نیشنل بک فاؤنڈیشن، اسلام آباد



۲
کلیاتِ اقبال
ب

الفقه الحنبلی

۳
کتابت اقبال
ج

لوح بھی تو معلم بھی تو تیرا وجود اللہ کتاب
 گنبدِ ابلینہ زنگ تیرے محیط میں حساب !
 عالم آب و خاک میں تیرے طہور سے فروغ
 فتنہ رنگ کو دیا تو نے طلوع آفتاب !
 شکریت سحر و سلیم تیرے جلال کی مسرور !
 فخرِ جنید و بایزید تیرا جمال ہے نقاب !
 شوق ترا اگر نہ ہو میری ناز کا امام
 میرا پیام بھی حجاب میرا سجدہ بھی حجاب !
 تیری نگاہ ناز سے دونوں مراد پا گئے
 عقل غیب و جستجو عشق حضور و افلاک !

۲
 مہرِ امانت

۲
 کلیاتِ اقبال
 د

مجلس تدوین و طباعت :

سرپرست : ڈاکٹر جاوید اقبال

نگران تدوین : پروفیسر محمد منور نگران اشاعت : پروفیسر شہرت بخاری

مجلس مشاورت :

رشید حسن خان، ڈاکٹر حمید قریشی، ڈاکٹر خواجہ محمد لکڑیا،

مشفق خواجہ، ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی صہاب کلوروی، ڈاکٹر تحسین فراقی،

محمد الکریم چغتائی، محمد سہیل عمر، ڈاکٹر حمید عشرت

مجلس منتظمہ :

مدیر تدوین : محمد سہیل عمر مدیر منتظم : ڈاکٹر حمید عشرت

تصحیح متن و نظر ثانی : ڈاکٹر افتخار احمد صدیقی شان الحق حق، احمد جاوید

تصحیح کتابت : انور جاوید

خطاطی : جمیل احمد قریشی تنویر قسم

ترتیب و آرائش : ذوالفقار احمد

زیر اہتمام : اقبال انکارمونی پاکستان، لاہور

میں نے کبھی اپنے آپ کو شاعر نہیں سمجھا.....
فنِ شاعری سے مجھے کوئی دلچسپی نہیں رہی، ہاں بعض
مقاصد خاص رکھتا ہوں جن کے بیان کے لیے حالات و
روایات کی رُو سے میں نے نظم کا طریقہ اختیار کر لیا ہے ورنہ

نیربہ سنی خیرازاں مردِ فردِ دست
کہ برمن تہمتِ شعرو سخن بسبت
اقبالؔ

۲
کلیاتِ اقبال

خرائج عیادت

کلیات اقبال

”شعرا اراقوام میں بازنپید کرتے ہیں۔ ملٹن،
 شکسپیئر، بائرن، غمیسٹرن نے قوم کی بے بہا خدمت کر
 ہے۔ کارلائل نے شکسپیئر کی عظمت کا ذکر کرتے ہوئے
 ایک انگریز کا ذکر کیا ہے۔ اُسے جب شکسپیئر اور
 دولتِ برطانیہ میں سے کسی ایک کو منتخب کرنے
 کا اختیار دیا گیا تو اُس نے کہا ”میرے شکسپیئر کو
 کسی قیمت پر نہ دوں گا“ اگو میرے پاس سلطنت
 نہیں ہے، لیکن اگر سلطنت مل جائے اور اقبال اور
 سلطنت میں سے کسی ایک کو منتخب کرنے کی
 نوبت آئے تو میں اقبال کو منتخب کروں گا۔“

قائد اعظم

۸
کلیاتِ اقبال
ح

”اقبال کے لیے ادنیٰ شخصیت عالمگیر ہے۔ وہ بڑے
 ادیب، بلند پایہ شاعر اور مفکرِ اعظم تھے، لیکن اس حقیقت
 کو میں سمجھتا ہوں کہ وہ ایک بہت بڑے سیاستدان
 بھی تھے..... مرحوم دورِ حاضر میں اسلام کے
 بہترین شارح تھے کیونکہ اس زمانے میں اقبال
 سے بہتر اسلام کو کسی نے نہیں سمجھا۔ مجھے اس
 امر کا فخر حاصل ہے کہ ان کے قیادت میں ایک
 سپاہیوں کی حیثیت سے کام کرنے کا مجھے موقع
 ملے چکا ہے۔ میں نے ان سے زیادہ فن اور
 فیتے اور اسلام کا شیدائی نہیں دیکھا۔“

قائد اعظم

”اقبال کی شاعری نے نوجوان مسلمانوں میں بیداری پیدا کر دی ہے اور بعض نے
یہاں تک کہہ دیا ہے کہ جس بیجا کا انتظار تھا وہ آ گیا ہے۔“

(بیکھن)

”ہندوستان میں حرکت تجدید نے اپنا ممتاز ترین ظہور سر محمد اقبال کی
شاعری میں حاصل کیا ہے۔“

(سر طالس آرنلڈ، برطانیہ)

”شاید یہ بہت کم لوگوں کو معلوم ہو کہ ڈاکٹر اقبال مرحوم ایک صوفی خاندان
میں پیدا ہوئے تھے۔ ان کے والد مرحوم ایک خوش اوقات صوفی صہانی تھے
اور ان کے ہاں آنے والے دوستوں کا مذاق بھی یہی تھا اور اسی ماحول میں اقبال
کی پرورش ہوئی۔“

(سید سلیمان ندوی، پاکستان)

”در ویدہ معنی نگہبان حضرت اقبالؒ
پیغمبر تھے کرو پیغمبر تو ان گفت“

(مولانا غلام قادر کرامی)

”ہندوستان کے اردو دانوں کی زبان پر آج کل اقبالؒ کا ہی چرچا ہے۔“

(قاضی نذیر الاسلام، بنگلہ دیش)

۱۰
کلیاتِ اقبال
۱

”محمد اقبالؒ ہمارے عہد میں اسلامی فکر اور انسانی و بین المللی اسلامی بصیرت کے منظر ہیں۔“

”میں جب بھی اقبالؒ کے بارے میں سوچتا ہوں، میں اُن کو علی گونہ“
(علیؑ نما) پاتا ہوں یعنی ایک ایسا انسان جو علیؑ کی سنت کا پیرو ہے، لیکن وہ
انسان بیسویں صدی کی انسانی استعداد کے کیف و کم کا بھی مستل

نمونہ ہے۔“

(ڈاکٹر علی شریعتی، ایران)

”بیدے گرفت اقبالؒ رسید

بیدلاں را نوبتِ حالے رسید

قرنِ حاضرِ خاصۃً اقبالؒ گشت

واحدے کز صد ہزاراں برگزشت

این سلا مے می فرستم سوتے یار

بے ریاتر از نسیمِ نوبہار

(ملک الشعراء بہار، ایران)

”اقبالؒ ہمارے لیے مسیحا بن کر آیا ہے اور اُس نے مردوں میں زندگی کی

لہر دوڑادی ہے۔“

(شمس العلماء ڈاکٹر عبدالرحمن بجنوری)

”وہ باوجود اتنا بڑا مشہور شاعر ہونے کے شاعر نہیں ہے بلکہ اپنے
پیام سے تمام نبوت کی جانشینی کا حق ادا کر رہا ہے۔ مبارک ہیں وہ ہستیاں
جو اقبال شناس ہو جائیں!“

(مولانا عبد الماجد دریا آبادی)

”شاعری میں مابعد الطبیعیاتی صداقتوں کے معیار پر اگر آج کے اپنے شعراء
کی پرکھ کی جلتے تو مجھے صرف ایک ہی زندہ شاعر نظر آتا ہے جو کم عیار ثابت نہ
ہوگا اور یہ بھی طے ہے کہ وہ ہمارے عقیدے اور نسل کا شاعر بھی نہیں ہے، میری
مراد محمد اقبال سے ہے۔“

(سرہرٹ ریڈ، ۱۹۲۱ء)

”اقبال کی شاعری کی خاص غایت تھی۔ مولانا حالی کی طرح اقبال نے
بھی اپنی شاعری سے قوم اور ملک کو جگانے اور رہنمائی کا کام لیا۔ یہ اُس کے
خیال اور فکر کی قوت اور جدت تھی، جس نے اُس کے کلام اور طرز بیان میں
زور اور جوش پیدا کر دیا۔“

(بابائے اردو ڈاکٹر مولوی عبدالحق)

”علامہ اقبال کا شمار بیسویں صدی کے عظیم ترین شعراء اور مفکرین میں کیا جاتا
ہے۔ اُن کی حیات ہی میں انھیں شاعر مشرق کہا جانے لگا۔“

(نکولائی گلیبوف، روس)

۱۲
کلیاتِ اقبال

”اقبالؑ — ایک شاعر، جس نے زمانے پر اپنا سکہ بٹھا دیا۔“

(ڈاکٹر طرہ احسن، برصغیر)

”صرف سرزمینِ پاکستان کے لیے نہیں بلکہ ساتھ ہی ساتھ آزادیِ وطن پرستی اور فضیلت کے لیے کوشاں تمام مسلمانوں اور انسانوں کی خدمت کرنے والے نمونہ شاعر اقبال ہیں۔“

(ڈاکٹر عبدالقادر کراچان، ترکی)

”اقبالؑ کا سارا کلام پڑھنے کے بعد ایک سیدھی سادی بات جو ایک عامی کی سمجھ میں آتی ہے وہ یہ ہے کہ انسان اپنی صلاحیتوں اور قوتوں کو پہچانے اور ان سے کام لے۔ خدا اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عشق رکھے۔ اسلامی تعلیمات کی عزت کی روح کو سمجھے اور اس پر عمل کرے تو وہ حقیقت میں خدا کا جانشین بن سکتا ہے اور اپنی تقدیر کا آپ مالک بن سکتا ہے۔“

(عزیز احمد)

”ہم اقبالؑ کو عہدِ جدید کا زبردست نمونہ اسلامی، مجددِ ملت اور اسلامی انقلاب کا سب سے بڑا داعی کہتے ہیں۔“

(مولانا سعید احمد کسبر آبادی)

”ڈاکٹر اقبال اپنی وفات سے ہمارے ادب میں ایسی جگہ خالی کرتے ہیں، جس کا کھاؤ مدتِ مدید میں بھی مُسند مل نہیں ہو سکتا۔ ہندوستان کا رتبہ آج دُنیا میں اتنا کم پایہ ہے کہ ہم کسی حالت میں ایسے شاعر کی کمی برداشت نہیں کر سکتے، جن کے کلام نے عالمگیر مقبولیت حاصل کر لی ہو۔“

(رابندر ناتھ ٹیلور، بھارت)

”اگر جمال الدین رومیؒ اس زمانے میں جی اٹھیں تو وہ مُحمد اقبال ہی ہوں گے۔ ساتویں صدی کے جمال اور چودھویں صدی کے اقبال کو ایک ہی سمجھنا چاہیے۔“

(ڈاکٹر عبدالوہاب عزام، مصر)

”یہ بھی ہمارے شہنشاہانہ طرزِ حکومت کا ایک کرشمہ ہے کہ اقبال جیسا شاعر، جس کا نام گزشتہ دس برس سے اُس کے ہم وطن مسلمانانِ ہند میں نیچے نیچے کی زبان پر ہے، اُس کے کلام کا ترجمہ اس قدر عرصے کے بعد جا کر ہمارے زبان میں ہو سکے۔ ہندوؤں میں جو مرتبہ ٹیلور کو حاصل ہے، وہی مسلمانوں میں اقبال کو ہے اور زیادہ صحیح طور پر ہے، اس لیے کہ ٹیلور کو بنگال سے باہر اُس وقت تک کسی نے نہ پوچھا جب تک وہ یورپ جا کر نوبل پرائز نہ حاصل کر لاتے۔ برخلاف اس کے اقبال کی شہرت یورپ کی اعانت سے بالکل مُستثنیٰ ہے۔“

(ای۔ ایم فاسٹر، ۱۹۲۰ء)

۱۲
کلیاتِ اقبال
ن

ترتیبِ کلیاتِ اقبال

۱۷

بانگِ درا

۳۲۵

بالِ حبیبِ ریل

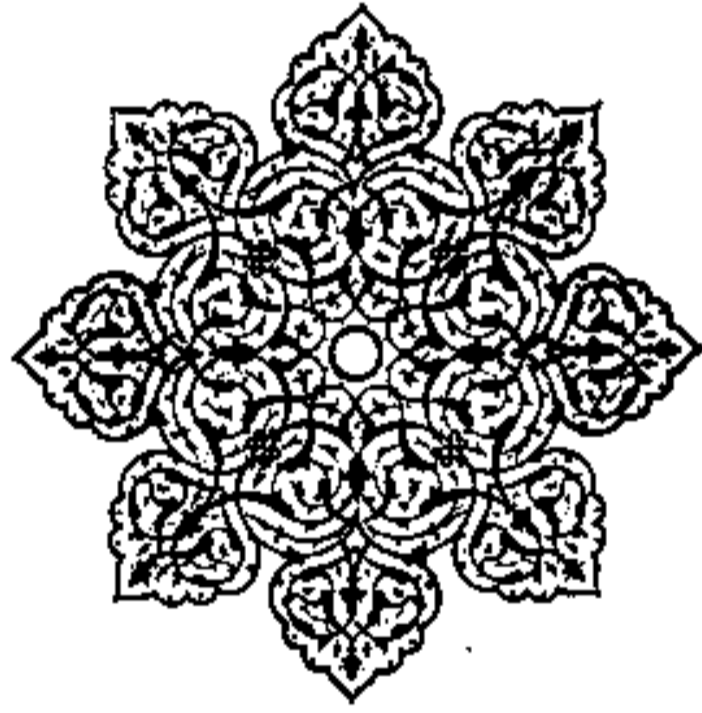
۵۰۱

ضمیرِ حکیم

۶۹۳

ارمغانِ حجاز (اُردو)

۱۵
کلیاتِ اقبال
س



۱۶
کلیات اقبال
ع

بانگِ درا

اقبال

۱۸	۱۶
۱۹	۱۷
۲۰	۱۸
۲۱	۱۹
۲۲	۲۰
۲۳	۲۱
۲۴	۲۲
۲۵	۲۳
۲۶	۲۴
۲۷	۲۵
۲۸	۲۶
۲۹	۲۷
۳۰	۲۸
۳۱	۲۹
۳۲	۳۰
۳۳	۳۱
۳۴	۳۲
۳۵	۳۳
۳۶	۳۴
۳۷	۳۵
۳۸	۳۶
۳۹	۳۷
۴۰	۳۸
۴۱	۳۹
۴۲	۴۰
۴۳	۴۱
۴۴	۴۲
۴۵	۴۳

۱۸
یا گاہیک در



بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

فہرست

حصہ اول

(..... ۱۹۰۵ء تک)

۵۱/۳۵

۵۳/۳۷

۵۵/۳۹

۵۵/۳۹

۵۷/۴۱

۵۹/۴۳

۶۱/۴۵

مسالہ

گل زندیں

عہد طفیلی

مرزا غالب

ابراہیم کوہسار

ایک مکڑا اور مکھی

ایک پہاڑ اور گلہری

۱

۲

۳

۴

۵

۶

۷

۱۹
باقی رہا
۳

۶۲/۴۶	ایک گائے اور بکری	۸
۶۵/۴۹	بچے کی دعا	۹
۶۶/۵۰	ہمدردی	۱۰
۶۷/۵۱	ماں کا خواب	۱۱
۶۸/۵۲	پرندے کی فریاد	۱۲
۶۹/۵۳	خفتگان خاک کے استفسار	۱۳
۷۱/۵۵	شمع و پروانہ	۱۴
۷۲/۵۶	عقل و دل	۱۵
۷۳/۵۷	صدائے درد	۱۶
۷۴/۵۸	افتاب (ترجمہ کاہنری)	۱۷
۷۵/۵۹	شمع	۱۸
۷۸/۶۲	ایک آرزو	۱۹
۸۰/۶۴	افتاب صبح	۲۰
۸۲/۶۶	دردِ عشق	۲۱

۲۰
باقی ہے در
۲

۸۳/۴۷	گل پشمرودہ	۲۲
۸۴/۴۸	سید کی لوح شربت	۲۳
۸۵/۴۹	ماہ نو	۲۴
۸۶/۷۰	انسان اور بزم قدرت	۲۵
۸۸/۷۲	پیام صبح	۲۶
۸۹/۷۳	عشق اور موت	۲۷
۹۱/۷۵	زہد اور زندگی	۲۸
۹۲/۷۷	شاعر	۲۹
۹۳/۷۷	دل	۳۰
۹۴/۷۸	سویج دریا	۳۱
۹۵/۷۹	رخصت اے بزم جہاں!	۳۲
۹۷/۸۱	طفل شیرخوار	۳۳
۹۸/۸۲	تصویر درد	۳۴
۱۰۴/۸۸	ناله سراق	۳۵

۱۰۵/۸۹	۳۶	چاند
۱۰۶/۹۰	۳۷	بلال رضی
۱۰۸/۹۲	۳۸	سرگزشتِ آدم
۱۰۹/۹۳	۳۹	ترانہ ہندی
۱۱۰/۹۴	۴۰	خُکنو
۱۱۲/۹۶	۴۱	صبح کا ستارہ
۱۱۳/۹۷	۴۲	ہندوستانی بچوں کا قومی کیفیت
۱۱۴/۹۸	۴۳	نیا سوالا
۱۱۵/۹۹	۴۴	وانغ
۱۱۷/۱۰۱	۴۵	آبر
۱۱۸/۱۰۲	۴۶	ایک پرندہ اور خُکنو
۱۱۹/۱۰۳	۴۷	بچہ اور شمع
۱۲۱/۱۰۵	۴۸	کنار راوی
۱۲۲/۱۰۶	۴۹	التجائے مسافر

۲۲
باغیچہ پرا
۴

غزلیات

- ۱ گلزارِ پست و بود نہ بیگمانہ وار ویکھ
- ۲ نہ آتے، ہمیں اس میں تکرار کیا تھی
- ۳ عجب واعظ کی دین داری ہے یار سب!
- ۴ لاؤں وہ تنگے کہیں سے اشیانے کے لیے
- ۵ کیا کہوں اپنے چمن سے میں جدا کیونکر ہوا
- ۶ انوکھی وضع ہے سارے زمانے سے نزلے ہیں
- ۷ ظاہر کی آنکھ سے نہ تماشا کرے کوئی
- ۸ کہوں کیا آرزو ہے بے ولی مجھ کو کہاں تک ہے
- ۹ جنھیں میں ڈھونڈتا تھا آسمانوں میں زمینوں میں
- ۱۰ ترے عشق کی انتہا چاہتا ہوں
- ۱۱ کشادہ دستِ کرم جب وہ بے نیاز کرے
- ۱۲ سختیاں کرتا ہوں دل پر غیر سے غافل ہوں میں
- ۱۳ مجنوں نے شہرِ چھوڑا تو صحرا بھی چھوڑے

۱۲۲/۱۰۸

۱۲۲/۱۰۸

۱۲۵/۱۰۹

۱۲۵/۱۰۹

۱۲۶/۱۱۰

۱۲۷/۱۱۱

۱۲۸/۱۱۲

۱۲۸/۱۱۲

۱۲۹/۱۱۳

۱۳۱/۱۱۵

۱۳۱/۱۱۵

۱۳۲/۱۱۶

۱۳۳/۱۱۷

حصہ دوم

(۱۹۰۵ء سے ۱۹۰۸ء تک)

۱۳۶/۱۲۱	محبت	۱
۱۳۸/۱۲۲	حقیقتِ حسن	۲
۱۳۹/۱۲۳	پیام	۳
۱۳۹/۱۲۳	سوامی رام تیرتھ	۴
۱۴۰/۱۲۴	طلبہ علی لڑھ کالج کے نام	۵
۱۴۱/۱۲۵	اختصر صحیح	۶
۱۴۱/۱۲۵	حسن و عشق	۷
۱۴۲/۱۲۶ کی خود میں بتی دیکھ کر	۸
۱۴۳/۱۲۷	کھی	۹
۱۴۴/۱۲۸	چاند اور تارے	۱۰
۱۴۵/۱۲۹	وصال	۱۱

۲۲
بانگے دریا

۱۴۶/۱۳۱

۱۴۸/۱۳۲

۱۵۰/۱۳۳

۱۵۱/۱۳۵

۱۵۲/۱۳۶

۱۵۲/۱۳۶

۱۵۳/۱۳۷

۱۵۴/۱۳۸

۱۵۵/۱۳۹

۱۵۵/۱۳۹

۱۵۷/۱۴۱

۱۵۸/۱۴۲

۱۵۹/۱۴۳

۱۲ سلیمی

۱۳ عاشق ہر جباتی

۱۴ کوشش ناتمام

۱۵ نوائے غم

۱۶ عشرت امروز

۱۷ انسان

۱۸ جلوہ حسن

۱۹ ایک شام

۲۰ تنہائی

۲۱ پیام عشق

۲۲ فنراق

۲۳ عبدالعتاد کے نام

۲۴ صفتیت

۲۵
باقی ہے ررا

۹

غزلیات

- | | | |
|---------|---|--|
| ۱۶۱/۱۲۵ | ۱ | زندگی انساں کی اک دم کے سوا کچھ بھی نہیں |
| ۱۶۱/۱۲۵ | ۲ | الہی عقلِ نجات پے کو ذرا سی دیوانگی سکھاوے |
| ۱۶۲/۱۲۶ | ۳ | زمانہ دیکھے گا جب مرے دل سے شرارتے کا لنگھو کا |
| ۱۶۲/۱۲۸ | ۴ | چمک تیری عیاں بجلی میں آتش میں شرارے میں |
| ۱۶۵/۱۲۹ | ۵ | یوں تو اے بزمِ جہاں دلکش تھے ہنگامے تے |
| ۱۶۵/۱۲۹ | ۶ | مشال پر توے طوفِ جام کرتے ہیں |
| ۱۶۶/۱۵۰ | ۷ | زمانہ آیا ہے بے حجابی کا، عام دیدار یار جو کا |

حصہ سوم

(۱۹۰۸ء سے.....)

- | | | |
|---------|---|----------------|
| ۱۶۱/۱۵۵ | ۱ | بلا وِ اسلامیہ |
| ۱۶۳/۱۵۶ | ۲ | ستارہ |
| ۱۶۲/۱۵۸ | ۳ | دو ستارے |

۲۶
بانگِ درا

۱۷۲/۱۵۸	گورستان شاہی	۴
۱۸۰/۱۶۴	نمودِ صبح	۵
۱۸۱/۱۶۵	تضمین بر شعر انیسوی شاملو	۶
۱۸۲/۱۶۶	فائدہ عنہم	۷
۱۸۵/۱۶۹	پھول کا تحفہ عطا ہونے پر	۸
۱۸۶/۱۷۰	ترانہ بقی	۹
۱۸۷/۱۷۱	وطنیت	۱۰
۱۸۸/۱۷۲	ایک حاجی مدینے کے راستے میں	۱۱
۱۸۹/۱۷۳	قطعہ (کل ایک شہیدہ خواب کا نبی پر روکے کہہ رہا تھا)	۱۲
۱۹۰/۱۷۴	شکوہ	۱۳
۱۹۹/۱۸۳	چاند	۱۴
۲۰۰/۱۸۴	رات اور شاعر	۱۵
۲۰۱/۱۸۵	بزمِ انجم	۱۶
۲۰۳/۱۸۷	سیرِ فلک	۱۷

۲۰۲/۱۸۸	نصیحت	۱۸
۲۰۵/۱۸۹	رام	۱۹
۲۰۶/۱۹۰	موٹر	۲۰
۲۰۶/۱۹۰	انسان	۲۱
۲۰۶/۱۹۱	خطاب بہ جوانان اسلام	۲۲
۲۰۸/۱۹۲	غزوة شوال یا ہلال عید	۲۳
۲۱۰/۱۹۲	شمع اور شاعر	۲۴
۲۲۳/۲۰۷	مسلم	۲۵
۲۲۲/۲۰۸	حضور رسالت ﷺ میں	۲۶
۲۲۶/۲۱۰	شفناخانہ حجاز	۲۷
۲۲۷/۲۱۱	جواب شکوہ	۲۸
۲۳۷/۲۲۱	ساقی	۲۹
۲۳۸/۲۲۲	تعلیم اور اس کے نتائج	۳۰
۲۳۸/۲۲۲	قرب سلطان	۳۱

۲۸
بانگِ درا
۱۲

۲۳۹/۲۲۳

۲۴۰/۲۲۴

۲۴۱/۲۲۵

۲۴۲/۲۲۶

۲۴۳/۲۲۷

۲۴۴/۲۲۸

۲۴۵/۲۲۹

۲۴۶/۲۳۰

۲۴۷/۲۳۱

۲۴۸/۲۳۲

۲۴۹/۲۳۳

۲۵۰/۲۳۴

۲۵۱/۲۳۵

۲۵۲/۲۳۶

شاعر ۳۲

نوید صبح ۳۳

دعا ۳۴

عید پر شعر لکھنے کی فرمائش کے جواب میں ۳۵

فاطمہ بنت عبد اللہ ۳۶

شبہنم اور ستارے ۳۷

محاصرہ اور نہ ۳۸

غلام متاوردہ سید ۳۹

ایک مکالمہ ۴۰

میں اور تو ۴۱

تضمین بر شعر ابوطالب کلیم ۴۲

شہابی و حسانی ۴۳

ارتقا ۴۴

صدیق رضی ۴۵

۲۹
باقی ص ۱۳

۲۵۳/۲۳۷	۲۶	تہذیبِ حاضر
۲۵۴/۲۳۸	۲۷	والدہ مرحومہ کی یاد میں
۲۶۶/۲۵۰	۲۸	شعاعِ آفتاب
۲۶۷/۲۵۱	۲۹	عسرنی
۲۶۸/۲۵۲	۵۰	ایک خط کے جواب میں
۲۶۹/۲۵۳	۵۱	نانک
۲۷۰/۲۵۴	۵۲	گفرو اسلام
۲۷۱/۲۵۵	۵۳	بلال رضی
۲۷۲/۲۵۶	۵۴	مسلمان اور تعلیمِ جدید
۲۷۳/۲۵۷	۵۵	پھولوں کی شہزادی
۲۷۳/۲۵۷	۵۶	تضمین بر شہرِ صہائب
۲۷۴/۲۵۸	۵۷	فروس میں ایک مکالمہ
۲۷۵/۲۵۹	۵۸	مذہب
۲۷۶/۲۶۰	۵۹	جنابِ یرموک کا ایک واقعہ

۳۰
بانگِ ورا
۱۲

۲۶۶/۲۴۱	۶۰	مذہب
۲۶۶/۲۴۱	۶۱	پیوستہ درہ شجر سے امید بہار رکھ
۲۶۸/۲۴۲	۶۲	شب معراج
۲۶۸/۲۴۲	۶۳	مُحمول
۲۶۹/۲۴۳	۶۴	شیکسپیئر
۲۸۰/۲۴۴	۶۵	میں اور تو
۲۸۱/۲۴۵	۶۶	اسیری
۲۸۱/۲۴۵	۶۷	دریوزہ حنلافت
۲۸۲/۲۴۶	۶۸	ہمایوں
۲۸۳/۲۴۷	۶۹	خضرِ سیرا
۲۹۷/۲۸۱	۷۰	طلوع اسلام

غزلیات

۳۰۹/۲۹۳	۱	اے باوصبا! کئی والے سے جا کہیو پیغام مرا
---------	---	--

- ۲ یہ سرودِ قمری و بسبل فریبِ کوش ہے ۳۱۰/۲۹۴
- ۳ نالہ ہے بسبل شوریدہ ترا حنام ابھی ۳۱۰/۲۹۴
- ۴ پروہ چہرے سے اٹھا، نخب من آرائی کر ۳۱۱/۲۹۵
- ۵ پھر بادِ بسار آئی، اقبالِ غزلِ خواں ہو ۳۱۲/۲۹۶
- ۶ کبھی اے حقیقتِ منتظر! نظرِ آلباسِ مجاز میں ۳۱۲/۲۹۶
- ۷ تہِ دام بھی غزلِ آشنا ہے طائرانِ چسپن تو کیا ۳۱۳/۲۹۷
- ۸ گرچہ تو زندانیِ اسباب ہے ۳۱۴/۲۹۸

ظہیرنا

- ۱ مشرق میں اصولِ دین بن جاتے ہیں ۳۱۵/۲۹۹
- ۲ لڑکیاں پڑھ رہی ہیں انگریزی ۳۱۵/۲۹۹
- ۳ شیخ صاحب بھی تو پردے کے کوئی حامی نہیں ۳۱۵/۲۹۹
- ۴ یہ کوئی دن کی بات ہے اے مردِ ہوش مند! ۳۱۶/۳۰۰
- ۵ تعلیمِ مغربی ہے بہت جسراتِ آفریں ۳۱۶/۳۰۰

۳۲
بانگِ درا
۱۶

- ۴ کچھ غم نہیں جو حضرت واعظ ہیں تنگ دست ۳۱۶/۳.۰
- ۵ تہذیب کے مریض کو گولی سے منامدہ! ۳۱۶/۳.۰
- ۸ انتہا بھی اس کی ہے آخر خریدیں کب تک! ۳۱۷/۳.۰
- ۹ ہم مشرق کے مسکینوں کا دل مغرب میں جاٹکا ہے ۳۱۷/۳.۰
- ۱۰ اصل شہود و شاہد و مشہود ایک ہے! ۳۱۷/۳.۰
- ۱۱ ہاتھوں سے اپنے دامن ڈنیا نکل گیا ۳۱۸/۳.۰
- ۱۲ وہ بس بولی ارادہ خودکشی کا جب کیا میں نے ۳۱۸/۳.۰
- ۱۳ ناواں تھے اس قدر کہ نہ جانی عرب کی قدر ۳۱۸/۳.۰
- ۱۴ ہندوستان میں جبر و حکومت ہیں کونسلیں ۳۱۸/۳.۰
- ۱۵ ممبری اسپیرٹل کونسل کی کچھ مشکل نہیں ۳۱۹/۳.۰
- ۱۶ دلیل مہر و وفا اس سے بڑھ کے کیا ہوگی ۳۱۹/۳.۰
- ۱۷ فرما رہے تھے شیخ طریق عمل یہ وعظ ۳۱۹/۳.۰
- ۱۸ دیکھیے چلتی ہے مشرق کی تجارت کب تک! ۳۲۰/۳.۰
- ۱۹ گائے اک روز ہوتی اونٹ سے یوں گرم سخن ۳۲۰/۳.۰

۳۲۱/۳.۵	۲۰	راست پتھر نے کہہ دیا مجھ سے
۳۲۲/۳.۶	۲۱	یہ آیہ نوحیل سے نازل ہوئی مجھ پر
۳۲۲/۳.۶	۲۲	جان جاتے ہاتھ سے جاتے نہ ست
۳۲۲/۳.۶	۲۳	مخت و سرمایہ دنیا میں صف آرا ہو گئے
۳۲۲/۳.۶	۲۴	شام کی سرحد سے رخصت ہے وہ رند لم یزل
۳۲۳/۳.۷	۲۵	شکر ارتھی مزارع و مالک میں ایک روز
۳۲۳/۳.۷	۲۶	اٹھ کر پھینک دو باہر گلی میں
۳۲۴/۳.۸	۲۷	کارخانے کا ہے مالک مرد کب نا کردہ کار
۳۲۴/۳.۸	۲۸	سنا ہے میں نے کل یہ گفتگو تھی کارخانے میں
۳۲۴/۳.۸	۲۹	مسجد تو بنا وہی شب بھر میں ایماں کی حرارت والوں نے



۳۲۲
بانگِ ردا
۱۸

دیباچہ

شیخ عبد الفتاویٰ بریلوی لاسابق مدیر "مخزن"

کے خبر تھی کہ غالب مرحوم کے بعد ہندوستان میں پھر کوئی ایسا شخص پیدا ہو گا جو اردو شاعری کے جسم میں ایک نئی روح پھونک دے گا اور جس کی بدولت غالب کا بے نظیر تختہ سیل اور زلالہ انداز بیان پھر وجود میں آئیں گے اور ادبِ اردو کے فروغ کا باعث ہوں گے مگر زبانِ اردو کی خوش اقبالیت دیکھیے کہ اس زمانے میں اقبال سا شاعر اسے نصیب ہوا جس کے کلام کا سکہ ہندوستان بھر کی اردو دان دنیا کے دلوں پر بیٹھا ہوا ہے اور جس کی شہرت روم و ایران بلکہ فرنگستان تک پہنچ گئی ہے۔

غالب اور اقبال میں بہت سی باتیں مشترک ہیں۔ اگر میں تناسخ کا قائل ہوتا تو ضرور کہتا کہ مرزا اسد اللہ خاں غالب کو اردو اور فارسی کی شاعری سے جو عشق تھا، اُس نے اُن کی روح کو عدم میں جا کر بھی چین نہ لینے دیا اور مجبور کیا کہ وہ پھر کسی جسدِ خاکی میں جلوہ اسے زور چوکر شاعری کے چین کی آبیاری کرے اور اُس نے پنجاب کے ایک گوشے میں جسے سیالکوٹ کہتے ہیں، دوبارہ جنم لیا اور محمد اقبال

نام پایا۔

جب شیخ محمد اقبال کے والد بزرگوار اور ان کی پیاری ماں ان کا نام تجویز کر رہے ہوں گے تو قبولِ دعا کا وقت ہو گا کہ ان کا دیا ہوا نام اپنے پورے معنوں میں صحیح ثابت ہوا اور ان کا اقبال سندھیستان میں تحصیل علم سے فارغ ہو کر انگلستان پہنچا، وہاں کیسبرج میں کامیابی سے وقت ختم کر کے جرمنی گیا اور علمی دنیا کے اعلیٰ مدارج طے کر کے واپس آیا۔ شیخ محمد اقبال نے یورپ کے قیام کے زمانے میں بہت سی فارسی کتابوں کا مطالعہ کیا اور اس مطالعے کا خلاصہ ایک محققانہ کتاب کی صورت میں شائع کیا جسے فلسفہ ایران کی مختصر تاریخ کہنا چاہیے۔ اسی کتاب کو دیکھ کر جرمنی والوں نے شیخ محمد اقبال کو ڈاکٹر کا علمی درجہ دیا۔ سرکارِ انگریزی کو جس کے پاس مشرقی زبانوں اور علوم کی نسبت براہِ راست اطلاع کے ذرائع کافی نہیں، جب ایک عرصے کے بعد معلوم ہوا کہ ڈاکٹر صاحب کی شاعری نے عالم کی شہرت پیدا کر لی ہے تو اس نے بھی ازراہ قدرتی سہرا کا ممتاز خطاب انھیں عطا کیا۔ اب وہ ڈاکٹر محمد اقبال کے نام سے مشہور ہیں لیکن ان کا نام جس میں یطیفِ حسدِ ادا ہے کہ نام کا نام ہے اور تخصص کا تخصص، ان کی ڈاکٹری اور سہری سے زیادہ مشہور اور معتبول ہے۔

سیالکوٹ میں ایک کالج ہے جس میں علامتہ سلف کی یادگار اور ان کے نقشِ قدم پر چلنے والے ایک بزرگ مولوی سید میر حسن صاحب علومِ مشرقی کا درس دیتے ہیں۔ حال میں انھیں کورنٹس سے خطاب شمسِ اسلام بھی ہوتا ہے۔ ان کی تعلیم کا یہ خاصہ ہے کہ جو کوئی ان سے فارسی یا عربی سیکھے، اس کی طبیعت میں اس زبان کا صحیح مذاق پیدا ہوتے

✽ ۲۵ ستمبر ۱۹۲۹ء کو حضرت کا وصال ہو گیا ہے

ہیں۔ اقبال کو بھی اپنی ابتدائے عمر میں مولوی سید میر حسن صاحب اساتذہ بلا طبیعت میں علم ادب سے مناسبت قدرتی طور پر موجود تھی۔ فارسی اور عربی کی تحصیل مولوی صاحب موصوف کے کی۔ سونے پر سہا کا ہو گیا۔ ابھی اسکول ہی میں پڑھتے تھے کہ کلام مؤزوں زبان سے نکلنے لگا۔ پنجاب میں اردو کا رواج اس قدر ہو گیا تھا کہ ہر شہر میں زبان دانی اور شعر و شاعری کا چرچا لم بوش موجود تھا۔ سیالکوٹ میں بھی شیخ محمد اقبال کی طالب علمی کے دنوں میں ایک چھوٹا سا مشاعرہ ہوتا تھا۔ اُس کے لیے اقبال نے کبھی کبھی غزل لکھنی شروع کر دی۔ شعرے اردو میں اُن دنوں نواب مزاحاں صاحب داغ دہلوی کا بہت شہرہ تھا اور نظم و کون کے استاد ہونے سے اُن کی شہرت اور بھی بڑھتی تھی۔ لوگ جو اُن کے پاس جا نہیں سکتے تھے، خط و کتابت کے ذریعے دُور ہی سے اُن سے شاعری کی نسبت پیدار کرتے تھے۔ غزلیں ڈال میں اُن کے پاس جاتی تھیں اور وہ اصلاح کے بعد واپس بھیجتے تھے۔ پچھلے زمانے میں جب ڈال کا یہ انتظام نہ تھا، کسی شاعر کو اتنے شاعر کیسے میسر آسکتے تھے۔ اس سہولت کی وجہ سے یہ حال تھا کہ سیکڑوں آدمی اُن سے غائبانہ ملتے رکھتے تھے اور انہیں اس کام کے لیے ایک عملہ اور محکمہ رکھنا پڑتا تھا۔ شیخ محمد اقبال نے بھی انہیں خط لکھا اور چند غزلیں اصلاح کے لیے بھیجیں۔ اس طرح اقبال کو اردو زبان دانی کے لیے بھی ایسے استاد سے نسبت پیدا ہوتی جو اپنے وقت میں زبان کی خوبی کے لحاظ سے فن غزل میں کیلتا سمجھا جاتا تھا۔ گو اس ابتدائی غزل کوئی میں وہ باتیں تو موجود نہ تھیں جن سے بعد ازاں کلام اقبال نے شہرت پائی، مگر جناب داغ پہچان گئے کہ پنجاب کے ایک دُور افتادہ ضلع کا یہ طالب علم کوئی معمولی غزل گو نہیں۔ انہوں نے جس قدر کہہ دیا کہ کلام میں اصلاح کی گنجائش بہت کم ہے اور یہ سلسلہ ملتہ کا بہت دیر قائم

نہیں ہا۔ البتہ اس کی یاد و ذنون طرف گہکتی۔ داغ کا نام اردو شاعری میں ایسا پایہ کھتا ہے کہ اقبال کے دل میں داغ سے اس مختصر اور غائبانہ تعلق کی بھی مدت ہے اور اقبال نے داغ کی زندگی ہی میں تبہول عام کا وہ درجہ حاصل کر لیا تھا کہ داغ مرحوم اس بات پر فخر کرتے تھے کہ اقبال بھی ان لوگوں میں شامل ہے جن کے کلام کی انھوں نے اصلاح کی۔ مجھے خود دکن میں ان سے ملنے کا اتفاق ہوا اور میں نے خود ایسے فخریہ کلمات ان کی زبان سے سنیے۔ سیالکوٹ کے کالج میں ایف اے کے درجے تک تعلیم تھی۔ بی اے کے لیے شیخ محمد اقبال کو لاہور آنا پڑا۔ انھیں علم فلسفہ کی تحصیل کا شوق تھا اور انھیں لاہور کے اساتذہ میں ایک نہایت شفیق استاد ملا جس نے فلسفہ کے ساتھ ان کی مناسبت دیکھ کر انھیں خاص توجہ سے پڑھانا شروع کیا۔ پروفیسر آرنلڈ صاحب جو اب سرٹانس آرنلڈ ہونے لگے ہیں اور انگلستان میں مقیم ہیں، غیر معمولی قابلیت کے شخص ہیں۔ قوتِ تحریر ان کی بہت اچھی ہے اور وہ علمی جستجو اور تلاش کے طریق جدید سے خوب واقف ہیں۔ انھوں نے چاہا کہ اپنے شاگرد کو اپنے مذاق اور اپنے طرزِ عمل سے حصہ دیں اور وہ اس ارادے میں بہت کچھ کامیاب ہوئے۔ پہلے انھوں نے علی کڑھ کالج کی پروفیسری کے زمانے میں اپنے دوست مولانا شبلی مرحوم کے مذاق علمی کے کچھت کرنے میں کامیابی حاصل کی تھی اب انھیں یہاں ایک اور جوہر متابل نظر آیا جس کے چمکانے کی آرزو ان کے دل میں پیدا ہوئی۔ اور جو دوستی اور محبت استاد اور شاگرد میں پہلے دن سے پیدا ہوئی وہ آخر میں شاگرد کو استاد کے پیچھے پیچھے انگلستان لے گئی اور وہاں یہ رشتہ اور بھی مضبوط ہو گیا، اور آج تک قائم ہے۔ آرنلڈ خوش ہے کہ میری محنت ٹھکانے لگی اور میرا شاگرد علمی دنیا میں سیر کے لیے بھی باعثِ شہرت افزائی ہوا اور اقبال معترف ہے کہ جس مذاق کی بنیاد سید میر حسن

۲۸
ہاگے ر
۲۲

نے ڈالی تھی اور جسے درمیان میں واقع کے غائبانہ تعارف نے بڑھایا تھا، اُس کے آخری مرحلے آرنلڈ کی شفیقانہ رہبری سے ملے ہوئے۔

اقبال کو اپنی علمی مساعزل ملے کرنے میں اچھے اچھے رہبر ملے اور بڑے بڑے علماء سے سابقہ پڑا۔ ان لوگوں میں کیمبرج یونیورسٹی کے ڈاکٹر میک ٹیکرٹ، براؤن، نکلسن اور سارلی قابل ذکر ہیں۔ پروفیسر نکلسن تو پہلے شکرے کے خاص طور پر مستحق ہیں کیونکہ انھوں نے اقبال کی مشہور فارسی نظم ”اسرارِ خودی“ کا انگریزی ترجمہ کر کے اور اُس پر ویساچہ اور حواشی لکھ کر یورپ اور امریکہ کو اقبال سے روشناس کیا۔ اسی طرح ہندوستان کی علمی دنیا میں جتنے نامور اُس زمانے میں موجود تھے مثلاً مولانا شبلی مرحوم، مولانا حالی مرحوم، ابراہیم مرحوم، سب سے اقبال کی ملاقات اور خط و کتابت رہی اور ان کے اثرات اقبال کے کلام پر اور اقبال کا اثر ان کی طبائع پر پڑتا رہا۔ مولانا شبلی نے بہت سے خطوط میں اور حضرت اکبر نے نہ صرف خطوں میں بلکہ بہت سے اشعار میں اقبال کے کمال کا اعتراف کیا ہے اور اقبال نے اپنی نظم میں ان بالکالوں کی جا بجا تعریف کی ہے۔

ابتدائی مشق کے دنوں کو چھوڑ کر اقبال کا اردو کلام بیسویں صدی کے آئینے سے کچھ پہلے شروع ہوتا ہے۔ ۱۹۰۱ء سے غالباً دو تین سال پہلے میں نے انھیں پہلی مرتبہ لاہور کے ایک مشاعرے میں دیکھا۔ اس نزم میں ان کو ان کے چند ہم جماعت کھینچ کر لے آئے اور انھوں نے کہ سن کر ایک غزل بھی پڑھوائی۔ اس وقت تک لاہور میں لوگ اقبال سے واقف نہ تھے۔ چھوٹی سخی غزل تھی۔ ساوہ سے الفاظ۔ زمین بھی مشکل نہ تھی۔ مگر کلام میں شوخی اور بے ساختہ پن موجود تھا۔ بہت پسند لی گئی۔ اس کے بعد دو تین مرتبہ پھر اسی مشاعرے میں انھوں نے غزلیں پڑھیں اور لوگوں کو معلوم ہوا کہ ایک

چونہا شاعر میدان میں آیا ہے۔ مگر یہ شہرت پہلے پہلے لاہور کے کالجوں کے طلبہ اور بعض ایسے لوگوں تک محدود رہی جو تعلیمی مشاغل سے تعلق رکھتے تھے۔ اتنے میں ایک ادبی مجلس قائم ہوئی جس میں شاہد شہرک ہونے لگے اور نظم و نثر کے مضامین کی اس میں مانگ ہوئی۔ شیخ محمد اقبال نے اس کے ایک جلسے میں اپنی وہ نظم جس میں کوہ ہمالہ سے خطاب ہے پڑھ کر سنائی۔ اس میں انگریزی خیالات تھے اور فنی بندشیں۔ اس پر خوبی یہ کہ وطن پرستی کی چاشنی اس میں موجود تھی۔ مذاق زمانہ اور ضرورت وقت کے موافق ہونے کے سبب بہت مقبول ہوئی اور کئی طرف سے فرمائشیں ہونے لگیں کہ اسے شائع کیا جائے، مگر شیخ صاحب یہ عذر کر کے کہ ابھی نظم ثانی کی ضرورت ہے، اسے اپنے ساتھ لے گئے اور وہ اُس وقت چھپنے نہ پائی۔ اس بات کو تھوڑا ہی عرصہ گزارا تھا کہ میں نے ادب اردو کی ترقی کے لیے رسالہ 'مخزن' جاری کرنے کا ارادہ کیا۔ اس اثنا میں شیخ محمد اقبال سے میری دوستانہ ملاقات پیدا ہو چکی تھی۔ میں نے ان سے وعدہ لیا کہ اس رسالے کے حصہ نظم کے لیے وہ نئے رنگ کی نظمیں مجھے دیا کریں گے۔ پہلا رسالہ شائع ہونے کو تھا کہ میں ان کے پاس گیا اور میں نے ان سے کوئی نظم مانگی۔ انھوں نے کہا ابھی کوئی نظم تیار نہیں۔ میں نے کہا ہمالہ والی نظم دے دیجیے اور دوسرے مہینے کے لیے کوئی اور لکھیے۔ انھوں نے اس نظم کے دینے میں پس پیشی کی کیونکہ انھیں یہ خیال تھا کہ اس میں کچھ خامیاں ہیں مگر میں دیکھ چکا تھا کہ وہ بہت مقبول ہوئی، اس لیے میں نے زبردستی وہ نظم ان سے لے لی اور 'مخزن' کی پہلی جلد کے پہلے نمبر میں جو اپریل ۱۹۰۱ء میں نکلا، شائع کر دی۔ یہاں سے گویا اقبال کی اردو شاعری کا پبلک طور پر آغاز ہوا اور ۱۹۰۵ء تک جب وہ ولایت گئے، یہ سلسلہ جاری رہا۔ اس عرصے میں وہ عموماً

۲۰
بانگِ درا
۲۲

مخزن کے ہر سبر کے لیے کوئی نہ کوئی نظم لکھتے تھے اور جوں جوں لوگوں کو ان کی شاعری کا حال معلوم ہوتا گیا، جاہج مختلف رسالوں اور اخباروں سے فرمائشیں آنے لگیں اور انجمنیں اور مجالس درخواستیں کرنے لگیں کہ ان کے سالانہ جلسوں میں لوگوں کو وہ اپنے کلام سے محفوظ کریں۔ شیخ صاحب اس وقت طالب علمی سے فارغ ہو کر کورنٹ کالج میں پروفیسر ہو گئے تھے اور دن ات علمی صحبتوں اور مشاغل میں بسر کرتے تھے طبیعت زوہوں پر تھی، شعر کہنے کی طرف جس وقت تامل ہوتے تو غضب کی آمد ہوتی تھی۔ ایک ایک نشست میں بے شمار شعر ہو جاتے تھے۔ ان کے دوست اور بعض طالب علم جو پاس ہوتے پوسل کاغذ لے کر لکھتے جاتے اور وہ اپنی دُھن میں کہتے جاتے۔ میں نے اس زمانے میں انھیں کبھی کاغذ قلم لے کر فکر سخن کرتے نہیں دیکھا۔ مؤزوں الفاظ کا ایک دریا بہتا یا ایک چشمہ اُبھتا معلوم ہوتا تھا۔ ایک خاص کیفیت رقت کی عسوماً ان پر طاری ہوتی تھی۔ اپنے اشعار سُرلی آواز میں ترقم سے پڑھتے تھے، خود وجد کرتے اور دوسروں کو وجد میں لاتے تھے۔ یہ عجیب خصوصیت ہے کہ حافظہ ایسا پایا ہے کہ جتنے شعر اس طرح زبان سے نکلیں، اگر وہ ایک سلسل نظم کے ہوں تو سب کے سب دوسرے وقت اور دوسرے دن اسی ترتیب سے حافظے میں محفوظ ہوتے ہیں جس ترتیب سے کہے گئے تھے، اور درمیان میں خود وہ انھیں قلب بند بھی نہیں کرتے۔ مجھے بہت سے شعرا کی ہم نشینی کا موقع ملا ہے اور بعض کو میں شعر کہتے بھی دیکھا اور سنا ہے، طریقہ رنگ لسی اور میں نہیں دیکھا۔ قبیل لی ایک خصوصیت یہ ہے کہ بایں سہرہ مؤزوں بی طبع وہ حسب فرمائش شعر کہنے سے قاصر ہے جب طبیعت خود تامل نظم ہو تو جتنے شعر چاہے کہہ دے طریقہ کہ ہر وقت اور ہر موقع پر حسب فرمائش وہ کچھ لکھ سکے، یہ قریب قریب ناممکن ہے۔ اسی لیے جب ان کا نام نکلا اور فرمائشوں کی بھرمار ہوئی تو انھیں اکثر

فرمائشوں کی تعمیل سے انکار ہی کرنا پڑا۔ اسی طرح انجمنوں اور مجالس کو بھی وہ عموماً جواب ہی دیتے رہے۔ فقط لاہور کی انجمن حمایت اسلام کو بعض وجوہ کے سبب یہ موقع ملا کہ اس کے سالانہ جلسوں میں کئی سال متواتر اقبال نے اپنی نظم سنائی جو خاص اسی جلسے کے لیے لکھی جاتی تھی اور جس کی منکر وہ پہلے سے کرتے رہتے تھے۔

اول اول جو نظمیں جلسہ عام میں پڑھی جاتی تھیں تحت اللفظ پڑھی جاتی تھیں اور اس طرز میں بھی ایک لطف تھا۔ طر بعض دستوں نے ایک مرتبہ جلسہ عام میں شیخ محمد اقبال سے یہ اصرار کیا کہ وہ نظم ترقم سے پڑھیں۔ ان کی آواز قدرتا بلند اور خوش آئند ہے۔ طرز ترقم سے بھی خاصہ واقف ہیں۔ ایسا سا بندھا کہ سلوت کا عالم چھایا اور لول جھومنے لگے۔ اس نے دو نتیجے ہوئے۔ ایک تو یہ کہ ان کے لیے تحت اللفظ پڑھنا مشکل ہو گیا جب بھی پڑھیں لول اصرار کرتے ہیں کہ لے سے پڑھا جائے اور دوسرا یہ کہ پہلے تو خواص ہی ان کے کلام کے قدر ان تھے اور اُنس کو سمجھ سکتے تھے، اس شش کے سبب عام بھی کھینچ آئے۔ لاہور میں جلسہ حمایت اسلام میں جب اقبال کی نظم پڑھی جاتی ہے تو دس دس ہزار آدمی ایک وقت میں جمع ہوتے ہیں اور جب تک نظم پڑھی جائے لول دم بخود بیٹھے رہتے ہیں۔ جو سمجھتے ہیں وہ بھی محو اور جو نہیں سمجھتے وہ بھی محو ہوتے ہیں۔

۱۹۰۵ء سے ۱۹۰۸ء تک اقبال کی شاعری کا ایک دوسرا دور شروع ہوا۔ یہ دور نما ہے جو انھوں نے یورپ میں بسر کیا۔ گو وہاں انھیں شاعری کے لیے نسبتاً کم وقت ملا اور ان نظموں کی تعداد جو وہاں کے قیام میں لکھی گئیں تھوڑی ہے مگر ان میں ایک حسن رنگ ہاں کے مشابہات کا نظر آتا ہے۔ اُنس زمانے میں دو بڑے تغیران کے خیالات میں آئے۔ ان تین سالوں میں سے دو سال ایسے تھے جن میں میرا بھی وہیں قیام تھا اور

الشرطقات کے موقعے ملتے رہتے تھے۔ ایک دن شیخ محمد اقبال نے مجھ سے کہا کہ ان کا ارادہ مصمم ہو گیا ہے کہ وہ شاعری کو ترک کر دیں اور قسم لھالیں کہ شعر نہیں کہیں گے اور جو وقت شاعری میں صرف ہوتا ہے اُسے کسی اور مفید کام میں صرف کریں گے۔ میں نے ان سے کہا کہ ان کی شاعری ایسی شاعری نہیں ہے جسے ترک کرنا چاہیے بلکہ ان کے کلام میں وہ تاثیر ہے جس سے ممکن ہے کہ ہماری در ماندہ قوم اور ہمسایے کم نصیب ملک کے امراض کا علاج ہو سکے، اس لیے ایسی مفید خدا و طاقت کو سیکار کرنا درست نہ ہو گا۔ شیخ صاحب کچھ قائل ہوئے کچھ نہ ہوئے اور یہ قرار پایا کہ آرنلڈ صاحب کی رائے پر آخری فیصلہ چھوڑا جائے۔ اگر وہ مجھ سے اتفاق کریں تو شیخ صاحب اپنے ارادہ ترک شعر کو بدل دیں اور اگر وہ شیخ صاحب سے اتفاق کریں تو ترک شعر اختیار کیا جائے۔ میں سمجھتا ہوں کہ علمی دنیا کی خوش قسمتی تھی کہ آرنلڈ صاحب نے مجھ سے اتفاق رائے کیا اور فیصلہ یہی ہوا کہ اقبال کے لیے شاعری کو چھوڑنا جائز نہیں اور جو وقت وہ اس شغل کی نذر کرتے ہیں وہ ان کے لیے بھی مفید ہے اور ان کے ملک و قوم کے لیے بھی مفید ہے۔ ایک تغیر جو پہلے شاعر کی طبیعت میں آتا تھا ہم کا تو یوں حسرتاً ہوا مگر وہ سراسر تغیر ایک چھوٹے سے آغاز سے ایک بڑے انجام تک پہنچا یعنی اقبال کی شاعری نے فارسی زبان کو اردو زبان کی جگہ اپنا ذریعہ اظہار خیال بنالیا۔ فارسی میں شعر کہنے کی رغبت اقبال کی طبیعت میں لئی اسباب سے پیدا ہوئی ہوگی اور میں سمجھتا ہوں کہ انھوں نے اپنی کتاب حالات تصوف کے متعلق لکھنے کے لیے جو کتب بینی کی، اس کو بھی ضرور اس تغیر شراق میں دخل ہو گا۔ اس کے علاوہ جوں جوں ان کا مطالعہ علم فلسفہ کے متعلق گہرا ہوتا گیا اور وسیع خیالات کے اظہار کو جی چاہا تو انھوں نے دیکھا کہ فارسی کے مقابلے میں اردو کا سہارا یہ بہت کم ہے اور فارسی میں

کئی فقرے اور جملے سانچے میں ڈھلے نمونے ایسے ملتے ہیں جن کے مطابق اردو میں فقرے ڈھلنے آسان نہیں، اس لیے وہ فارسی کی طرف مائل ہو گئے۔ مگر بظاہر جس چھوٹے سے واقعے سے ان کی فارسی گوئی کی ابتدا ہوتی ہے، وہ یہ ہے کہ ایک ترسہ ایک دست کے ہاں مدعو تھے جہاں ان سے فارسی اشعار سننے کی فرمائش ہوئی اور پوچھا گیا کہ وہ فارسی شعر بھی کہتے ہیں یا نہیں۔ انھیں اعتراف کرنا پڑا کہ انھوں نے سوائے ایک آدھ شعر کبھی کہنے کے فارسی لکھنے کی کوشش نہیں کی۔ مگر کچھ ایسا وقت تھا اور اس فرمائش نے ایسی تحریک ان کے دل میں پیدا کی کہ دعوت سے واپس آکر بہتر پر لٹے نمونے باقی وقت وہ شاید فارسی اشعار کہتے رہے اور صبح اٹھتے ہی جو مجھ سے ملے تو وہ تازہ غزلیں فارسی میں تیار تھیں جو انھوں نے زبانی مجھے سنائیں۔ ان غزلوں کے کہنے سے انھیں اپنی فارسی گوئی کی قوت کا حال معلوم ہوا جس کا پہلے انھوں نے اس طرح امتحان نہیں کیا تھا۔ اس کے بعد ولایت سے واپس آنے پر کوبھی کبھی اردو کی نظمیں بھی کہتے تھے مگر طبیعت کا رخ فارسی کی طرف ہوا۔ یہ ان کی شاعری کا تیسرا دور ہے جو ۱۹۰۸ء کے بعد سے شروع ہوا اور جو اب تک چل رہا ہے۔ اس عرصے میں اردو نظمیں بھی بہت سی ہوئیں اور اچھی اچھی جن کی ہضم مچ گئی۔ مگر اصل کام جس کی طرف وہ متوجہ ہو گئے، وہ ان کی فارسی مشنومی اسرار خودی تھی۔ اس کا خیال دیر تک ان کے دماغ میں رہا اور رفتہ رفتہ دماغ سے صفحہ قویٰ سرچ اُترنے لگا، اور آخر ایک مستقل کتاب کی صورت میں ظہور پذیر ہوا جس سے اقبال کا نام ہندوستان سے باہر بھی مشہور ہوا۔

فارسی میں اقبال کے قلم سے تین کتابیں اس وقت تک نکلی ہیں: اسرار خودی، 'رموز بے خودی' اور پیام مشرق۔ ایک سے ایک بہتر پہلی کتاب سے دوسری میں زبان

زیادہ سادہ اور عام فہم ہوتی ہے اور تیسری دوسری سے زیادہ سلیس ہے۔ جو لوگ اقبال کے اردو کلام کے دلدادہ ہیں وہ فارسی نظمیں کو دیکھ کر مایوس ہوتے ہوں گے مگر انہیں یاد رکھنا چاہیے کہ فارسی نے وہ کام کیا جو اردو سے نہیں ہو سکتا تھا۔ تمام اسلامی دنیا میں جہاں فارسی کلمہ و پیش متداول ہے اقبال کا کلام اس ذریعے سے پہنچ گیا اور اس میں ایسے خیالات تھے جن کی ایسی وسیع اشاعت ضروری تھی اور اسی وسیلے سے یورپ اور امریکہ والوں کو ہمارے ایسے قابل تصنیف کا حال معلوم ہوا۔ پیام مشرق میں ہمارے مصنف نے یورپ کے ایک نہایت بلند پایہ شاعر کو تھے کے سلام مغرب کا جواب لکھا ہے اور اس میں نہایت حکیمانہ خیالات کا اظہار بہت خوب صورتی سے کیا گیا ہے۔ اس کے اشعار میں بعض بڑے بڑے عقیدے حل ہوئے ہیں جو پہلے آسان طریق سے بیان نہیں ہوئے تھے۔ مدت سے بعض رسائل اور اخبارات میں ڈاکٹر محمد اقبال کو ترجمان حقیقت کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے اور ان کتابوں کے خاص خاص اشعار سے ثابت ہے کہ وہ اس لقب سے ملقب ہونے کے مستحق ہیں اور جس کسی نے یہ لقب ان کے لیے پہلے وضع کیا ہے اس نے کوئی مبالغہ نہیں کیا۔ فارسی گوئی کا ایک اثر اقبال کے اردو کلام پر یہ ہوا ہے کہ نظمیں اردو میں دورِ سوم میں لکھی گئی ہیں ان میں سے اکثر میں فارسی ترکیبیں اور فارسی بندشیں پہلے سے بھی زیادہ ہیں اور بعض جگہ فارسی اشعار پر تضحیوں کی لٹی ہے۔ گویا یہ معلوم ہوتا ہے کہ اشہب تسلیم جو فارسی کے میدان میں کامزن ہے اس کی بال کسی قدر تکلف کے ساتھ اردو کی طرف موڑی جا رہی ہے۔

اقبال کا اردو کلام جو وقتاً فوقتاً ۱۹۰۱ء سے لے کر آج تک سالوں اور اخباروں

میں شائع ہوا اور انجمنوں میں پڑھا گیا، اُس کے مجموعے کی اشاعت کے بہت لوگ خواہاں تھے۔ ڈاکٹر صاحب کے اجاب بارہا تقاضا کرتے تھے کہ اُردو کلام کا مجموعہ شائع کیا جائے مگر تسی وجوہات سے آج تک مجموعہ اُردو شائع نہیں ہو سکا تھا۔ خدا کا شکر ہے کہ آخر اب شائقین کلام اُردو کی یہ دیرینہ آرزو برآئی اور اقبال کی اُردو نظموں کا مجموعہ شائع ہوتا ہے جو دو سو بانو کے صفحوں پر مشتمل ہے اور تین حصوں پر منقسم ہے۔ حصہ اول میں ۱۹۰۵ء تک کی نظمیں ہیں، حصہ دوم میں ۱۹۰۵ء سے ۱۹۰۸ء تک کی اور حصہ سوم میں ۱۹۰۸ء سے لے کر آج تک کا اُردو کلام ہے۔ یہ دعوے سے کہا جا سکتا ہے کہ اُردو میں آج تک کوئی ایسی کتاب شاعر کی موجود نہیں ہے جس میں خیالات کی پینسروانی ہو اور اس قدر مطالب معانی کیجا ہوں۔ اور کیوں نہ ہو ایک صدی کے چہارم حصے کے مطالعے اور تجربے اور مشاہدے کا نچوڑ اور سیر و سیاحت کا نتیجہ ہے۔ بعض نظموں میں ایک شعر اور ایک مصرع ایسا ہے کہ اُس پر ایک مستقل مضمون لکھا جا سکتا ہے۔ یہ مختصر مضمون جو بطور ویساچہ لکھا گیا ہے اس میں مختلف نظموں کی تنقید یا مختلف اوقات کی نظموں کے باہم مقابلے کی گنجائش نہیں، اس کے لیے اگر ہو سکا تو میں کوئی اور موقع تلاش کروں گا۔ سرمدت میں صاحبان ذوق کو مبارک باد دیتا ہوں کہ اُردو قطیعت اقبال اُن کے سامنے رسالوں اور گلہ سٹوں کے اوراق پریشاں سے نکل کر ایک مجموعہ دل پذیر کی شکل میں جلوہ گر ہے اور اُمید ہے کہ جو لوگ مدت سے اس کلام کو بیجا دیکھنے کے شائق تھے، وہ اس مجموعے کو شوق کی نگاہوں سے دیکھیں گے اور دل سے اس کی قدر کریں گے۔

آخر میں اُردو شاعری کی طرف سے میں یہ درخواست قابل مصنف سے کرتا ہوں کہ

وہ اپنے دل و دماغ سے اُردو کو وہ جتھہ دین جس کی وہ مستحق اور محتاج ہے۔ خود انھوں نے غالب کی تعریف میں چند بند لکھے ہیں جن میں ایک شعر میں اُردو کی حالت کا صحیح نقشہ کھینچا ہے۔

کیسوتے اُردو ابھی منت پذیر شان ہے

شمع یہ سودا آئی دلسوزی پروانہ ہے

ہم ان کا یہ شعر پڑھ کر ان سے یہ کہتے ہیں کہ جس احساس نے یہ شعر ان سے نکلوا یا تھا، اُس سے کام لے کر اب وہ پھر کچھ عرصے کے لیے کیسوتے اُردو کے سنوارنے کی طرف متوجہ رہوں اور ہمیں موقع دیں کہ ہم اسی جسوتے اُردو کو جو اس قدر دیر کے بعد چھپا ہے، ایک دوسرے قلیات اُردو کا پیش خیمہ سمجھیں۔



الذین

قدت المحبہ ہم ہے۔

الذین کو راز جو بنایا۔ راز اگر گناہ سے چھایا
رہتا تو حق آگیا۔ کھنڈن سر محمد منگن کا
جوت اعاز و دستا ہے
آئے نہ کو بل لعد کیا ہے

حکم خرم موج دریا۔ دریا کوئے بحر حادہ سما
بلادل کو سوار راز میں۔ سناؤں سدا لدا
نار مشرب قدر۔ زندان ملک ملک ما زبر
خوشدہ عابد سحر۔ لاد اللہ نام بر سر
نہ ساروں لہ محمد۔ بندگی سون کا سر
دن و شب ہمیں۔ سرستہ لہ نورانی
کتاب علی روزہ راز ہے

۲۸
بانگے دریا
۳۲

حصہ اول

(..... ۱۹۰۵ء تک)

۲۹

بانگِ درا

۳۳

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

ہمالہ

اے ہمالہ! اے فصیلِ کشورِ ہندوستان
تجھ میں کچھ پیدا نہیں دیرینہ وزی کے تیل
چومتا ہے تیری پیشانی کو جھک کر اسماں
تو جوں ہے کر دیش شام و سحر کے دریاں

ایک جلوہ تھا کلیمِ طورِ سینا کے لیے
تو تجلی ہے سرِ اچشمِ بینا کے لیے

اتحانِ دیدہ ظاہر میں کوہِ ستاں ہے تو
مطلعِ اولِ فلکِ حسن کا ہو وہ دیوان ہے تو
پاسباں اسنا ہے تو دیوارِ ہندوستان ہے تو
سُورِ خلوتِ گہرہ دل و ہر کشنِ انساں ہے تو

برف نے باندھی ہے ستارِ فضیلت تیرے

خندہ ن ہے جو کلاہِ سرِ عالم تابِ

تیری عمر فرست کر کی ال آن ہے عہد کون
 وادیوں میں ہیں تیری کالی لکھتا میں خیر نون
 چوٹیاں تیری شریا سے ہیں سرگرم سخن
 تو زہیں پر اور پہناتے فلک تیرا وطن

چشمہ دامن ترا آئینہ سیال ہے

دامن موج ہو جس کے لیے وصال ہے

ابر کے ہاتھوں میں ہوا ہوا کے واسطے
 تازیانہ ڈے دیا برقی سر کھسار نے
 اے ہمالہ کوئی بازی کا ہے تو بھی جسے
 دست قدرت بنایا ہے عناصر کے لیے

ہائے کیا فرط طرب میں جھومتا جاتا ہے ابر

فیل بے زنجیر کی صورت اُڑا جاتا ہے ابر

جھبشس موج نسیم صبح کھوارہ بنی
 جھوٹی ہے نشہ ہستی میں ہر گل کی گل
 یوں بان برک سے گویا ہے اس کی خاموشی
 دست گلچیں کی جھٹک میں نے نہیں دیکھی کبھی

کہہ رہی ہے میری خاموشی ہی افسانہ مرا

گنج خلوت خانہ قدرت ہے کاشانہ مرا

آتی ہے تیری سراز کوہ سے فاتی ہوتی
 کوثر و نسیم کی موجوں کو شہزادی ہوتی
 آئندہ ساشا پر قدرت کو دکھلائی ہوتی
 سنب سے گاہ پستی گاہ ٹکراتی ہوتی

پھیڑتی جا اس عراقِ دل نشیں کے سار کو

اے مسافرِ دل سمجھتا ہے تری آواز کو

یسی شب کھولتی ہے آکے جب لُفِ سَا وہیں دل کھینچتی ہے ہسٹاروں کی صدا

وہ خموشی شام کی جس پر تکلم ہو فدا وہ درختوں پر فنکر کا سماں چپایا ہوا

کانپتا پھرتا ہے کیا رنگِ شفق لہسار پر

خوشنما لگتا ہے عین ازہ ترے رخسار پر

اے ہمالہ دستاں اس وقت کی کوئی سنا مسکن آبلے انساں جب بنا وہن ترا

کچھ بتا اس سیدھی ساوی زندگی کا ماہرا داغ جس پر غازہ رنگِ تکلف کا زیتھا

ہاں دکھاوے اے تصویر پھر وہ صبحِ شام تو

دوڑ پیچھے کی طرف اے گردشِ ایام تو

گلِ زندیں

تو شام سے خراشِ عقدہ شکل نہیں اے گلِ زندیں تے پہلو میں شاید دل نہیں

زیب محفل ہے شکر بیک شورشِ محفل نہیں یہ فراغتِ بزمِ ہستی میں مجھے حاصل نہیں

۵۲
بانگِ رَا
۳۷

اس حین میں میں سراپا سوزو ساز آرزو
اور تیری زندگانی بے لہ از آرزو

توڑ لینا شاخ سے تہجد کو مرا آئیں نہیں یہ نظر غیر از نگاہ چشم صہوت میں نہیں
اے! یہ دستِ جنا جو لے گلِ زندیں نہیں کس طرح تہجد کو یہ سجھاؤں کہ میں گلچین نہیں
کامِ مجھ کو دیدہ حکمت کے الجھیروں سے کیا
دیدہ بے بسل سے میں کرتا ہوں نظارہ ترا

سوز بانوں پر بھی خاموشی تہجدے منطوب ہے راز وہ کیا ہے تہ کے سینے میں جو مستوب ہے
میری صورت تو بھی اک برگِ ریاض طوب ہے میں حین سے فور ہوں تو بھی حین سے فوس ہے

مطمئن ہے تو پریشاں مثل بورتا ہوں میں
زخمی ششیر ذوقِ جستجو رہتا ہوں میں

یہ پریشانی مری سامانِ حجتیت نہ ہو یہ جگر سوزی سپر ابع خانہ حکمت نہ ہو
نا توالی ہی مری سرا یہ قوت نہ ہو رشکِ جامِ بسمِ مرا آئینہ حیرت نہ ہو

یہ تلماشِ متصل شمع جہاں افروز ہے
توسن اور اک انسان کو خرامِ امن ہے

۵۲
بانگِ راز
۳۸

عہدِ طفلی

تھے دیارِ نوزمین و آسماں میرے لیے وسعتِ آغوشیں ماوراکِ جہاں میرے لیے
تھی ہر اک جنبشِ نشانِ لطفِ جاں میرے لیے صرف بے طلب تھی خود میری زبان میرے لیے
دردِ طفلی میں لڑکھائی رلاتا تھا مجھے

شورشِ زنجیرِ در میں لطفِ آتا تھا مجھے

تکتے رہنا ہاتے باوہ پہر میں تک سوتے تھے وہ پٹھے بادل میں بے آواز پائس کا سفر
پوچھنا رہ رہ کے اُس کے کوہِ صحرائی خبر اور وہ حیرتِ دروغِ مصلحتِ امیز پر

آنکھ وقفِ دید تھی، لب مائلِ گفتار تھا

دل نہ تھا میرا، سرِ پاؤں وقِ ہفتار تھا

مرزا غالب

فکرِ انساں پر تری ہستی سے یہ روشن ہوا سپہِ پر مرغِ تخیل کی رسائی تاکجا
تھا سرِ پارِ وحِ ثورِ بزمِ سخنِ پیکر ترا زینِ بھنسل بھی رہا، بھنسل سے پہناں بھی ہا

وید تیری آنکھ کو اس حسن کی منظوم ہے

بن کے سوز زندگی ہر شے میں جو مستو ہے

مخمل ہستی تری بربط سے ہے سر مایہ دار جس طرح ندی کے نغموں سے کھوت کو ہمار

تیرے فردوسِ نیل سے ہے قدرت کی بہا تیری کشتِ فکر سے اگتے ہیں عالم سبز و وا

زندگی مضمون ہے تیری شوخی تحریر میں

تاب کو یابی بے جنبش ہے لب تصویر میں

نطق کو سونا زہین تیرے لبِ محباز پر محو حیرت ہے شریا فست پر آزار پر

شاہِ مضمون تصدیق ہے تیرے انداز پر خندہ زن ہے غنچہ پتلی گل شیراز پر

آہ! تو اٹھری ہوئی دلی میں آہیہ ہے

گلشنِ ویر میں یہ رسمِ نوا خواہیہ ہے

لطفِ کو یابی میں یہ سیرِ ہمسری مکن نہیں پونجھتیل کا زہب تک فکرِ گل ہم نشین

ہاتے اب کیا ہو گئی ہندوستان کی سرزمین آہ! لطفِ آہاموزِ نگاہِ نکستہ سرزمین

۵۶
بانگِ سے در
۲۰

• ویر : جرمنی کا مشہور شاعر گوتھے اس جگہ مدفون ہے

کیونے اردو ابھی منت پذیر نہ ہے

شمع یہ سودائی دسوزی پروا نہ ہے

اے جہان آباد! اے گوارا عہدِ مسلم نہ ہو
ہیں سراپا نالہ خاموش تیرے بامِ در
قرے قرے میں ترخے ابدِ شمسِ ممت
یوں تو پوشیدہ ہیں تیرے خالک میں لاکھوں

دفن تجھ میں کوئی فخر زکار ایسا بھی ہے؟

تجھ میں پسائی ہوئی آج ایسا بھی ہے؟

ابر کو سہارا

ہے بندھی سے فلک بوس شہین میرا
ابر کو سہارا ہوں گل پاش ہے امن میرا
کبھی سہرا بھی گلزار ہے سکن میرا
شہرِ دیرانہ مرا، بحرِ مرا، بن میرا

کسی آدمی میں جو منظور ہو سونا مجھ کو

سبزہ کو ہے منجھے منجھل کا بچھونا مجھ کو

مجھ کو قدرت نے رکھا یابے افسانہ ہونا
ناقہ شادِ رحمت کا حُدی خواجہ ہونا

عزمِ دوائے دلِ افسردہ بہت ہونا
رونقِ بزمِ جوانانِ گلستان ہونا

بن کے کیسوخ ہستی یہ پھرجاتا ہوں

شانہ جو بصرہ سے سنو جاتا ہوں

دور سے میں آئید کو ترستا ہوں کسی بستی سے جو خاموش گن جاتا ہوں

سیر کرتا ہوں جس دم لمب جاتا ہوں بالیاں نس کر لو گلاب کی پستا ہوں

سبزہ مزع نوخیز کی آئیں میں

زاق بچوں پر ذوق خورشید میں

چشمہ کوہ کو دی شورش قلزم میں نے اور پرندوں کو کیس محترم میں نے

سر پہ سرنے کے کھڑے ہو کے کہا تم میں نے غنچہ گل کو دیا ذوق تبسم میں نے

فیض سے میرے نمونے ہیں بستانوں کے

جھوپٹے دہن کسار میں ہست انوں کے



۵۸
باقی رہا
۲۲

ایک مکڑا اور مکھی

(ماخوذ)

بچوں کے لیے

اک دن کسی مکھی سے یہ کہنے لگا مڑا
لیکن مری کشیا کی نہ جالی کبھی قسمت
غیروں سے نہ طے تو کوئی بات نہیں ہے
او جو گے گھر میں تو عزت ہے یہ میری
مکھی نے سنی بات جو مڑے کی تو بولی
اس سے ہوتا ہے کز روز تمہارا
بھولے سے کبھی تم نے یہاں پاؤں نہ رکھا
اپنوں سے مگر چاہیے یوں کھینچ کے نہ رہنا
وہ سامنے سیرھی ہے جو منظور ہو آنا
حضرت! کسی نادان کو دیکھے گا یہ صو کا

اس حال میں مکھی کبھی آنے کی نہیں ہے

جو آپ کی سیرھی یہ چڑھا پھر نہیں اُترا

مکڑے نے کہا واہ! فریبی مجھے سمجھے
منظور تمہاری مجھے خاطر تھی وگرنہ
اڑتی ہوئی آئی ہو خدا جانے کہاں سے
تم سا کوئی نادان زمانے میں ہو گا
کچھ فائدہ اپنا تو مرا اس میں نہیں تھا
ٹھہر و جو گے گھر میں تو ہے اس میں بُرائیا

اس گھر میں کتنی تم کو دکھانے کی ہیں چیزیں
 باہر سے نظر آتا ہے چھوٹی سی کُریٹیا
 لٹکے پوتے دروازوں پر باریک ہیں پردے
 دیواروں کو آئینوں کے ہیں نے سجایا
 مہمانوں کے آرام کو خاطر ہیں سمجھو نے
 ہر شخص کو سماں یہ میسر نہیں ہوتا
 مکتھی نے کہا خیر یہ سب ٹھیک ہے لیکن
 میں آپ کے گھر آؤں یہ آپ نہ رکھنا

ان نرم بچپونوں سے خدا مجھ کو بچائے

سو جاتے کوئی ان یہ تو پھر اٹھ نہیں سکتا

مکڑے نے کہا دل میں سُنی بات جو اُس کی
 پھانسیوں کے کس طرح کی م بخت ہونا
 سو کا خم شام سے نکلتے ہیں جہاں میں
 دیکھو جسے نیا میں خوشامد کا ہے بنا
 یہ سوچ کے مکتھی سے کہا اُس نے بڑی بنا
 اللہ نے بخشا ہے بڑا آپ کو رتبا
 ہوتی ہے اُسے آپ کی صورت سے محبت
 جو جس نے لکھی ایک نظر آپ کو دیکھا
 آنکھیں ہیں کہ جیسے کی چمکتی ہوئی کنیاں
 سر آپ کا اللہ نے کلنی سے سجایا
 خیرن یہ پوشاک، یہ خوبی، یہ صفائی
 مکتھی نے سُنی جب یہ خوشامد تو پس بھی
 پھر اس چ قیامت سے یہ اڑتے ہوتے گانا
 بولی کہ نہیں آپ کے مجھ کو کوئی لکھنا
 انکار کی عادت کو سمجھتی ہوں نہیں
 سچ یہ ہے کہ دل توڑنا اچھا نہیں ہوتا

۶۰
 بانگِ ردا
 ۲۲

یہ بات کہی اور اڑی اپنی جگہ سے پاس آتی تو طرے نے اچھل کر اُسے پکڑا

بھوکا تھا لتی رز سے اب ہاتھ جو آتی

آرام سے گھر بیٹھ کے مکتھی کو اڑایا

ایک پہاڑ اور گلہری

(ماخوذ از امیرسن)

بچوں کے لیے

کوئی پہاڑ یہ کہتا تھا ال گلہری سے تجھے ہوشم تو پانی میں جا کے ڈوب کر

ذرا سی چیز ہے اس پر غر زلیا لہنا یہ عقل اور یہ سمجھ بے شعور کیا لہنا

خدا کی شان ہے نا چیز چیز بن بیٹھیں جو بے شعور ہوں یوں باتمیز بن بیٹھیں

تری بساط ہے کیا میری شان کے لے زمین ہے پست مری آن بان کے لے

جو بات مجھ میں سمجھ کو وہ ہے نصیب کہاں

بھلا پہاڑ کہاں جانور غریب کہاں

کہا یہ سن کے گلہری نے منہ سنبھال فرما یہ کچھی باتیں ہیں دل سے انھیں نکال فرما

۶۱
بانگے دریا
۲۵

جو مین بڑی نہتیں سیری طرح تو کیا پڑا
 نہیں ہے تو بھی تو آخر مری طرح چھوٹا
 ہر ایک چیز سے پیدا خدا کی قدرت سے
 کوئی بڑا کوئی چھوٹا یہ اُس کی حکمت سے
 بڑا جسمان میں تجھ کو بنا دیا اُس نے
 مجھے درخت پہ چڑھنا سکھا دیا اُس نے
 قدم اٹھانے کی طاقت نہیں فراتجھ میں
 نرمی بڑائی ہے خوبی ہے اور کیا تجھ میں
 جو تو بڑا ہے تو مجھ سے بڑا نہ ہو لکھا مجھ کو
 چھپا لیا ہے ذرا تو بڑا لکھا مجھ کو

نہیں ہے چیز قیمتی کوئی زمانے میں
 کوئی بڑا نہیں قدرت کے کاخانے میں

ایک کاتے اور بلبری

(ماخوذ)

بچوں کے لیے

اک چہرہ الہ ہری بھری تھی کہیں
 تھی سراپا بہار جس کی زمیں
 کیا سماں اُس بہار کا ہویاں
 ہر طرف صاف ندیاں تھیں رواں
 تھے اناروں کے بے شمار درخت
 اوپر پیل کے سایہ دار درخت

۶۲
 باغیچہ
 ۲۶

ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا نہیں آتی تھیں
 کسی ندی کے پاس اک بدمی
 جب ٹھنڈہ کر اوھر اوھر دیکھا
 پہلے جھٹک کر اسے سلام کیا
 کیوں بڑی بی! مزاج کیسے ہیں
 کٹ رہی ہے بڑی جھلسلی اپنی
 جان پر آہنی پٹے کیا کیسے
 دیکھتی ہوں خدا کی شان میں
 زور چلتا نہیں عنبر یوں کا
 آدمی سے کوئی بھلا نہ کرے
 دودھ کم دوں تو بڑھاتا ہے
 ہتھکنڈوں سے غلام کرتا ہے
 اس کے بچوں کو پالتی ہوں میں
 بدلے نیکی کے یہ بُرائی ہے

طائروں کی صدا میں آتی تھیں
 چرتے چرتے کہیں سے آنکلی
 پاس اک گائے کو کھڑے پایا
 پھر سلیقے سے یوں کلام کیا
 گائے بولی کہ خیر اچھے ہیں
 بے مصیبت میں زندگی اپنی
 اپنی قسمت بڑی ہے کیا کیسے
 رو رہی ہوں بڑوں کی جان میں
 پیش آیا بلکھا نصیبوں کا
 اس سے پالا پڑے خدا نہ کرے
 ہوں جو ڈوبی تو بیچ لھاتا ہے
 رکن منبریوں سے رام کرتا ہے
 دودھ سے جان ڈالتی ہوں میں
 میرے اللہ! تری دہائی ہے

سُن کے بکری یہ ماجہ اسارا
 بات سچتی ہے بے مزالگتی
 یہ چیرالہ، یٹھنڈی ٹھنڈی ہوا
 ایسی خوشیاں ہمیں نصیب
 یہ مزے آدمی کے دم سے ہیں
 اس کے دم سے ہے اپنی ابادی
 سوطرچ کابنوں میں ہے کھٹکا
 ہم یہ احسان ہے بڑا اس کا
 قدر آرام کی اگر سمجھو
 گائے سُن کر یہ بات شرمائی
 دل میں پرکھا بھلا بُرا اُس نے
 بولی، ایسا گلہ نہیں اچھا
 میں کہوں گی مگر خدا لگتی
 یہ ہر ہی گھاس اور یہ سایا
 یہ کہاں بے زبان غریب
 نطف سارے اسی کے دم سے ہیں
 قید ہم کو بھلی کہ از آدمی
 واں کی گزران سے بچائے خدا
 ہم کو زیب نہیں گلا اس کا
 آدمی کا کبھی گلہ نہ کرو
 آدمی کے گلے سے پھتائی
 اور کچھ سوچ کر کہا اُس نے

یوں تو چھوٹی ہے ذات بکری کی
 دل کو لگتی ہے بات بکری کی



۶۴
 باغیچہ
 ۲۸

بچے کی دعا

(ماخوذ)

بچوں کے لیے

لب پہ آتی ہے دعا بن کے تیرا میری
زندگی شمع کی صورت ہو خدا یا میری

دور دنیا کا مرے دم سے اندھیرا ہو جائے

ہر جگہ میرے چمکنے سے اجالا ہو جائے

ہو مرے دم سے یونہی میرے وطن کی زینت

جس طرح پھول سے ہوتی ہے چمن کی زینت

زندگی ہو مری پروانے کی صورت یارب

علم کی شمع سے ہو مجھ کو محبت یارب!

ہو مرا کام عنریہوں کی حمایت کرنا

درد مندوں کے ضعیفوں سے محبت کرنا

۶۵
بانگے دریا
۲۹

مرے اللہ! برائی سے بچانا مجھ کو
نیک جو راہ ہو اُس رہ پہ چلانا مجھ کو

ہمدردی
(مانخو از ولیم کوپر)
بچوں کے لیے

ٹھنسی پہ کسی شجر کی تنہا
کہتا تھا کہ رات سر پہ آئی
پہنچوں کس طرح ایشیا تک
سن کر ٹبل کی آہ و زاری
حاضر ہوں مدد کو جان و دل سے
کیا غم ہے جو رات ہے اندھیری
اللہ نے وہی ہے مجھ کو مشعل

ٹبل تھا کوئی ادا اس بیٹھا
اڑنے چکنے میں دن گزارا
پر پینز چھپا لیا اندھیرا
جگنو کوئی پاس ہی سے بولا
کیسٹرا ہوں اگرچہ میں نوراسا
میں راہ میں روشنی کروں گا
چمکا کے مجھے دیا بنایا

ہیں لوگ وہی جہاں میں اچھے
آتے ہیں جو کام دوسروں کے

۶۶
بانٹے رہا
۵۰

ماں کا خواب

(ماخوذ)

بچوں کے لیے

میں سوئی جو اک شب تو دیکھا یہ خواب
یہ دیکھا کہ میں جا رہی ہوں کہیں
لڑتا تھا ڈر سے مرا بال بال
جو کچھ چوسدہ پا کے آگے بڑھی
زمر دسی پوشاک پہنے ہوئے
وہ چپ چاپ تھے آگے پیچھے رولا
اسی سوچ میں تھی کہ میرا سپر
وہ پیچھے تھا اور تیرے چلتا نہ تھا
کہا میں نے چپان کڑ میری جان!
جُدائی میں رہتی ہوں میں بے قرار

بڑھا اور جس سے مرا اضطراب
اندھیرا ہے اور راہ ہلتی نہیں
قدم کا تھا دہشت سے اٹھنا محال
تو دیکھا قطار ایک لڑکوں کی تھی
دیے سب کے ہاتھوں میں جلتے ہوئے
خدا جانے جانا تھا ان کو کہاں
مجھے اُس جماعت میں آیا نظر
دیا اُس کے ہاتھوں میں جلتا نہ تھا
مجھے چھوڑ کر آگے تم کہاں؟
پروتی ہوں ہر روز اشکوں کے ہا

۶۷
بانگِ درا
۵۱

نہ پروا ساری ذرا تم نے کی
گئے چھوڑا، اچھی وفا تم نے کی!
جو تپنے لگے دیکھا مرا بیچ و تاب
دیا اُس نے زُمنہ پھیر کر یوں جواب
رُلائی ہے تجھ کو جُدائی مری
نہیں اس میں کچھ بھی بِلاتی مری
یہ کہہ کر وہ کچھ دیر تک چُپ رہا
دیا پھر دکھا کر یہ کہنے لگا

سمجھتی ہے تو ہو گیا کیا اسے؟

ترے آنسوؤں نے بُجھایا اسے!

پرنے کی سنو
بچوں کے لیے

اتنا ہے یاد مجھ کو گزرا ہوا زمانا
وہ باغ کی بہاریں وہ سب کا چھپانا
ازادیاں کہاں وہ اب اپنے کھونسلے کی
اپنی خوشی سے انا اپنی خوشی سے جانا
لگتی ہے چوٹ دل پر اتنا ہے یاد جس دم
شبنم کے آنسوؤں پر کلیوں کا سُکرانا
وہ پیاری پیاری صورت وہ کامنی سی ہوت
اباد جس کے دم سے تھا میرا اشیانا

اتنی نہیں آہیں اُس کی مرے قفس میں

ہوتی مری ہاتی اُسے کاش میرے بس میں!

۶۸
بانگِ ردا
۵۲

کیا بے نصیب ہیں میں کھر کو ترس رہا ہوں ساتھی تو ہیں وطن میں میں قید میں بیٹھا ہوں
 اتنی بہار کلیاں بھولوں کی سنس رہی ہیں میں اس اندھیرے کھر میں قسمت کو رہا ہوں

اس قید کا الہی اڈو کھر ٹرا کے سناؤں

ڈرے یہیں قفس میں میں عنس سے مر نہ جاؤں

جب سے چمن چھپا ہے یہ حال ہو گیا ہے دل غم کو کھار ہے غم دل کو کھار ہے
 گانا ہے سمجھ کر خوش ہوں نہ سننے والے دکھے ہوئے دلوں کی سنیاویہ صدا ہے

ازاد مجھ کو کر دے اوقید کرنے والے!

میں بے زبان ہوں قیدی تو چھوڑ کر دے

خُشک آنِ خالک سے استفسار

مہر روشن چھپ گیا اٹھی نقابِ رُوشم شانہ ہستی سے بکھر اٹھا کیسوتے شام
 یہ سیڑھ پشی کی تیاری کسی کے غم میں ہے محفلِ قدرت مگر خورشید کے ماتم میں ہے
 کر رہا ہے آسماں جاؤ بولسب گفتار پر ساحرِ شب کی نظر سے دیدِ قیدار پر
 غوطہ زن دریا ہے حنا موٹی میں موج ہوا ہاں طراک دور سے آتی ہے آوازِ دریا

دل کہ ہے رہتا ہی الفت میں دنیا سے نفو
کھینچ لایا ہے مجھے سنگار عالم سے نور

منظرِ حرمیں نصیب کی تاشانی ہوں میں

ہم نشینِ جنتگان کینجِ تنہائی ہوں میں

تھم ڈرا ہے تابی دل ابھیہ جانے دے مجھے
اور اس بستی پہ چار آنسو گرانے دے مجھے

اے مے غفلت کے سرستو کہاں رہتے ہو تم؟
کچھ کہو اس دس کی آخر جہاں رہتے ہو تم

وہ بھی حیرت خانہ امر زونہ دل ہے کوئی؟
اور یہ کیا عرصہ کا تاشا ہے کوئی؟

اومی اں بھی حصا غنم میں ہے معصویا؟
اُس ولایت میں بھی ہے انسان کا دل مجبور کیا؟

واں بھی جیل مرنا ہے سوزِ شمع پر پرانہ کیا؟
اُس چین میں بھی گلِ بوسل کا ہے افسانہ کیا؟

یاں تو اک مصرع میں پسوں سے نکل جاتا ہے دل
شعر کی لری سے کیا اں بھی نکل جاتا ہے دل؟

رشتہ و پیوندی کے جان کا آزار ہیں
اُس گستاں میں بھی کیا ایسے نکلنے خار ہیں؟

اس جہاں میں اک معیشت اور سو افاو ہے
روح کیا اُس دس میں اس فکر سے آزاد ہونے؟

کیا وہاں بجلی بھی ہو وہاں بھی ہے خرم بھی؟
قلندارے بھی ہیں انڈیشتر رہزن بھی ہے؟

تنگے چنتے ہیں وہاں بھی آشیاں کے واسطے؟
خشتِ دل کی فکر ہوتی ہے کھل کے واسطے؟

واں بھی انسان اپنی اہلیت سے بیکانے ہیں کیا؟
امیاز ملت و اس میں کے دیوانے ہیں کیا؟

بانگِ دل

۵۲

واں بھی کیا منسیر پوئیل رحمن پوتا نہیں؟
اس جہاں کی طرح اس بھی دروئل ہوتا نہیں؟

باغ ہے فردوس یا اک نسیزل آرام ہے؟
کیا جہنم معصیت عزی کی ال ترکیب ہے؟
کیا عوض رفا کے اُس ریس میں پرواز ہے؟
اضطرابِ دل کا سماں یاں کی ہست بود ہے؟
ویدے سے سکین پات ہے دل مجبور بھی؟
جستجو میں ہے وہاں بھی رُوح کو آرام کیا ہے؟
اہ! وہ کشور بھی تار پئی سے کیا مہور ہے؟
یا رُخ بے پروہ حسن ازل کا نام ہے؟
آگ کے شعلوں میں نہاں مقصدِ تار ہے؟
موت کہتے ہیں جسے ازل زمین کیا راز ہے؟
علم انساں اُس لایت میں بھی کیا محدود ہے؟
لکن ترانی، کدے ہے ہر یث وہاں کے طوب بھی؟
واں بھی انساں ہے قسمل فوق استفہام کیا؟
یا محبت کی تحبلی سے سر اپا پور ہے؟

تم بنا دو راز جو اس کنبہ کرداں میں ہے
موت اک چھتا ہوا کا نسا دل انساں میں ہے

شمع و پروانہ

پروانہ تجھ سے کرتا ہے شمع پیار کیوں
یہ جان بے قرار ہے تجھ پریشاں کیوں

سیاب وار رکھتی ہے تیری ادا سے
 کرتا ہے یہ طواف تری جلوہ گاہ کا
 آدابِ عشق تو نے سکھائے ہیں کیا سے؟
 ازارِ موت میں اسے آرامِ جاں ہے کیا؟
 چھونکا ہوا ہے کیا تری برق نگاہ کا؟
 غمِ حنائیہ جہاں میں جو تیری ضیاء ہو
 شعلے میں تیرے زندگی جاوداں ہے کیا؟
 کرنا ترے حضور میں اس کی نماز ہے
 اس نفستِ دل کا نخلِ تنہا ہر آنہ ہو
 کچھ اس میں جو شِعْرِ عَاشِقِ حُسنِ قَدیم ہے
 نتھے سے دل میں لذتِ سوز و کداز ہے
 چھوٹا سا طور تو، یہ ذرا سا کلیم ہے

پروانہ اور ذوقِ تماشا سے روشنی
 کیرا ذرا سا اور تماشا سے روشنی!

عقل و دل

عقل نے ایک دن یہ لے لیا
 ہوں زمیں پر، گزرِ فلک پہ مرا
 بھولے بھٹکے کی رہنما ہوں میں
 دیکھ تو کس قدر رسا ہوں میں
 مثلِ خضرِ خجستہ پا ہوں میں
 منظرِ شانِ کبریا ہوں میں
 کامِ دنیا میں رہ رہی ہے مرا
 ہوں منفستِ کتاپِ بستی کی

۷۲

بانگِ درا

۵۶

بوند اک خون کی ہے تُو لیکن
 دل نے سن کر کہا یہ سب سچ ہے
 رازِ ہستی کو تُو سمجھتی ہے
 ہے تجھے واسطہ مظاہر سے
 علمِ تجھ سے تو معرفتِ مجھ سے
 علم کی اتنا ہے بے تابی
 شمع تُو محفلِ صداقت کی
 تُو زمان و مکاں سے رشتہ بپا
 غیرتِ لعلِ بے بہا ہوں میں
 پر مجھے بھی تو دیکھ لہیا ہوں میں
 اور آنکھوں سے دیکھتا ہوں میں!
 اور باطن سے آشنا ہوں میں
 تُو حندِ اجو، حندِ انما ہوں میں
 اس مرض کی ملرودا ہوں میں
 حُسن کی بزم کا دیا ہوں میں
 طائرِ سدرہ آشنا ہوں میں

کس بندی پہ ہے مہتمم مرا
 عرشِ تہِ جہیل کا ہوں میں!

صدائے درد

حل ہا ہوں کل نہیں پڑتی کسی پہلو مجھے
 سر میں اپنی قیامت کی نفاقِ انجیر ہے
 ہاں ٹوڑے اے محیطِ آبِ گنگا تو مجھے
 وصل کیسیاں تو اک قُربِ فراقِ انجیر ہے

بدلے کی رنگی کے یہ آشنائی ہے غضب
ایک ہی خرمین دانوں میں جلائی ہے غضب
جس چھوٹوں میں اتھوت کی ہوا آئی نہیں
اس حسین میں کوئی لطفِ نغمہ پیرائی نہیں

لذتِ قربِ مستیقی پر مٹا جاتا ہوں میں

احسلاطِ حجبہ ساحل سے گھبراتا ہوں میں

دانیہ خرمین ہے شمعِ معجزیاں
ہو نہ خرمین ہی تو اس دانے کی سہی چھریاں
حسن ہو کیا خود ماجب کوئی مائل ہی نہ ہو
شمع کو جلنے سے کیا مطلب جو محض ہی نہ ہو
ذوقِ گویائی حسوسشی سے بے لگا کیوں نہیں
سیرے آئینے سے یہ جو نہ نکلتا کیوں نہیں

کب بباں کھولی ہماری لذتِ گفتار نے!

چھونکٹِ الاجبِ حرمین کو تشریح کرنے

آفتاب

(ترجمہ گایتری)

اے آفتابِ رُوح و روانِ جہاں ہے تُو
شیرازہ بندِ دستِ کونِ مہکاں ہے تُو
باعث ہے تُو وجودِ عدم کی نمود کا
ہے سبز تیرے دم سے چمن بستِ بود کا

۷۲
بانگِ درا
۵۸

کعبے میں سُنکے میں کھیاں تری ضیا میں استیاز ویر جو جسم میں چھپا ہوا

ہے شان آہ کی ترے دُوسیاہ میں

پوشید کوئی دل ہے تری جلوہ گاہ میں؟

جلتی ہے تو کہ برق تجلی سے دور ہے بے درو تیرے سوز کو سمجھے کہ نور ہے

تو جل رہی ہے اور تجھے کچھ خبر نہیں بینا ہے اور سوزِ دُروں پر نظر نہیں

میں جو شہِ اضطراب کے سیما بے ار بھی آگاہِ اضطرابِ دل بے قرار بھی

تھا یہ بھی کوئی ناز کسی بے نیاز کا

احساس دے دیا مجھے اپنے کداز کا

یہ آگہی مری مجھے رکھتی ہے بقرا خوابید اس شہر میں ہیں آتش کدے ہزار

یہ استیازِ رفعتِ پستی اسی سے گل میں مہک شہر میں تھی اسی سے

بستانِ و بیل و گل و نوبے یہ آگہی

اصل کشاکشِ سن و ثوبے یہ آگہی

صبح ازلِ جو سنِ جوانستانِ عشق آوازِ کن ہوتی تپشِ آموزِ جانِ عشق

یہ حکم تھا کہ گلشنِ کن کی بہار دیکھ ایک آنکھ لے کے خوابِ پستانِ ساز دیکھ

مجھ سے خبر نہ پوچھ حجابِ جو کی
 وہ دن گئے کہ قید سے میں آشنا نہ تھا
 شامِ سسراقِ صبح تھی میری نو کی
 قیدی ہوں اور قفس کو چمن جانتا ہوں میں
 زیبِ درختِ طور مرا آشیانہ تھا
 غربت کے غم کے کو وطن جانتا ہوں میں
 یادِ وطن فسرِ دلی بے سبب بنی
 شوقِ نطن کہیں کہیں ذوقِ طلب بنی

اے شمع! اتنا فریبِ خیال دیکھ
 مضمونِ فراق کا ہوں ثریا نشانوں میں
 مسجودِ ساکنِ ان فلک کا مال دیکھ
 باندِ حباب مجھے جو اُس نے تو چاہی میری نو
 اسنگِ طبعِ ہنسنم کو ن مکانوں میں
 گوہرِ گوشتِ خاک میں رہنا پسند ہے
 تحریر کر دیا سردِ یوانِ بستِ بود
 چشمِ غلطِ فکر کا یہ سارا قصور ہے
 بندش اگرچہ سست ہے مضمونِ طلب ہے
 یہ سلسلہ زمانِ مکان کا پسند ہے
 عالمِ ظہورِ جلوتِ ذوقِ شعور ہے
 منزل کا اشتیاق ہے کلمِ لروہِ اوہ ہوں
 طوقِ کلوئے حُسنِ تماشا پسند ہے
 اے شمع! میں سیرِ فریبِ نگاہ ہوں
 صیادِ آبِ صلتِ ترومِ ترم بھی آپ
 باحمِ سرم بھی طاہرِ باحمِ سرم بھی آپ
 کھلتا نہیں کہ ناز ہوں میں یا نیا ز ہوں
 میں حُسنِ ہوں کہ عشقِ سراپا لہ ز ہوں

ہاں آشنا تے لب جو نہ راز کس کس
پھر چھڑ نہ جلتے قصہ دار و رسن کس

ایک آرزو

دنیا کی محلوں سے اکتا گیا چوں یارب!
شورش سے بجاتا ہوں دل ڈھونڈتا ہے میرا
مرا ہوں خاشی پڑیہ آرزو ہے میری
ازاد فکر سے ہوں عزت میں دن گزاروں
لذت مسرور کی ہو پستریوں کے چھپوٹ میں
گل کی کلی چٹاک کر پیغام دے کسی کا
ہو ہاتھ کا سر حانا سبز سے کا ہو بچھوٹا
مانوس اس قدر ہو صوت سے میری بیل
صف باندھے نون جانب ٹوٹے سر سر ہوں
ہو دل فریب ایسا کسار کا نظارہ
کیا نطف انجمن کا جب دل ہی سمجھ گیا ہو
ایسا سکوت جس پر تیر بھی منہ ہو
داہن میں کوہ کے اک چھوٹا سا جھوپڑا ہو
دنیا کے عنس کا دل سے کانٹا نکل گیا ہو
چشمے کی شورشوں میں باجا سانج رہا ہو
ساعت زور اساکو یا مجھ کو جہاں نہا ہو
شرائے جس سے جلوت خلوت میں وہاں ہو
نتھے سے دل میں اس کے کھٹکانہ کچھ مراد ہو
ندمی کا صاف پانی تصویر لے رہا ہو
پانی بھی موج بن کر اٹھ اٹھ کے دیکھتا ہو

۶۸
بانگے راز
۶۲

آنکھیں میں نہیں کی سو یا نہوا سو سبزہ
 پانی کو چھو رہی جھجک جھک کے گل کی شہنی
 مہندی لگائے سو ج جب شام کی دلہن کو
 راتوں کو چلنے والے چلتیں تھک کے جسم
 بجلی چمک کے ان کو کٹیا مری دلھانے
 پچھلے پہر کی کوئل، وہ صبح کی موؤن
 کانوں پہ ہونہ میسے دیر جو جسم کا احسا
 ٹھولوں کو اسے جسم شبنم وضو کرنے
 اس خاشی میں جائیں اتنے بلند نالے

پھر پھر کے جھاڑیوں میں پانی چمک رہا
 جیسے حسین کوئی آئینہ دیکھتا
 سُرخ لیے سنہری پہ ٹھول کی قب
 آئینہ ان کی میسر اٹوٹا ہوا دیا
 جب آسماں پہ پر سو بادل گھرا ہوا
 میں اس کا ہم نوا ہوں وہ میری ہم نوا
 روزن ہی جھنوپٹری کا مجھ کو سحرنا
 رونا مراد ضو ہو، نالہ مری دھما
 تاروں کے قافلے کو میری صدا اورا

ہر دروسندل کو رونا مراد لاوے

بے ہوش جوڑے ہیں شاید انھیں جگاوے



افتابِ صبح

شورشِ خانہ انساں سے بالاتر ہے تو زینتِ بزمِ فلک جس کے غم سے ہے تو
ہو ڈرِ کوششِ عروسِ صبح وہ کوہِ ہے تو جس سپہائے اُفق نازاں ہو وہ زور ہے تو

صفحہ ایام سے دُعا مددِ شبِ مٹا

اسماں سے نقشِ ماطل کی طرح کو کب مٹا

حُسنِ تیرا جبے ابامِ فلک سے جلوہ گر آنکھ سے اُٹتا ہے یک دم خواب کی مے کا اُش
نور سے سوسور ہو جاتا ہے دامنِ نظر کھولتی ہے چشمِ ظاہر کو ضیاءِ تیری مگر

ڈھونڈتی ہیں جس کو آنکھیں وہ تماشا چاہیے

چشمِ ماطن جس کے کھل جاتے وہ جلو اچاہیے

شوقِ آزادی کے دنیا میں نہ بچکے حوصلے زندگی بھر قیدِ زنجیرِ عشق میں ہے

زیرِ وبالِ ایک ہیں تیری نگاہوں کے لیے آرزو ہے کچھ اسی چشمِ تماشا کی مجھے

آنکھ میری اور کے غم میں سرشکِ آباد ہو

اعتیازِ ملتِ آئیں سے دلِ آزاد ہو

۸۰
بانگِ درا
۶۲

بستہ رنگِ خصوصیت نہ ہو میری رہا
نوع انساں قوم ہو میری وطن میرا جہاں
ویدہ باطن پیر از نظم قدرت ہو عیاں
ہوشناسائے فلک شمع تختل کا وھواں

عقدہ ضد ادلی کاوش نہ تڑپاتے مجھے

حسنِ عشقِ آئینہ زہرے میں نظر آتے مجھے

صد مہ آجاتے ہوا سے گل کی پتی کو اگر
اشک بن کر میری آنکھوں سے ٹپک جاتے اثر
دل میں سوئے محبت کا وہ چھوٹا سا شہر
نور سے جس کے بلے از حقیقت کی خبر

شاہد قدرت کا آئینہ ہو دل میرا نہ ہو

سر میں خیر ہر دروی انساں کو آئی سوانہ ہو

تو اگر زحمت کش ہنگامہ عالم نہیں
فیضیت کا نشاں ہے میرا غم نہیں
اپنے حسنِ عالم آرا سے جو تو محرم نہیں
ہم سر یک فترہ خاکِ در آوم نہیں

نورِ سجودِ ملکِ گرم ہاں شاہی رہا

اور تونستہ پذیرِ صبحِ سحر رہا

آرزو نورِ حقیقت کی ہمارے دل میں ہے
لہلی ذوقِ طلب کا گھر اسی محل میں ہے
کس قدر لذت کشو و عقدہ شکل میں ہے
لطفِ صمد حاصل ہمارے ہی بے حاصل میں ہے

دردِ استفہام سے واقف ترا پہلو نہیں
جستجوئے از قدرت کا شاسا تو نہیں

دردِ عشق

اے دردِ عشق! ہے گہرا بے ارٹو
پنہاں تہ نقابِ ترمی جلوہ گاہ ہے
اتنی نئی ہوا چسبن ہست بود میں
ہاں، خود نمائیوں کی تجھے جستجو نہ ہو
نا محرموں میں دیکھ نہ ہو آشکار ٹو
ظاہر پرست محسنِ نو کی نگاہ ہے
اے دردِ عشق! اب نہیں لذت نمود میں
منت پذیر نالہ بے سبیل کا ٹونہ ہو
پانی کی بوند کرتیہ شبِ بنم کا نام ہو
اشکِ جگر گداز نہ نغمت از ہو ترا
گو یا زبانِ شاعر زنجیں بیاں ہو
آواز نے میں شکوہ فرقت نہاں نہ ہو

یہ دوز نکلتے ہیں بے کہیں چھپ کے بیٹھ رہ

جس دل میں تو ملیں بے وہیں چھپ کے بیٹھ رہ

عافل ہے تجھ سے حیرتِ علمِ آفریدہ دیکھ! جو یا نہیں ترمی نگہ نارسیدہ دیکھ

رہنے دُستجو میں خیال بلند کو
حیرت میں چھوڑویدہ حکمت پسند کو
جس کی بہار تو ہو یہ ایسا چمن نہیں
قابل ترمی نمود کے یہ انجمن نہیں
یہ انجمن ہے کُشتہ نظر از محباز
مقصد ترمی نگاہ کا خلوت سرائے از

ہر دل مے خیال کی کستی سے چور ہے
کچھ اور اس جھل کے کلیموں کا طور ہے

گل پر مُردہ

کس زبان سے اگلے گل پر مُردہ تجھ کو گل کہوں
کس طرح تجھ کو مستائے دلِ نبل کہوں
تھی کبھی موج صبا کہوارہ جُنِ بیاں ترا
نام تھا صحرا گلستاں میں گل خنداں ترا
تیرے احسان کا نسیم صبح کو تارا تھا
باغ تیرے دم سے گویا طبلہ عطر تھا

تجھ پر بساتا ہے شبنم دیدہ گریاں مرا
میرے بربادی کی ہے چھوٹی سی اک تصویر تو
ہے نہاں تیرے اُداسی میں دلِ بیاں مرا
خواب میری زندگی تھی جس کی ہے تعبیر تو
ہر چوئے از نیستانِ جو حکایت می کنم
بشنو اے گل از جداتہا شکایت می کنم

سید کی لوح تربت

اے کہ تیرا مرغ جان تا نفس میں ہے یہ
اے کہ تیری روح کا طائر نفس میں ہے یہ
اس چین کے نغزِ پیلاؤں کی آزادی تو کبھی
شہرِ حوا بھڑا ہوا تھا اس کی آبادی تو کبھی
فکر رہتی تھی مجھے جس کی محفل ہے یہ
صبر و استقامت کی کھیتی کا حاصل ہے یہ

سنگِ تربت ہے مرا گرویدہ تفتِ تیرے کبھی

چشمِ باطن سے فرا اس لوح کی تحریر کبھی

مدعا تیرا الرنہا میں ہے تسلیم میں
ترکِ دنیا قوم کو اپنی نہ سکھانا کہیں
وانہ کرنا فرستہ بندگی کے لیے اپنی زباں
چھپ کے ہے مٹھا ہوا سنگارِ محشر یہاں
وصل کے اسباب پیدا ہوں تری تحریر سے
دیکھ لو کوئی دل نہ دکھ جاتے تری تحریر سے

محفلِ نو میں پرانی دستاویزوں کو نہ چھیڑ

رنگِ پر جواب نہ آئیں ان فسانوں کو نہ چھیڑ

تو اگر کوئی مدبر ہے تو سن میری صدا
ہے دلیری دستِ اربابِ سیاست کا عصا
عرضِ مطلب کے جھجک جانا نہیں زیادتجھے
نیکی ہے نیت اگر تیری تو کیا پروا تجھے

۸۲

بانگِ درا

۶۸

بندہ مومن کا دل بیم و ریاضے پاک ہے
قوتِ فرماں روا کے سامنے بے باک ہے

ہوا گرہاتھوں میں تیرے خارِ معجزِ قسم
شیشہِ دل ہو الرتیرِ امثالِ جامِ جسم
پاک رکھ اپنی زبانِ تہیہِ رحمانی ہے تو
ہونہ جانے بکھینتا تیری صدابے آبرو
سونے والوں کو جگاتے شعر کے اعجاز سے
خمرینِ باطل جلاتے شعلہ آواز سے

ماہِ نو

ٹوٹ کر خورشید کی کشتی ہوئی عرقابِ نیل
ایک ٹکڑا تیرا پھرتا ہے رُوئے آبِ نیل
طشتِ گدووں میں ٹپکتا ہے شفق کا خونِ ناب
نشرِ قدرت کے لیا کھولی ہے فصداِ آفتاب

چرخ نے بالی خیرالی ہے عروسِ شام کی

نیل کے پانی میں یا مچھلی ہے سیمم کی

قافلہ تیرا واں بے منتِ بانگِ درا
گوشِ انساں سن نہیں سکتا تری آوازِ پرا
گھٹنے بڑھنے کا سماں آنکھوں کو دکھلاتا ہے تو
ہے وطن تیرا کہ صخرِ سوسِ کس کو جاتا ہے تو

ساتھ لے سیارہ ثابت نمانے چل مجھے خارِ حسرت کی خلش رکھتی ہے اے گل مجھے

نور کا طالب تُوں گھبرا تا ہوں اس سستی میں

طفکابِ سیلاب پا ہوں کتبِ سستی میں

انسان اور بزمِ قدرت

صبحِ خورشیدِ خشاں کو جو دیکھا میں نے بزمِ معمورہ سستی سے یہ پوچھا میں نے

پرتو مہر کے دم سے اُجبالا تیرا سیم سیال ہے پانی تے دریاؤں کا

مہر نے نور کا زیور تجھے پہنایا ہے تیری محفل کو اسی شمع نے چمکایا ہے

گل و گلزار تے حشر کی تصویریں ہیں یہ بھی سورہٴ الشمس کی تفسیریں ہیں

سُرخ پوشاک ہے پھولوں کی درختوں کی ہری تیری محفل میں کوئی سبز کوئی لال پری

ہے ترخیمے گزروں کی طبلاتی جھال بدلیاں لال سی آتی ہیں افق پر چوٹنر

کیا بھلی لگتی ہے آنکھوں کو شفق کی لالی مے گلزنکِ خمِ شام میں تو نے ڈالی

رتبہ تیرا ہے بڑا نشان بڑی ہے تیر سی پرودہ نور میں ستور ہے ہر شے تیری

صبحِ اک گیت سراپا ہے تری سطوت کا زیرِ خورشیدِ نشان تک بھی نہیں ظلمت کا

میں بھی بادلوں اس نور کی بستی میں مگر جل گیا پھر مری تعسیر کا اختر کنویں مگر؟

نور سے نور ہوں ظلمت میں گرفتار ہوں میں

کیوں سیئہ روز سیئہ سخت سیئہ کار ہوں میں؟

میں یہ کہتا تھا کہ آواز کہیں سے آئی باہم لڑووں سے ویما صحن زمین سے آئی

ہے تے نور سے ابستہ مری بود و بود باغیاں ہے تری ہستی پے گلزار چو

انجمن حسن کی ہے تری تصویر ہوں میں عشق کا تو ہے صحیفہ تری تفسیر ہوں میں

میرے بگڑے ہوئے کاموں کو بنایا تونے بار جو مجھ سے نہ اٹھا وہ اٹھا یا تونے

نورِ خورشید کی محتاج ہے ہستی میری اور بے منت خورشید چمک ہے تیری

ہو نہ خورشید تو ویراں پر گلستان میرا منزلِ عیش کی جا نام ہو زنداں میرا

اے اے از عیاں کے نہ سمجھنے والے حلفتِ دوامِ تمست میں الجھنے والے

ہے غفلت کہ تری آنکھ ہے پاپ بند مجاز نازیب تھا تجھے تو ہے مگر گرم نیاز

تو اگر اپنی حقیقت سے خبردار ہے

نہ سیئہ روز ہے پھر نہ سیئہ کار ہے



پیامِ صبح

(ماخوذ از لانگ فیلو)

اُجالا جب تجھ اور نصرتِ حسینِ شب کی افشاں کا
 نسیمِ زندگی سپین ملامی صبحِ خنداں کا
 جگایا بس رنگیں نوا کو اشیا نے نہیں
 کناکے کھیت کے شانہ پلایا اس دہقان کا
 طلسمِ طہمتِ شبِ سُورۃِ والثور سے توڑا
 اندھیرے میں اڑایا تاجِ زرِ شمعِ شبستاں کا
 پڑھا خوابِ گدینِ دیرِ افسونِ بیداری
 بہن کو ویسا سپین م خورشیدِ خشاں کا
 ہونے باہم صرمِ پرکے یوں گویا موتوں سے
 نہیں کھٹکا ترے دل میں نمودِ مہرِ تاباں کا
 چکاری اس طرح دیوارِ گلشنِ کھڑے ہو کر
 چٹک انخچِ گلِ اُتھو موتوں سے گلستاں کا
 دیا یہ حکم صومرا میں جلوے قانسے والو!
 چمکنے کو ہے جگنو بن کے ہر ذرہ بیاباں کا
 سوئے گورِ غریباں جب گئی نیندوں کی بستی
 تو یوں بولی نطفِ ارہ دیکھ کر شہِ خموشاں کا

ابھی آرام سے لیٹے رہو میں بھر بھی آؤں گی
 سلاہوں گی جہاں خواب سے تم کو جگاؤں گی



۸۸
 بانگِ درا
 ۷۲

عشق اور موت

(ماخوذ از مینی سن)

سُہانی نمودِ جہاں کی گھڑی تھی تبسمِ فشاں زندگی کی کلی تھی
 کہیں مسر کو تاج زر بل رہا تھا عطا چاند کو چاندنی ہو رہی تھی
 بیسہ پیرہنِ شام کو دے رہے تھے ستاروں کو تعلیم تابندگی تھی
 کہیں شاخِ ہستی کو لگتے تھے پتے کہیں زندگی کی کلی پھوٹی تھی
 فرشتے بسکھاتے تھے شبنم کو رونا ہنسی گل کو پہلے پہل آرہی تھی
 عطا درد ہوتا تھا شاعر کے دل کو خودی تشنہ کارم سے بے خودی تھی
 اٹھی اول اول گھٹا کالی کالی کوئی حور چوٹی کو کھولے گھڑی تھی

زمیں کو تھا دعویٰ کہ میں آسماں ہوں

سکماں کہہ رہا تھا کہ میں لامکاں ہوں

عرض اس قدر نیٹنارہ تھا پیارا کہ نط تارگی ہو سدا پانٹنارا
 ملک آزماتے تھے پرواز اپنی جبینوں سے نور ازل آشکارا

۸۹
 بانگِ درا
 ۷۲

فرشتہ تھا اک، عشق تھا نام جس کا
 فرشتہ کہ پتلا تھا بے تابوں کا
 پے سیر فرو و س کو جا رہا تھا
 یہ پوچھا ترا نام کیا، کام کیا ہے
 ہوا سن کے گویا قضا کا فرشتہ
 اڑاتی ہوں میں رخت ہستی کے پرزے
 مری آنکھ میں جا دوئے نیستی ہے
 مگر ایک ہستی ہے دنیا میں ایسی
 شہر بن کے رہتی ہے انساں کج دل میں
 شکستہ ہے آنکھوں سے بن بن کے آنسو
 سنی عشق نے گفتگو جب قضا کی
 گرمی اس تبسم کی بجلی ابل پر

کہ تھی رہ سیری اُس کی سب کا سہارا
 ٹک کا ٹک اور پارے کا پارا
 قضا سے بلا راہ میں وہ قضا را
 نہیں آنکھ کو دید تیری گوارا
 اجل ہوں، مرا کام ہے آشکارا
 بچھاتی ہوں میں زندگی کا شرارا
 پیام فنا ہے اسی کا اشارا
 وہ آتش ہے میں سامنے اُس کے پارا
 وہ ہے نورِ مطلق کی آنکھوں کا تارا
 وہ آنسو کہ ہو جن کی تلخی گوارا
 ہنسی اُس کے لب پر ہوئی آشکارا
 اندھیرے کا ہو نور میں کیا گزارا

بستا کو جو دیکھا فنا ہو گئی وہ

قضا تھی شکا قضا ہو گئی وہ

۹۰
 بانگِ ریا
 ۷۲

زہد اور رندی

اک مولوی صاحب کی سنا تا ہوں کہانی
شہرہ تھا بہت آپ کی صوفی منشئی کا
کہتے تھے کہ یہاں ہے تصوف میں شریعت
لبریزے زہد سے تھی دل کی صراحی
کہتے تھے بیاں آپ کلمات کا اپنی
مدت سے ہاتھ تھے ہمسائے میں میرے
حضرت نے مرے ایک شناسا سے یہ پوچھا
پابندی احکام شریعت میں ہے کیسا؟
سنا ہوں کہ کافر نہیں ہندو کو سمجھتا
ہے اس کی طبیعت میں تشیع بھی فرسا
سمجھا ہے کہ ہے رال عبادات میں خل
کچھ عار اسے حسن فروشوں سے نہیں ہے

تیزی نہیں منظور طبیعت کی دکھانی
کہتے تھے اوبان کا اعالی و ادانی
جس طرح کہ الفاظ میں مضمربوں معانی
تھی تہ میں کہیں درو خیال سہرانی
منظور تھی تعداد مریدوں کی بڑھانی
تھی رند سے زاہد کی ملاقات پرانی
اقبال کہ ہے شمری شمشاد معانی
گو شعر میں ہے رشک کلیم پرانی
ہے ایسا عقیدہ اثر فلسفہ دانی
تفضیل علی ہم نے سنی اس کی زبانی
مقصود ہے مذہب کی ملر خال اڑانی
عادت یہ ہمارے شعرا کی ہے پرانی

گانا جو ہے شب کو تو سحر کو ہے تلاوت
 لیکن یہ سنا اپنے مُریدوں کے ہے میں نے
 مجموعہ اصداد ہے اقبال نہیں ہے
 رندی سے بھی آگاہ شریعت سے بھی واقف
 اس شخص کی ہم پر تو حقیقت نہیں کھلتی
 القصد بہت طول و یا وعظ کو اپنے
 اس شہر میں جو بات ہو اڑ جاتی ہے سب میں
 اک دن جو سرد راہ ملے حضرت زاہد
 فرمایا، شکایت وہ محبت کے سبب تھی
 میں نے یہ کہا کوئی گلہ مجھ کو نہیں ہے
 خم ہے تسلیم مرا آپ کے آگے
 گرا آپ کو معلوم نہیں میری حقیقت
 میں خود بھی نہیں اپنی حقیقت کا شناسا
 مجھ کو بھی تمنا ہے کہ اقبال کو دیکھوں
 اس منز کے اب تک نہ کھلے ہم یہ معانی
 بے داغ ہے مانند سحر اس کی جوانی
 دل و فکر حکمت ہے طبیعت خفقتانی
 پوچھو جو تصوف کی تو منصور کا ثانی
 ہو گا یہ کسی اور ہی اسلام کا بانی
 تا دیر رہی آپ کی یہ نغز بیانی
 میں نے بھی سُنی اپنے اجتالی زبانی
 پھر چھپر گئی باتوں میں وہی بات پرانی
 تھا فرض مرارہ شریعت کی دکھانی
 یہ آپ کا حق تھا زہرہ قرب مکانی
 پیری ہے تو اضع کے سبب میری جوانی
 پیدا نہیں کچھ اس سے قصور ہمہ دانی
 گہرا ہے مرے بھر خیالات کا پانی
 کی اس کی جدائی میں بہت اشک نشانی

۹۲

بانگے دیا

۷۶

اقبال بھی قہبان سے آگاہ نہیں ہے
کچھ اس میں سخن نہیں و اللہ نہیں ہے

شاعر

قوم کو یا جسم ہے افراد ہیں اعضائے قوم
منزلِ صنعت کے پہاڑ ہیں دست و بازو قوم
محفلِ نظمِ حکومت چہرے زیبائے قوم
شاعرِ زندیں نواب ہے ویدہٴ سینائے قوم
بملائے درو کوئی عضو ہو تو قی ہے انگلی

کس قدر ہمد و سارے جسم کی ہوتی ہے انگلی

دل

قصہٴ وار و رسن بازمی طغیانہٴ دل
یارب اس ساغرِ لبِ بزمی کے کیا ہو گیا
ابرِ رحمت تھا کہ تھی عشق کی بے بسی یارِ با
حُسن کا گینج گراں مایہ تجھے مل جاتا
التجباتے ارنی سُخنی افسانہٴ دل
جادوۃٴ ملکِ بستا ہے خطِ پیمانہٴ دل
جل گئی مزرعِ ہستی تو آگادانہٴ دل
تُو نے سن رہا وہاں نہ لھو اکبھی ویرانہٴ دل
عرش کا ہے کبھی کعبے کا ہے وھو کا اس پر
کس کی منزل ہے الہی امرِ کاشانہٴ دل

اس کو اپنا ہے جنوں اور مجھے سو اپنا
 دل کسی اور کا دیوانہ ، میں دیوانہ دل
 تو سمجھتا نہیں اے زاہدِ ناداں اس کو
 رشکِ صمدِ سجدہ ہے اک لغزشِ مستانہ دل
 خال کے ڈھیر کو اسیر بنا دیتی ہے
 وہ اثر رکھتی ہے خاکِ تر پر اذہ دل
 عشق کے دم میں مھنسیں کھیر رہا ہوتا ہے
 برق کرتی ہے تو یہ نخل ہر ہوتا ہے

موج دریا

مضطرب کھتا ہے میرا دل بے تاب مجھے
 عینِ پستی ہے تڑپ صورتِ سیما مجھے
 موج ہے نام مرا، بھر ہے پایاب مجھے
 ہونہ زنجیر کبھی سلفہ گرداب مجھے

آب میں شل ہوا جاتا ہے تو سن میرا

خارِ ماہی سے نہ اشکا کبھی دامن میرا

میں اچھلتی ہوں کبھی جذبِ مہِ کامل سے
 جوش میں سر کو شگفتی ہوں کبھی ساحل سے

ہوں وہ رہبرِ کرمِ محبت ہے مجھے منزل سے
 کیوں تڑپتی ہوں یہ نوحے کوئی میرے دل سے

زحمتِ تنگی دریا سے گریزاں ہوں میں

وسعتِ بحر کی فرقت میں پیشاں ہوں میں

۹۲

بانگِ دریا

۷۸

رخصت اے بزمِ جہاں!

(ماخوذ از ایمرسن)

رخصت اے بزمِ جہاں! سوئے وطن جاتا میں
 بسکہ میں افسردہ دل ہوں درِ بحرِ نسل نہیں
 قید ہے دربارِ سلطانِ شبستانِ زیر
 گو بڑی لذت تری ہنسکا مر آرائی میں ہے
 مدتوں تیری خجے و آراؤں سے ہم صحبت ہا
 مدتوں بیٹھا ترے ہنسکا ترے عشرت میں
 مدتوں ڈھونڈا کیا نطشہ گُلِ خان میں
 چشمِ حیران ڈھونڈتی اب اور نظارے کو ہے
 آہ! اس آباد دینے میں گھبراہٹوں میں
 تو مرے قابل نہیں ہے میں ترقے قابل نہیں
 تو ٹکر نکلے گا زنجیرِ طلائی کا اسیر
 اجنبیت سی ملے تیری شناسائی میں ہے
 مدتوں بے تاب موجِ بھر کی صورت ہا
 روشنی کی جستجو کرتا رہا ظلمت میں میں
 آہ! وہ یوسف نہ ہا تمہا آیا ترے بازار میں
 آرزو حاصل کی مجھ طوفان کے مارے کو ہے

چھوڑ کر مانند بوتیرا چسپن جاتا ہوں میں

رخصت اے بزمِ جہاں! سوئے وطن جاتا ہوں میں

گھر بنایا ہے سکونتِ دہن کھسار میں
 آہ! یہ لذت کہاں ہو سیتی کھسار میں

بزمِ نغمِ نغمِ شہلا، رستقِ گلِ ہوں میں
 ہے چین میرا وطن، ہمسایہٴ مہبلِ ہوں میں
 شامِ کو آوازِ چشموں کی سلاتی ہے مجھے
 صبحِ فرشِ سبزے کو گلِ جگاتی ہے مجھے

بزمِ ہستی میں ہے سب کو محفلِ اراالیٰ پسند

ہے دلِ شاعر کو بس کینجِ تنہائیٰ پسند

ہے جنوں مجھ کو کہ گھبرا تا ہوں آبادی میں یہ
 ڈھونڈتا پھر تا ہوں کس کوہ کی راوی میں یہ؟
 شوقِ کس کا سبزہٴ اروں میں پھرتا ہے مجھے
 اور چشموں کے کناروں پر سلاتا ہے مجھے؟
 طعنہٴ زن ہے تو کہ شیدا کینجِ عزت کا ہوں میں
 دیکھ لے غافلِ پیامی بزمِ قدرت کا ہوں میں
 ہم وطن شمشاد کا قمری کا میں ہم از ہوں
 اس چین کی خامشی میں گوشِ برآواز ہوں
 کچھ جو سنتا ہوں تو آوروں کو سنائے کے لیے
 دیکھتا ہوں کچھ تو آوروں کو دکھانے کے لیے
 عاشقِ عزت ہے دلِ نازان ہوں اپنے گھر پہ
 خندہٴ زن ہوں سندِ اراو اسکندِ پیر میں
 لیٹنا زرخیز رکھتا ہے جاؤ کا اثر
 شام کے تاریں چبڑتی ہو رہ کر نظر

علم کے حیرت کدے میں کہاں اس کی نونہا

گل کی تپتی میں نظر آتا ہے از ہست بو



طفل شیرخوار

میں نے چا تو تجھ سے چھینے تو چلاتا ہے تو
 مہرباں ہوں میں مجھے نامہرباں سمجھتا ہے تو
 پھر رپڑاڑے گا اسے نو وار و استیغم
 چھ نہ جائے دیکھنا اباریکہ ہے نولِ تسلیم
 آہ! کیوں دیکھنے والی شے سے تجھ کو سیا ہے
 کھیل اس کاغذ کے ٹکڑے سے یہ بے آزار ہے

گیند تیرے سیری کہاں چینی کی پتی ہے کدھر؟
 وہ ذرا سا جانور ٹوٹا ہوا ہے جس کا سر
 تیرا آئینہ تھا آزادِ غبارِ آرزو
 آنکھ کھلتے ہی چمکا اٹھا شرارِ آرزو
 ہاتھ کی جنبش میں سر وید میں پوشیدہ ہے
 تیری صہوت آرزو بھی تیری نوزائیدہ ہے

زندگانی ہے تری آزادِ قیدِ استیاء

تیری آنکھوں پر پیوید ہے مگر قدرتِ کارا

جب کسی شے پر بگڑ کر مجھ سے چلاتا ہے تو
 کیا مانتا ہے رومی کاغذ سے من جاتا ہے تو
 آہ! اس عاوت میں ہم آہنگ ہوں میں بھی ترا
 تو تلون آشنا، میں بھی تلون آشنا
 عارضی لذت کا شیدا تھی ہوں چلاتا ہوں یہ
 جلد آجاتا ہے غصہ جلد من جاتا ہوں میں

میری آنکھوں کو بھالیتا ہے حسنِ ظاہری کم نہیں کچھ تیری نادانی سے نادانی مری
تیری صورت گاہ گریاں گاہ خنداں میں بھی ہوں
دیکھنے کو نوجواں ہوں، طفلِ نادان میں بھی ہوں

تصویر درد

نہیں منت کش تاش نیدنِ استانِ سیری
یہ دستورِ بان بند می ہے کیسا تیری محفل میں
خوشگفت گوئے بے بانی بے زبانِ سیری
اٹھائے کچھ کچھ لارے زانے کچھ زلس کے کچھ گل نے
یہاں تو بات کرنے کو ترستی ہے زبانِ سیری
اڑالی قمریوں بھوٹیوں نے عندیہ سبوں نے
چمن میں ہر طرف بکھری تھی سے دستاںِ سیری
ٹپکے شمع آسویں کے پرانے کی آنکھوں سے
چمن والوں کے بل کر لوٹ لی طرزِ فغاںِ سیری
الہی پھر مزا کیا ہے یہاں دنیا میں سنے کا
سر ادا پروں حشر بھری ہے دستاںِ سیری
حیاتِ جاوداںِ سیری نہ مرگ ناگہاںِ سیری
وہ گل ہوں، غزناں سہل کی ہے پو یا خزاںِ سیری
مرار و ما نہیں رونے سے یہ گلستانِ کا

”دیں حسرتِ سرِ عمر سیت افسونِ جبرائیلِ م

رفیقِ دل تپید نہا خروشِ بے نفسِ دارم“

ریاضِ سر میں ناشناکے سزیمِ عشرت ہو
خوشی روتی ہے جس کو، میں محرومِ مسرت ہو
سری بٹری ہوئی تفتید کو روتی ہے گویائی
میں فربہ شہزاد کو شہساعت ہو
پریشان ہوں میں مُشتِ خالِ لکین کچھ نہیں کھلتا
سکندر ہوں کہ آئینہ ہوں گروہِ کورت ہو
یہ سب کچھ ہے مگرستی مری مقصدِ قدرت کا
سر اپا نور جو جس کی حقیقت میں و ظلمت ہو
خزنیہ ہوں چھپایا مجھ کو مُشتِ خالِ صحرانے
کسی کو لیا ہے میں کس کی دولت ہو
نظر میری نہیں ممنون سیرِ عرصہ ہستی
میں وہ چھوٹی سی دنیا ہوں کہ اپنی ولایت ہو
نہ صہبا ہوں ساتی ہوں نہ مستی ہوں نہ پیمانہ
میں اس خانہ ہستی میں ہر شے کی حقیقت ہو

مجھے از دوعالمِ دل کا آئینہ دکھاتا ہے
وہی کہتا ہوں جو کچھ سامنے آنکھوں کے آتا ہے

عطا ایسا بیاں مجھ کو ہوا رنگیں بیانیوں میں
کہ بامِ عرش کے طائر ہیں کیسے ہم بانوں میں
اثر یہ بھی ہے ال میرے جنونِ فتنہ سامان کا
مرا آئینہ دل ہے قصاکے رازوانوں میں
رُلا تھے تھے الطارہ اے ہندوستان! مجھ کو
کہ عبرتِ خیز ہے تیرا فسانہ سببانوں میں
دیارِ فنا مجھے ایسا کہ سب کچھ دے دیا گویا
لکھا کلابِ ازل نے مجھ کو تیرے نوحہ خانوں میں
نشانِ گلِ گل تک بھی چھو اس باغ میں
ترمی قسمت سے نرم آریاں میں باغبانوں میں

چھپا کر آستیں میں بچلیاں رکھی ہیں گروہ نے
 سن اے غافل صدا میری یہ ایسی چیز ہے جس کو
 وطن کی فکر کرنا وہاں ا مصیبت آنے والی ہے
 ذرا دیکھ اس کو کچھ پورا ہے ہونے والی ہے
 یہ خاموشی کہاں تک؟ لذت فرما دیکر
 نہ سمجھو گے تو رٹ جاؤ گے اے ہندوستان والو!

عناوہ باغ کے غافل نہ بیٹھیں آشیانوں میں
 وظیفہ جان کر پڑھتے ہیں طاہر بوستانوں میں
 تری بر باد یوں کے مشورے ہیں آسمانوں میں
 دھرا کیسا ہے بھلا احمد کُن کی دستانوں میں
 زمین پر تو ہو اور تیری صدا ہو آسمانوں میں
 تمھاری آستان تک بھی نہ ہوئی آستانوں میں

یہی آئینِ قدرت ہے یہی اسلوبِ فطرت ہے

جو ہے اہل عمل میں کامِ زنِ محبوبِ فطرت ہے

ہوید آج اپنے جسم نہاں کر کے چھوڑوں گا
 جلا نا ہے مجھے ہر شمعِ دل کو سوز نہاں سے
 لہو روئے محفل کو گلتاں کر کے چھوڑوں گا
 مگر غنچوں کی صوت ہوں دلِ درو آسٹاپیدا
 تری تارکاتوں میں چراغاں کر کے چھوڑوں گا
 پر نا ایسا ہی تسبیح میں ان بھرے دنوں کو
 چمن میں مُشتِ خال اپنی پریشاں کر کے چھوڑوں گا
 مجھے اے ہم نشیں رہنے و شغلِ سینہ کا وہی میں
 جو شکل ہے تو اس شکل کو آساں کر کے چھوڑوں گا
 دکھا دوں گا جہاں جو مری آنکھوں نے دکھایا ہے
 کہ میں داغِ محبت کو نمایاں کر کے چھوڑوں گا
 تجھے بھی صورتِ آئینہ حیراں کر کے چھوڑوں گا

۱۰۰
 بانگِ درا

۸۲

جو ہے پروں میں سہما، چشمِ بنیا دیکھ لیتی ہے
زمانے کی طبیعت کا تقاضا دیکھ لیتی ہے

کیا رفت کی لذت کے ذل کو آشتا تو نے
گزاری عمرِ پستی میں مثالِ نقشِ پا تو نے
رہا دل بستہ محفل، مگر اپنی نگاہوں کو
کیا بیرونِ محفل سے نہ حیرت آشتا تو نے
فدا کرتا رہا دل کو حسینوں کی آوازیں
مگر دیکھی نہ اس آئینے میں اپنی آوا تو نے
تعصبِ چھوڑنا دانا، دہرے کے آئینہ خانے
یہ تصویریں ہیں تیری جن کو سمجھا ہے بُرا تو نے
سرا پا نالہ، سوزِ زندگی ہو جا
سینا سا لہر میں ماند کھتی ہے صدا تو نے
صفائے دل کو کیا آراشِ رنگِ تعلق سے
کفِ آئینہ پر باندھی ہے او ناداں جنا تو نے
زمین کیا، آسماں بھی تیری کج بینی پہ و تانا
غضب سے سطرِ قرآن کو چلی پار دیا تو نے
زباں سے لگ لیا توحید کا دعویٰ تو کیا حاصل
بنایا ہے بُتِ پندار کو اپنا حنا تو نے
کنوئیں میں تو نے یوسف کو دیکھا بھی تو کیا دیکھا
ارے غافل! جو مطلق تھا حقیت کروا تو نے

ہوس مالکے منبر ہے تجھے رنجِ بیا نی کی
نصیحت بھی تیری صورت ہے اہل افسانہ خزانہ کی

دکھا وہ حسنِ عالم سوز اپنی چشمِ پر زخم کو
جو ٹر پاتا ہے روانے کو زلواتا ہے شبنم کو

نرا نظارہ ہی اے بوالہوس مقصد نہیں کلا
 اگر دیکھا بھی اُس نے کسے عالم کو تو کیا کھیا
 شجر ہے فرقہ آرائی، تعصب ہے ثمر اس کا
 نہ اٹھا جذبہ خورشید کے ال بل گل تک بھی
 بنایا ہے کسی نے کچھ سمجھ کر چشم آدم کو
 نظر آئی نہ کچھ اپنی حقیقت جام سے جم کو
 یہ وہ پھل ہے کہ جنت سے نکلاواتا ہے آدم کو
 یہ نعمت کی تناب ہے کھلے اڑتی ہے شبنم کو
 یہ زخمی آپ کر لیتے ہیں پیدا اپنے مرہم کو
 پھر کرتے نہیں مجروح الفت فکر دریاں میں

محبت کے شر سے دل سراپا نور ہوتا ہے

ذرا سے بیج سے پیدا ریاض طور ہوتا ہے

دوا پر دیکھ لی ہے مجھ روح تیغ ارزو رہنا
 شرابے خودی سے تافک پوز ہے میری
 تھے کیا دیدہ گریاں وطن کی نوحہ خوانی میں
 بنائیں کیا سمجھ کر شاخ گل پر اشیاں اپنا
 علاج زحمت ہے آزاد و احسان فور رہنا
 شکست رنگ سے سکھایے ہیں بن کے بور رہنا
 عبات چشم شاعر کی ہے پر دم با وضو رہنا
 چمن میں اہلیا رہنا جو بے ابرو رہنا
 غلامی ہے اسیر استیاز ما و تور رہنا
 تجھے بھی چلیے شل جاپ آبجو رہنا
 اگر منظور ہے دنیا میں اور یہ گناہ خور رہنا
 نہ رہ اپنوں سے بے پروا، اسی میں خیر ہے تیری

۱۰۲
 بانگِ دل

۸۶

شرابِ پُوح پر ہے محبتِ نوعِ انساں کی سکھایا اس نے مجھ کو مستِ جام و سبور سنا

محبتِ سہی پائی ہے شفا بیمار قوموں نے

کیلے اپنے بختِ خفتہ کو بیدار قوموں نے

بیابانِ محبتِ دشتِ غربت بھی وطن بھی ہے یہ ویرانہ قفس بھی آشیانہ بھی چمن بھی ہے

محبتِ سہی وہ منزل ہے کہ منزل بھی ہے صحرا بھی جس میں بھی کارواں بھی راہبر بھی راہزن بھی ہے

مرض کہتے ہیں سب اس کو یہ ہے لیکن مرضِ ایسا چھپا جس میں علاجِ کر و شکرِ جرنج کُنن بھی ہے

جلانا دل کا ہے گویا سہرا پانور ہو جانا یہ پروانہ جو سوزاں ہو تو شمعِ انجمن بھی ہے

وہی اکُ حسن ہے لیکن نظر آتا ہے ہر شے میں یہ شیریں بھی ہے گویا بیستوں بھی، گوہن بھی ہے

اجازا ہے تمیزِ ملت و آئیں نے قوموں کو سے اہلِ وطن کے دل میں کچھ فکرِ وطن بھی ہے؟

سکوتِ آموزِ طولِ استانِ دروہے و نہ زباں بھی ہے سمارے رُمنہ میں اور تابِ سخن بھی ہے

”نیکروید کو تہِ رشتہ تر معنی رہا کروم

حکایتِ بووبے پایاں بخاموشی او اکروم“



نالہ فریق

(آرنلڈ کی یاد میں)

جابس مغرب میں آخراے کھاتے یہ امدیں آہ! بشرق کی پسند آتی نہ اس کو سر نہیں
آگیا آج اس صداقت کا مے دل کو یقین ظلمت شب کے ضیاءے روزِ فرقت کم نہیں

”مازا عوش و عیش و انج حیرت چیدہ است

بہ چو شمع کُشتہ پر چشم نگہ خوبیدہ است“

کُشتہ عزت ہوں آبادی میں گھبراتا ہوں میں شہر سے سو ڈاکی شدت میں گل جاتا ہوں میں
یادِ ایامِ سلف سے دل کو تڑپاتا ہوں میں بہر تسکین تیری جانب ڈرتا آتا ہوں میں

آنکھ کو مانوس ہے تیرے ڈر و دیوار سے

جنبت ہے مگر پیدامریٰ فقار سے

ذرہ میرے دل کا غور شد آتشا ہونے کو تھا آئندہ ٹوٹا ہوا عالم نما ہونے کو تھا
نخل سیری آرزوؤں کا ہر اہونے کو تھا آہ! کیا جانے کوئی میں کیا سے کیا ہونے کو تھا

اگر حیرت و امن از گلزارِ سن برچید و رفت

اندکے غنچہ پائے آرزو بارید و رفت

بانگے دریا
۸۸

تو کہاں ہے اے کلیمِ ذرۃِ سینائے علم
تھی تری موجِ نفسِ باوِ نشاطِ افزائے علم

اب کہاں وہ شوقِ رہِ پیمائیِ صحرائے علم
تیرے دم سے تھا سمارے سر میں بھی سووائے علم

”شورِ سیلی کو کہ باز آرایشِ سو دانند

خالِ محبتوں، اخبارِ خاطرِ صحرانند“

کھول دے گا دشتِ دشتِ عقدہٴ تقدیر کو
توڑ کر پہنچوں گا میں پنجاب کی زنجیر کو

دیکھتا ہے دیدہٴ حیرانِ تری تصویر کو
کیا تہی ہو مل کر دیدہٴ نصیر کو

”تابِ گویائی نہیں کھتا دہنِ تصویر کا

خاموشی کہتے ہیں جس کو ہے سخنِ تصویر کا“

چاند

میرے ویرانے سے کوسوں دور ہے تیرا وطن
ہے مگر دریائے دل تیری کشش سے مجھ جن

قصہ کس محفل کا ہے؟ آتا ہے کس محفل سے؟
زور و روشاید ہوا رنجِ رہِ منزل سے تو

افرنیش میں سر اپا نور تو طلعتِ جہنم میں
اس سحرِ روزی سپین تیرا ہم قسمت میں

آہ! میں جلتا ہوں سوزِ اشتیاقِ دیدے
تو سراپا سوزِ داغِ منتِ خورشید سے

ایک حلقے پر گرفتِ اتم تری رفتا ہے
 زندگی کی وہ میں گزراں کے تُو حیران ہوں میں
 میں رہ منزل میں تُوں تُو بھی رہ منزل میں ہے
 تُو طلبِ خوبے تُو میرا بھی یہی دستور ہے
 انجمن ہے ایک میری بھی جہاں رہتا ہوں میں
 مہر کا پتو ترے حق میں ہے پیغامِ اجل
 پھر بھی اے ماہِ بسین میں رہوں تُو اور ہے
 گرجہ میں ظلمت سراپا ہوں سراپا تُو
 میری گردش بھی مثالِ گردشِ بچ کا ہے
 تُو فروزاں محفلِ مستی میں ہے سوانح ہوں میں
 تیری محفل میں حجبِ خاموشی ہے میرے دل میں ہے
 چاندنی ہے تُو تیرا عشق میرا نور ہے
 بزم میں اپنی الگ لیتا ہے تُو تنہا ہوں میں
 محو کر دیتا ہے مجھ کو جلوہٴ حسنِ ازل
 دردِ جس پہلو میں اٹھتا ہو وہ پہلو اور ہے
 سیکڑوں منزل ہے فوجِ آگہی کے فوج تُو

جو میری ہستی کا مقصد ہے مجھے معلوم ہے
 یہ چمک وہ ہے جس میں سکتی محروم ہے

بلالؓ

چمک اٹھا جو ستارہ ترے مقدر کا
 پہوئی اسی سے ترے غم کدے کی آبادی
 حبش سے تجھ کو اٹھا کر حجاز میں لایا
 تری غلامی کے صدقے ہزار آزادی

۱۰۶
 بادشاہی در
 ۹۰

وہ آستان چھٹا تجھے ایک دم کے لیے کسی کے شوق میں تو نے مزے ستم کے لیے

جنا جو عشق میں ہوتی ہے دھبتا ہی نہیں

ستم نہ ہو تو محبت میں کچھ مزا ہی نہیں

نظر تھی صورتِ سلمانِ ادا شناس تری شہرِ پد سے بڑھتی تھی اور پیاس تری

تجھے نطاکے کا مثلِ کلیم سودا بھتا اویس طاقت دیدار کو ترستا تھا

مدینہ تیری نگاہوں کا نور تھا گویا ترے لیے تو یہ صحرا ہی طور تھا گویا

تری نظر کو رہی دید میں بھی حسرت دید ٹھنک دے کہ پیڈے میں نیاسا ئید

گرمی وہ برق تری جانِ ناشکیبا پر کہ خندہ زن تری ظلمت تھی دستِ موسیٰ پر

پیش ز شعلہ گرفتند بزل تو روند

چہ برقِ جلوہ بخاشاکِ حاصل تو روند

ادائے دیدہ اپانیا تھی تیری کسی کو دیکھتے رہنا نماز تھی تیری

اواں ازل سے ترے عشق کا ترانہ بنی نماز اس کے نطاکے کا اک بہانہ بنی

خوشا وہ وقت کہ شربِ مقام تھا اس کا

خوشا وہ دور کہ دیدارِ عام تھا اس کا

سرگزشتِ آدم

نئے کوئی مری غربت کی داستان مجھ سے
 لگی نہ میری طبیعتِ ریاضِ حجت میں
 رہی حقیقتِ عالم کی جستجو مجھ کو
 بلا مزاج تغتیر پسند کچھ ایسا
 نکالا کعبے سے پتھر کی مورتوں کو کبھی
 کبھی میں ذوقِ تکلم میں طور پر پھنسا
 کبھی صلیب پہ اپنوں نے مجھ کو لٹکایا
 کبھی میں غارِ حیر میں چھپا رہا برسوں
 سنایا ہند میں اکر سروربانی
 دیار ہند نے جس دم مری صدا نہ سنی
 بنایا دڑوں کی ترکیب سے کبھی عالم
 لہو سے لال کیا سیکڑوں زمینوں کو
 بھلایا قصۂ پیمبرانِ اولیں میں نے
 پیاشعور کا جب جامِ آشیں میں نے
 دکھایا اورج خیالِ فلکِ شیں میں نے
 کیا ترار نہ زیرِ فلکِ کس میں نے
 کبھی بتوں کو بنایا حرمِ شیں میں نے
 چھپایا نورِ ازل زیرِ آستیں میں نے
 کیا فلک کو سفرِ چھوڑ کر زمیں میں نے
 دیا جہاں کو کبھی جامِ آخریں میں نے
 پسند کی کبھی یونان کی سرزمیں میں نے
 بسا یا خطۂ جاپان و ملکِ چین میں نے
 خلافِ معنی تسلیم ایل وین میں نے
 جہاں میں چھڑکے پیکارِ عقل وین میں نے

۱۰۸
بانگِ درا
۹۲

سمجھ میں آئی حقیقت نہ جب ستاروں کی
 ڈرا سکیں نہ کلیسا کی مجھ کو تلواریں
 کشش کا راز پوچھا کیا زمانے پر
 کیا اسیر شعاعوں کو برق مضطر کو
 انھی خیال میں آئیں گزارو میں نے
 سکھایا سدا گروشن زمیں میں نے
 لگا کے آتش عقل و دہریں میں نے
 بنا دئی عیتر جنت یہ سرزمیں میں نے
 کیا خبر نہ ملی آہ اراڑہ ہستی کی
 کیا خبر نہ سے جہاں کو تہ نگین میں نے

پڑوئی جو چشم مظاہر پرست و آخر
 تو پایا خانہ دل میں اُسے مکین میں نے

ترانہ ہندی

سلاکے جہاں سے اچھا سندوستان ہمارا
 غربت میں ہیں اگر ہم رہتا ہے دل وطن میں
 پریت وہ سب سے اونچا ہمسایہ آسمان کا
 گووی میں کھلتی ہیں اس کی ہزاروں نیل
 ہم بلبلیں ہیں اس کی یہ گلستاں ہمارا
 سمجھو وہ ہیں ہمیں بھی دل ہو جہاں ہمارا
 وہ سنتری ہمارا، وہ پاسباں ہمارا
 گلشن بہ جن کے دم سے رشک جہاں ہمارا
 اتر اترے کناکے جب کارواں ہمارا
 اے آپ ونگا، وہ دن ہیں یاد تجھ کو؟

نہیں کھاتا آپس میں بیکھنا
ہندی ہیں ہم وطن ہے ہندوستان ہمارا
یونان مصر و ماہ سب ٹکے جہاں سے
اب تک طرے باقی نام و نشان ہمارا
کچھ بات ہے کہ ہستی مٹی نہیں ہماری
صدیوں ہے دشمن دور زمان ہمارا

اقبال! کوئی محرم اپنا نہیں جہاں میں
معلوم کیا کسی کو درپوش ہمارا

جگنو

جگنو کی روشنی ہے کاشانی چمن میں
یا شمع جل رہی ہے پھولوں کی انجمن میں
آیا ہے آسماں سے اڑ کر کوئی ستارہ
یا جان پڑ گئی ہے مہتاب کی کرن میں
یا شب کی سلطنت میں دن کا سفیر آیا
غربت میں آگے چمکا گناہ تھا وطن میں
تکلمہ کوئی کہ ہے مہتاب کی قبا کا
ذرا ہے یا نمایاں سورج کے پیر میں
حُسنِ قدیم کی یہ پوشیدہ اک جھلک تھی
لے آئی جس کو قدرت خلوت سے انجمن میں
چھوٹے سے چاند میں ہے ظلمت بھی روشنی بھی
نکلا کبھی کہن سے آیا کبھی کہن میں

پروانہ اک پنکھا جگنو بھی اک پنکھا

وہ روشنی کا طالب یہ روشنی سراپا

۱۱۰
بانگے دریا
۹۲

ہر چیز کو جہاں میں قدرت نے دلبری ہی
 پروانے کو تپش دی، بگنو کو روشنی ہی
 رنگین نوا بنایا، مرغانِ بے زبان کو
 گل کو زبان دے کر تسلیم خامشی دی
 نظارہ ~~سخت~~ کی خوبی زوال میں تھی
 چمک کے اس پر ہی کو تھوڑی سی زندگی ہی
 رنگیں کیا سحر کو بانگِ دلہن کی صورت
 چمک کے لال جوڑا شبنم کی آرسی ہی
 سایہ دیا شجر کو، پرواز دی ہوا کو
 پانی کو دی وانی، موجوں کو بے کلی دی

یہ استیاز لیکن ال بات ہے ہماری

جگنو کا دن ہی ہے جو رات ہے ہماری

حسنِ ازل کی پیدا ہر چیز میں جھلک ہے
 انسان میں وہ سخن ہے، غنیمت میں چمک ہے
 یہ چاند آسمان کا شاعر کا دل ہے لویا
 واں چاندنی ہے جو کچھ یاں درو کی لک ہے
 اندازِ گفتگو نے دھوکے دیے ہیں رند
 نغمہ ہے نوبے بل، بو پھول کی چمک ہے
 کثرت میں ہو گیا ہے وحدت کا راز مخفی
 جگنو میں جو چمک ہے، وہ پھول میں مہک ہے

یہ اختلاف پھر کیوں سنگاموں کا محل ہو گا

ہر شے میں جبکہ پنہاں شے ازل ہو



صبح کا ستارہ

لطفِ مسیحا کی شمس و قمر کو چھوڑوں
اور اس خدمتِ پیغامِ سحر کو چھوڑوں
میرے حق میں تو نہیں ناروں کی بستی اچھی
اس بندگی زمین و آلوں کی بستی اچھی
آسماں کیا، عدمِ آباد و وطن میرا
صبح کا وہ امن صہد چاکِ کفن ہے میرا
میری قسمت میں ہے ہر روز کا مرنا جینا
ساقی موت کے ہاتھوں سے صنو حسی مینا
نہ یہ خدمت نہ یہ عزت نہ یہ رفعت اچھی
اس گھڑی بھر کے چلنے سے تو ظلمت اچھی

میری قدرت میں جو ہوتا تو نہ آہستہ بنتا

قعرِ دریا میں حملتِ اپنا گونہ بنتا

واں بھی موجوں کی کشائش سے جوں گھبراتا
چھوڑ کر جب کہیں زیب گلو ہو جاتا
جسے چمکنے میں مزا حسن کا زیور بن کر
زینتِ تاجِ سرِ بانو سے قیصر بن کر
ایک پتھر کے جو ٹکڑے کا نصیب جاہ
خاتمِ دستِ سیماں کا نگین بن کر
ایسی چیزوں کا ملکہ ہر میں سے کام شکست
ہے گھر ہائے گراں مایہ کا انجام شکست
زندگی وہ ہے کہ جو ہونہ شناسائے اجل
کیا وہ جینے ہے کہ جو جس میں تقاضائے اجل

۱۱۲
بانگِ درا

۹۶

ہے یہ نخبِ عامِ الرزینتِ عالمِ ہولر

کیوں نہ لڑ جاؤں کسی بھولے شہنم ہو کر!

کسی پیشانی کے افشاں کتاروں میں ہے کسی مظلوم کی اہوں کے شراروں میں ہوں

اشکِ بن کر مژگاہاں سبک جاؤں میں کیوں نہ اُس جوی کی آنکھوں کے ٹپک جاؤں میں

جس کا شوہر ہو رُوں ہو کے زرہ میں ستورے سونے میدانِ عنایتِ وطن سے مجبورے

یاسِ اُمید کا نطفہ جو دکھلاتی ہو جس کی خاموشی سے تقریر بھی شرماتی ہو

جس کو شوہر کی ضربِ تابِ شکیبائی ہے اور نگاہوں کو حیا طاقست کو یابی ہے

زر و نخصت کی گھڑی عارضِ گلگون ہو جائے کششِ حسنِ عینِ حیرت سے افزوں ہو جائے

لاکھ وہ ضبط کرے پر میں ٹپک ہی جاؤں غمِ دینِ پریم سے چھٹک ہی جاؤں

خاک میں مل کے حیاتِ ابدی پا جاؤں

عشق کا سوزِ زمانے کو دکھاتا جاؤں

ہندوستانی بچوں کا قومی گیت

چستی نے جس زمیں میں پیغامِ حق سنایا نانک نے جس چمن میں وحدتِ گایت گایا

تاتاریوں نے جس کو اپنا وطن بنایا جس نے حجازیوں سے شتِ عرب بھڑپایا

میرا وطن وہی ہے میرا وطن وہی ہے

یونانیوں کو جس نے جیسرین کر دیا تھا سائے جہاں کو جس نے زلم و زہر دیا تھا

مٹھی کو جس کی حق نے زر کا اثر دیا تھا ترکوں کا جس نے ان سریروں سے بھڑپایا تھا

میرا وطن وہی ہے میرا وطن وہی ہے

ٹوٹے تھے جو ستارے فارس کے آسمان سے پھر تابوے کے جس نے چمکائے لکشاں سے

وہد کی لے سنی تھی دنیا نے جس مکان سے میرے عرب کے اس ٹھنڈی ہوا جہاں سے

میرا وطن وہی ہے میرا وطن وہی ہے

بندے کلیم جس کے پر بت جہاں کھینا نوح نبی کا اگر ٹھہرا جہاں سفینا

رفعت ہے جس زمیں کی نامِ فلک کا زینا جنت کی زندگی ہے جس کی فضا میں جینا

میرا وطن وہی ہے میرا وطن وہی ہے

سیا سوالا

سچ کہوں اے برہمن اگر تو برانہ مانے تیرے صنم کہوں کہ بت ہو گئے پرانے

۱۱۲
بانگے درا
۹۸

اپنوں سے بے رُکھنا تو نے بتوں سے کیا
جنگِ جدل سکھایا واعظ کو بھی خدانے
تنگ کے میں نے آخرِ دیرِ جسم کو چھوڑا
واعظ کا واعظ چھوڑا چھوٹے ترے فسانے

پتھر کی نورتوں میں سجھاپے تو خدا ہے

خاکِ وطن کا مجھ کو پہرہ ذرہ دیوتا ہے

ابغیریت کے پردے اک بار پھر اٹھا دیا
بچھڑوں کو پھر بلا دیا، نقشِ شوقِ مٹا دیا

سُنی بڑی ہوتی ہے مدت سے دل کی بستی
آہ اک نیا سوال اس دس میں بنا دیا

دنیا کے تیرتھوں سے اونچا ہو اپنا تیرتھ
دامانِ آسماں سے اس کا طقس بلا دیا

ہر صبح اٹھ کے گاتیں منتر وہ بیٹھے
سائے چجاریوں کو مے پیت کی پلا دیا

شکستی بھی نشانتی بھی جھکتوں کے گیت ہیں

دھرتی کے باسیوں کی نکستی پریت ہیں

داع

عظمتِ غالب ہے اک مدت سے پونہ زمیں
مہدی مجروح ہے شہرِ خموشاں کا مہیں

تور ڈالی موت نے غربت میں سینا ہے
چشمِ محفل میں اب تک کیفِ صبا ہے

آج لیکن ہمنو اس را چمن باتم میں ہے شمع روشن کجھ لہنی بزم سخن ماتم میں ہے
بیل دلی نے باندھا اس چمن میں کشیا ہم نوا ہیں عیب دل باغ ہستی کے جہاں

چل بسا دغ آہ بہت اس کی زیب ووش ہے

آخری شاعر جہاں آباد کا خاموش ہے

اب کہاں وہ بانگین، وہ شوخی طرزِ بیاں آگ تھی کانورپیری میں جوانی کی نہاں
تھی زبانِ دغ پر جو آرزو ہر دل میں ہے لیلی معنی ہاں بے پردہ یاں محسوس میں ہے
اب سب سے کون پوچھے گا سکوتِ گل کارا کون سمجھے گا چمن میں ناکہ بیل کارا

تھی حقیقت سے ز غفلت فکر کی پرواز میں

اسکھٹا سر کی نشین پر رہی پرواز میں

اور دکھلا میں گے مضمون کی بہن بارکیاں اپنے فکرِ نکست آرا کی فلکِ سپایاں
تلخیِ دوراں کے نقشے کھینچ کر زلوا میں گے یا تختیل کی تہی دنیا میں دکھلا میں گے
اس چمن میں جس کے پیدا بیل شیراز بھی سیکڑوں ساحر بھی جس کے صاحبِ اعجاز بھی
انٹھیں گے آزر ہزاروں شعر کے بت خانے سے مے پلا میں گے تہی ساقی تہی پیمانے سے
بلکھی جائیں گی کتابِ دل کی تفسیریں بہت ہوں گی لے لے اب جانی اتیری تعبیریں بہت

۱۱۶
بانگِ دورا

۱۰۰

ہو ہو کھینچے گا یس کن عشق کی تصویر کو نہ
اٹھ گیا ناولنگن مارے گا دل پر تیر کو نہ

اشک کے دانے زمینِ شعر میں بوتا ہوں میں
ابے جہان آباد اے سرمایہ بزمِ سخن
تو بھی رولے خالِ دلِ داغ کو روتا ہوں میں
ہو گیا پھر آج پامالِ خسراں تیرا چین
وہ گلِ رنگیں ترا نصرتِ مثالِ بُو ہوا
اوہ جنالی داغ سے کاش نہ اُڑو ہوا
تھی نہ شاید کچھ ششِ ایسی وطن کی خال میں
وہ سہِ کمال ہو اپناں کن کی خال میں

اٹھ گئے ساتی جو تھے سے خانہِ حالِ رہ گیا

یادِ کارِ بزمِ دہلی ایک حالِ رہ گیا

ارزو کو خون رُو لواتی ہے بیدادِ اجل
کھل نہیں سکتی شکایت کے لیے لکینِ باں
ماتا ہے تیر تارِ ملی میں صیتادِ اجل
بے خسراں کا رنگ بھی جو قیامِ گلستاں

ایک ہی قانونِ عالمِ گھم کے ہیں سب اٹھ

بوتے گل کا باغ سے گلچیں کا دنیا سے سفر

ابر

اٹھی پھر آج وہ پورے کالی کالی گھٹا
سیاہ پوش ہو پھر پیرا سر بن کا

نہاں ہوا جو رخ مہر زبرد اسن ابر
 ہوا تے سر و بھی آئی سوار تو سن ابر
 گرج کا شور نہیں ہے خموش ہے گریٹھا
 عجیب ہے کہ قہ نے خروش ہے یہ گھٹھا
 چمن میں حکم شاہِ مدام لاتی ہے
 قبائے گل میں گھر ماننے لواتی ہے
 جو پھول مہر کی لہری سے سوچے تھے اٹھے
 زمیں کی کود میں جو پڑے سو ہے تھے اٹھے
 ہوا کے زور سے بھرا، بڑھا، اڑا بادل
 اٹھی وہ اور گھٹھا لوبا برس پڑا بادل

عجیب خیال ہے ہمارے کہنا لوں کا

یہیں قیام ہو واہی میں پھرنے والوں کا

ایک پرندہ اور جنگنو

سرِ شام ایک مرغِ نغمہ پیرا
 کسی ٹہنی پہ بیٹھا گارہا تھا
 چمکتی چیزاں دیکھی زمیں پر
 اڑا طائر اُسے جنگنو سمجھ کر
 کہا جنگنو نے او مرغِ نوا ریزا!
 نہ کر بکس یہ منتقا رہو س تیز
 تجھے جس نے چمک گل کو مہک دی
 اسی اللہ نے مجھ کو چمک دی
 باسن نو میں ستور ہوں میں
 پتنگوں کے جہاں کا طور ہوں میں

۱۱۸
 بانگِ را
 ۱۰۲

چمک تیری بہشتِ گوشِ آہ ہے چمک میری بھی فرودِ سنِ نظر سے
 پڑوں کو میرے قدرتِ ضیاء دی تجھے اُس نے صدائے دلِ باہی
 تری منفستار کو گانا سکھایا مجھے گلزار کی شعل بنایا
 چمک بخشی مجھے آوازِ تجھ کو دیا ہے سوزِ مجھ کو، سازِ تجھ کو
 مخالف ساز کا ہوتا نہیں سوز جہاں میں ساز کا ہے ہم شمسِ سوز
 قیامِ بزمِ ہستی ہے انھی سے ظہورِ اوج و پستی ہے انھی سے

ہم آہنگی سے ہے محفلِ جہاں کی
 اسی سے ہے بہارِ اس بوستاں کی

بچہ اور شمع

کیسی حیرانی ہے یہ اے طفلِ کب پروازِ خواہا شمع کے شعلوں کو گھڑیوں کی تیار ہوتا ہے تو
 یہ مری آغوش میں بیٹھے ہوئے جن جنش ہے کیا روشنی سے کیا بغلِ کسیری ہے تیرا مدعا؟

اس نظارے سے ترا تھا سادلِ حیران ہے

یہ کسی دیکھی ہوئی شے کی مگر چہ پان ہے

شمع اک شعلہ ہے لیکن تُو سر ایا نو ہے
 آہ! اس محفل میں یہ عُمریاں ہے تُو ستور ہے
 دستِ قدرت نے اسے کیا جانے کیوں عُمریاں کیا
 شجھہ کو خال تیر کے فانوس میں پہناں کیا
 نور تیر اچھپ گیا زینقا بگلی
 بے غبار ویدہ بنیا حجاب گلی

زندگانی جس کو کہتے ہیں فراموشی ہے یہ

خوابِ غفلت ہے ہرستی ہے بے ہوشی ہے یہ

محفلِ قدرت کے ال دریاے بے پایاں حُسن
 آنکھ ال رویے تو ہر قطرے میں طوفان حُسن
 حُسن کو ہستاں کی کہیت ناک خاموشی میں ہے
 مہر کی ضو لستری شب کی بسیہ پوشی میں ہے
 آسمانِ صبح کی آئینہ پوشی میں ہے
 شام کی ظلمت شفق کی گل فروشی میں ہے
 عظمتِ دریا کے ٹٹے ہوتے آثار میں
 طفلکِ نا آشنا کی کوششِ گفتار میں
 ساکنانِ صبحِ گلشن کی ہم آوازی میں ہے
 ننھے ننھے طائروں کی آشیاں سازی میں ہے
 چشمہ لوسار میں دریا کی آزادی میں حُسن
 شہر میں صحرا میں ویرانے میں آبادی میں حُسن
 روح کو لیکن کسی گم گشتہ شے کی ہے ہوس
 ورنہ اس صحرا میں کھوین لال سے مثلِ جبرس!

حُسن کے عام جلوے میں بھی تپے تپے

زندگی اس کی مثال ماہی ہے آبی

بانگِ درا
 ۱۰۴

کنارِ راوی

سکوتِ شام میں مجھ سے ہے راوی
 نہ پوچھ مجھ سے جو ہے کیفیتِ مرے دل کی
 پیامِ حسد کے کاریہ زیرِ وہم ہوا مجھ کو
 جہاں تسام سوا جو رسم ہوا مجھ کو
 سرِ نثارِ آبِ رواں کھڑا ہوں میں
 خبر نہیں مجھے لیکن کہاں کھڑا ہوں میں
 شرابِ سُرخ سے رنگیں ہوائے ہر شام
 لیسے پیرِ فلک دستِ رعشہ دار میں جام
 عدمِ کوفتِ افروزِ تیزِ گام چلا
 شفق نہیں ہے یہ سورج کے ٹھول ہیں لویا
 کھڑے ہیں وہ عظیمستِ فزائے تنہائی
 فسانہ ستمِ انقلاب ہے یہ محل
 مقام لیا ہے سرِ زخموش ہے لویا
 رواں ہے سینہ دریا پہ اک سفید تیز
 سبکدوشی میں ہے مشنِ نگاہِ پستی
 جہازِ زندگیِ ادوی رواں ہے یونہی
 ابد کے بھر میں پیدا یونہی نہاں ہے یونہی

شکستے کی بھی آشنا نہیں ہوتا

نظر سے چھپتا ہے لیکن فنا نہیں ہوتا

الْحَاجَاتُ مُسَافِرٍ

(بہ درگاہِ حضرت محبوبِ الہیؑ، وہی)

فرشتے پڑھتے ہیں جس کو وہ نام ہے تیرا
بڑی جناب تیری فیضِ عام ہے تیرا
تکے عشق کے تیری شش سے ہیں قائم
نظامِ سر کی صورتِ نظام ہے تیرا
تیری لحد کی یار سے زندگی دل کی
سیح و خضر سے اُنچ مقام ہے تیرا
نہاں ہے تیری محبت میں رنگِ محبوبی
بڑی ہے شانِ بڑا استرام ہے تیرا

اگر سیاہ دلم، داغِ لالہ زارِ توام

وگر گشتِ جاہِ جبینم، گلِ بہارِ توام

چمن کو چھوٹے نکلا ہوں مثلِ نہتِ گل
چو ہے صبر کا منظور استحاں مجھ کو
چلی ہے لے کے وطن کے نگار خانے سے
شرابِ علم کی لذت کشاں کشاں مجھ کو
نظر ہے ابر کرم پر درختِ صحرائوں
کیا خدانے مجھ تلج باغبان مجھ کو
فلاں شہین صفت مہر مہوں زمانے میں
ترمی عسا سے عطا ہوئے نرہاں مجھ کو
مقام ہم سفروں سے ہو اس قدر آگے
کہ سمجھے منزل مقصود کا رازاں مجھ کو

۱۲۲
بانگِ درا
۱۰۶

مری بانِ تسلیم سے کسی کا دل نہ ڈکھے
 کسی سے شکوہ نہ ہو زیرِ آسماں مجھ کو
 دلوں کو چال کر کے مثلِ شانہ جس کا اثر
 ترمی جناب کے ایسی بلے فغاں مجھ کو
 بنایا تھا جسے چن چن کے خارِ جس میں نے
 چمن میں پھر نظر سے وہ آشیاں مجھ کو
 پھر آ رکھوں تدم اور پو پو چہ ہیں
 کیا جنھوں نے محبت کا رازواں مجھ کو
 وہ شمع بارگہ حنا ندانِ مرتضوی
 ہے کا مثلِ حرمِ حسن کا آستان مجھ کو
 نفس سے جس کے لکھی میری آرزو کی کلی
 بنایا جس کی مروت نے نکتہ واں مجھ کو
 دعایہ کر کہ خداوندِ آسمانِ بڑیا
 کمرے پھر اس کی یارت کے شادماں مجھ کو
 وہ میرا یوسفِ ثانی، وہ شمعِ محسنِ عشق
 جلا کے جس کی محبت نے دفترِ من تو
 ریاضِ ہر میں مانسِ گل ہے خنداں
 کہ ہے عزیز تر از جانِ وہ جانِ جانِ مجھ کو

شگفتہ ہو کے گل کی پھول ہو جائے
 یہ تجھ سے منسہ قبول ہو جائے



عزلیات

گلزارِ بہت بود نہ بیکانہ وار دیکھ
 ہے دیکھنے کی چیز سے بار بار دیکھ
 آیت ہے تو جہاں میں شالِ شرار دیکھ
 دم دے نہ جاتے ہستی ناپا تدار دیکھ
 مانا کہ تیری دیکے قابل نہیں میں
 تو ہمیں رشتہ دیکھ مرا منتظر دیکھ
 کھولی ہیں ذوق دیدنے آنکھیں تری اگر
 پرہ گزر میں نقشِ کفایتے یار دیکھ

نہ آتے ہمیں اس میں تکرار کیا تھی
 مگر وعدہ کرتے ہوئے عار کیا تھی
 تمہارے پیامی نے سب را ز کھولا
 خطا اس میں سب کے کی سرکار کیا تھی
 بھری بزم میں اپنے عاشق کو مارا
 تری آنکھ ہستی میں شہار کیا تھی!

۱۲۲
 ہفت روزہ
 ۱۰۸

تامل تو تھا اُن کو آنے میں قاصد
مگر یہ بتا طے نہ انکار کیا تھی
کھینچے خود بخود جانبِ طور موہتی
کشش تیری اے شوق دیدار کیا تھی!

کہیں ذکر رہتا ہے قبّال تیرا
فسوں تھا کوئی تیری گفتار کیا تھی



عجب اعظم کی دین داری ہے یارب!
عداوت ہے اسے سائے جہاں سے
کوئی اب تک نہ یہ سمجھا کہ انسان
کہاں جاتا ہے آتا ہے کہاں سے
وہیں سے رات کو ظلمت ملی ہے
چمک تارے نے پائی ہے جہاں سے
ہم اپنی دروسندی کا فسانہ
سنا کرتے ہیں اپنے راز و اداں سے

بڑی باریک ہیں و اعظم کی چالیں
لرز جاتا ہے آوازِ اداں سے



لاؤں وہ تنکے کہیں سے آشیانے کے لیے
بجلیاں بجا رہیں جن کو جلانے کے لیے
وائے ناکامی فلک کے تال کو ٹرا اے
میں نے جس ڈالی کو تارا آشیانے کے لیے

۱۲۵
داغِ راز
۱۰۹

اس نکلے مل جاتی ہے ہفتادو وقت سے تری
 ایک سپانہ ترا سارے زمانے کے لیے
 دل میں کوئی اس طرح کی از رو پیدا کروں
 لوٹ جائے آسماں سرے مٹانے کے لیے
 جمع کر خرمین تو پہلے دانہ دانہ چمن کے تو
 اسی نکلے کی کوئی بجلی جلائے کے لیے
 پاس تھا ناکامی صیاد کا ہے ہم صغیر
 ورنہ میں اور اڑ کے آتا ایک دانے کے لیے!

اس چمن میں مرغ دل کا ہے نہ ازاد ہی کا گیت
 آہ! یہ گلشن نہیں ایسے ترانے کے لیے



کیا کہوں اپنے چمن کے میں جدا کیونکر ہوا
 اور اس حیرتِ دام نہوا کیونکر ہوا
 جانے حیرتِ بڑا سا کے زمانے کا ہوں میں
 مجھ کو یہ خلعت شرافت کا عطا کیونکر ہوا
 کچھ دکھانے دیکھنے کا تھا تقاضا طور پر
 کیا خبر ہے تجھ کو اے دل فصیلا کیونکر ہوا
 ہے طلب بے بدعا ہونے کی بھی اک مدعا
 مرغ دل دام مستی سے ہا کیونکر ہوا
 دیکھنے والے یہاں بھی دیکھ لیتے ہیں تجھے
 پھر یہ وعدہ حشر کا صبر بڑا کیونکر ہوا
 خُسنِ کامل سچی ہو اس بے حجابی کا سبب
 وہ جو تھا پروں میں نہماں خود نما کیونکر ہوا
 موت کا نسخہ ابھی باقی ہے اے درخشاں
 چارہ لرو دیوانہ سے میں لاوا کیونکر ہوا

۱۲۶
 بانگِ دریا
 ۱۱۰

تُو نے دیکھا ہے کبھی اے یہ عبرت گُل
 ہو کے پیدا خاک سے رنگیں قبا کیونکر ہوا
 پریش اعمال سے مقصد تھا رسوائی مری
 ورنہ ظاہر تھا سبھی کچھ کیا ہوا کیونکر ہوا
 میرے ٹٹنے کا تماشہ دیکھنے کی چیز تھی
 کیا باتوں اُن کا میرا سنا کیونکر ہوا



انوکھی وضع ہے سارے زمانے سے نزلے ہیں
 علاج درد میں بھی درد کی لذت پہ مرتابوں
 پھلا پھولا ہے یارب جن میری امیدوں کا
 رلاتی ہے مجھے راتوں کو خاموشی ستاروں کی
 نہ ٹوچو مجھ سے لذت خانمان بباد رہنے کی
 نہیں گی انکی اچھی رسیوں اہ منزل سے
 امید جو نے سب کچھ سلکھا رکھا ہے واعظ کو
 یہ عاشق کون سی بستی کے یارب ہے واہیں
 جو تھے چھالوں میں کانٹے نول سوزن سے نکالے ہیں
 جگر کا خون دے دے کر یہ ٹوٹے ہیں پلے ہیں
 نرالا عشق ہے میرا نزلے میرے نلے ہیں
 نشمین سکیڑوں میں بنا لہ پھونک ڈالے ہیں
 ٹھہر جا لے شہ زہم بھی تو آخر ٹٹنے والے ہیں
 یہ حضرت تھے میں سیدھے سادے بھولے ہیں

مے اشعارے اقبال کیوں پیارے نہ ہوں مجھ کو
 مے ٹوٹے ہوئے دل کے یہ رنگیز نالے ہیں

۱۱۷
 بانگِ سرا



ظاہر کی آنکھ سے نہ تماشا کرے کوئی
منصہور کو نہ ہو الہام کو یا پیام موت
ہو ویکھنا تو دیدہ دل وا کرے کوئی
ہو ویکھنا تو دیدہ دل وا کرے کوئی
اب کیا کسی کے عشق کا دعویٰ کرے کوئی
ہے ویکھنا یہی کہ نہ ویکھا کرے کوئی
دیکھے مجھے کہ تجھ کو تماشا کرے کوئی
دیکھے مجھے کہ تجھ کو تماشا کرے کوئی
محشر میں عذر تازہ نہ پیدا کرے کوئی
پھر اور کس طرح انھیں دیکھا کرے کوئی
طاقت ہو دید کی تو تقاضا کرے کوئی
زُلس کی آنکھ سے تجھے دیکھا کرے کوئی

کھل جائیں کیا مئے ہیں تئیں شوق میں
دو چار دن جو سیری تمنا کرے کوئی



کہوں کیا آرزوئے بے دلی مجھ کو کہاں تک ہے
مے بازار کی رونق ہی سووائے زیاں تک ہے
دو مے کش ہوں فروغ مے سے جو گلزار بن جاؤں
ہوائے گل فراق ساقی نامہر باں تک ہے

چمن افروز ہے صیاد میری خوشنوا تکی تک
 وہ شبتِ خاک ہوں فرضِ ریشانی سے صحر ہوں
 صبرِ سخنِ نالہ خوابیدہ ہے میرے سرگٹھے میں
 سلوٹن دل سے سامانِ کشود کار پیدا کر
 چمن زارِ محبت میں خموشی موت ہے نعلیہا
 جوانی ہے تو ذوقِ دید بھی لطفِ تما بھی
 رہی بجلی کی بے تابی سو میرے آشیان تک ہے
 نہ پوچھو میری وسعت کی زین سے آسمان تک ہے
 یہ خاموشی مری وقتِ حیل کارواں تک ہے
 کہ عقدہ خاطر لروا ب کا آبِ رواں تک ہے
 یہاں کی زندگی پابندی رسمِ فغان تک ہے
 ہمارے گھر کی آبادی قیامِ مہمان تک ہے

زمانے بھر میں سوا ہوں مگر اے نائے نادانی!

سمجھتا ہوں کہ میرا عشق میرے ازواں تک ہے



جنھیں میں ڈھونڈتا تھا آسمانوں میں زمینوں میں
 حقیقت اپنی آنکھوں سے نمایاں جب جاتی اپنی
 اگر کچھ آشنا ہو تا مذاقِ حبیب ساری سے
 کبھی اپنا بھی نظارہ لیا ہے تو نے اے مجنون
 وہ نکلے میرے ظلمتِ خانہ دل کے مکینوں میں
 مکانِ نکلا ہمارے خانہ سول کے مکینوں میں
 تو سننا آستانِ کعبہ جا بلجا حبیبینوں میں
 کہ یسلی کی طرح تو خود بھی ہے محفلِ شینوں میں
 مگر گھر یاں مجداتی کی گزرتی ہیں مہسینوں میں
 ہینے وصل کے گھڑوں کی صوت اڑتے جاتے ہیں

مجھے روئے کاٹو لے نا خدا کیا عرق ہونے سے
 چھپا یا حسن کو اپنے کلیم اللہ سے جس نے
 جلا سکتی ہے شمع شہتہ کو موج نفس ان کی
 متناور و دل کی ہو تو کر خدمت فقیریوں کی
 نہ پوچھ ان خرقہ پوشوں کی ارادت ہو تو دیکھ ان کو
 ترستی ہے نگاہ ہارسا جس کے نظارے کو
 کسی ایسے شہر سے ٹھونک اپنے خرمین دل کو
 محبت کے لیے دل ڈھونڈ کوئی ٹوٹنے والا
 سراپا حسن بن جاتا ہے جس کے حسن کا عاشق
 پھٹل اٹھا کوئی تیری ادائے نامعرف قنایر
 نمایاں ہو گئے لعل لاکے کبھی ان کو جمال اپنا
 خموش اے دل! بھری محفل میں چلانا نہیں اچھا
 کہ جن کو ڈوبنا سو ڈوب جاتے ہیں سفینوں میں
 وہی ناز افریں ہے جلوہ پیرا ناز سینوں میں
 الہی ایسا چھپا سوتا ہے اہل دل کے سینوں میں
 نہیں ملتا یہ کو ہر بادشاہوں کے خرمینوں میں
 یہ بیباک بے بیٹھے ہیں اپنی استینوں میں
 وہ رونق انجمن کی ہے انھی خلوت گزینوں میں
 کہ خورشید قیامت بھی تو میرے خوشہ چینوں میں
 یہ مے ہے جسے رکھتے ہیں نازک اہلینوں میں
 بھلا اے دل حسین ایسا بھی ہے کوئی حسینوں میں
 ترار تیرے ہاڑھ چڑھ کے سب ناز افرینوں میں
 بہت مدت سے چرچے ہیں کے باریک بینوں میں
 ادب پہلا قریب ہے محبت کے قرینوں میں

برا سمجھوں انھیں مجھ سے ایسا ہو نہیں سکتا

کہ میں بھی تو ہوں اقبال اپنے نکتہ چینوں میں

۱۳۰
بانگے دریا
۱۱۲



ترے عشق کی انتہا چاہتا ہوں
 ستم ہو کہ ہو وعدہ بے حسابی
 مری سادگی دیکھ لیا چاہتا ہوں
 کوئی بات صبر آزما چاہتا ہوں
 یہ حقیقت مبارک ہے زاہدوں کو
 کہ میں آپ کا سامنا چاہتا ہوں
 ذرا سا تو دل ہوں مگر شوخ تہن
 وہی من ترانی سنا چاہتا ہوں
 کوئی دم کا مہماں ہوں لے ایل محفل
 چراغِ سخنِ سخن ہوں بھجا چاہتا ہوں

بھری بزم میں از کی بات کہہ دی

بڑا بے ادب ہوں سزا چاہتا ہوں



گشاہ دست کرم جب بے نیاز کرے
 بٹھا کے عرش چ رکھا ہے تو نے اعظما
 نیاز مند نہ کیوں عاجزی یہ ناز کرے
 خدا وہ کیا ہے جو بندوں سے احترام کرے
 مری نگاہ میں وہ رند ہی نہیں ساتی
 جو پوشیاری دوستی میں امتیاز کرے
 مدام گوشِ بیل ذیہ ساز ہے ایسا
 جو پوشکتے تو پیدا نوائے راز کرے
 کوئی یہ ٹوچھے کہ واعظ کا کیا بڑتا ہے
 جو بے عمل یہ بھی حمت وہ بے نیاز کرے

سخن میں سوز، الہی کہاں سے آتا ہے
یہ چیز وہ ہے کہ پتھر کو بھی کداز کرے
تیز لالہ و گل سے ہے نالہ بے بس
جہاں میں انہ کوئی چشم امتیاز کرے
غرور زہد نے سکھلا دیا ہے واعظ کو
کہ بندگانِ حق اپریزباں دراز کرے

پہو اہو ایسی کہ ہندوستان سے لے اقبال
اڑا کے مجھ کو غبارِ حج باز کرے



سختیاں کرتا ہوں دل پر غمیرے غافل ہوں میں
ناتے کیا اچھی لہی ظالم ہوں میں جاہل ہوں میں
میں جیبتی تک تھا کہ تیری جلوہ پیرانی نہ تھی
جو نو و حق سے سٹ جاتا ہے وہ باطل ہوں میں
علم کے دریا سے نہ کلا غوطہ نہن گو ہر بدست
وائے محرومی انخرف چین لب ساحل ہوں میں
ہے مری قلت ہی کچھ میری شرافت کی دلیل
جس کی غفلت کو ملک تے ہیں غافل ہوں میں
بزمِ ہستی اپنی آرائش یہ تو نازاں نہ ہو
تو تو اکل تصویبے محض کی اور محض ہوں میں

ڈھونڈتا پھر تا ہوں اے اقبال اپنے آپ کو
آپ ہی کو یا سا فر آپ ہی منزل ہوں میں



۱۳۲

بانگِ درا

۱۱۶



مجنوں نے شہر چھوڑا تو صبح ابھی چھوڑ دے
 واعظ اقبال ترکے ملتے ہیں مراد
 نقیہ کی روش سے تو بہتر ہے جو دشتی
 مانند خامہ تیری باں پر ہے حرف غیر
 لطفِ کلام لیا جو نہ ہو دل میں دردِ عشق
 شبِ نیم کی طرح ٹھیلوں پہ پڑا اور چمن سے چل
 ہے عاشقی میں رسم لک سے بیٹھنا
 سو اگر ہی نہیں یہ عبادت خدا کی ہے
 اچھا ہے دل کے ساتھ ہے پاسبانِ عقل
 جینا وہ لیا جو ہو نفسِ غیب پر پدا
 شوخی سی ہے سوال مکر میں اے کلیم!

نطق کی سوس ہو تو لیلی بھی چھوڑ دے
 دنیا جو چھوڑ دی ہے تو عقبی بھی چھوڑ دے
 رستہ بھی ڈھونڈنا خضر کا سو ابھی چھوڑ دے
 بیگانہ شے پہ نازشیں بے جا بھی چھوڑ دے
 بسمل نہیں ہے تو تو تڑپنا بھی چھوڑ دے
 اس باغ میں قیام کا سو ابھی چھوڑ دے
 بت خانہ بھی حرم بھی کلیسا بھی چھوڑ دے
 اے بے خبر! جزا کی تمنا بھی چھوڑ دے
 لیکن کبھی کبھی اے تنہا بھی چھوڑ دے
 شہرت کی زندگی کا بھر سا بھی چھوڑ دے
 شرطِ رضا ہے کہ تقاضا بھی چھوڑ دے

واعظ شہوت لاتے جو مے کے جواز میں

اقبال کو یہ ضد ہے کہ پینا بھی چھوڑے

(۱) جہودہ.....
 سزا دینا کہ تم ایدہ امرا کے جمع
 (۲) سلو سے رو دیا نام وہاں سے
 (۳) سزا دینا کہ تم ایدہ امرا کے جمع
 (۴) سزا دینا کہ تم ایدہ امرا کے جمع
 سزا دینا کہ تم ایدہ امرا کے جمع



حصہ دوم

(۱۹۰۵ء سے ۱۹۰۸ء تک)

۱۳۵
بانگِ درا
۱۱۹

حامد
رئیس مدرسہ اسلامیہ دارالعلوم
اد
الکربلا

آج ہرگز اگردوں کی آبرو ہے۔ تو بھولے کنول ہاتھ تری کی بو
ردنغ سے جو ترے سینے میں ہے نہاں)۔ ماٹوں نہ تو کھی بریلغ آرزو
ہیں بھولے ترے زہر ہر ذرہ کے نیک پر۔ چکو عین حقیقت ہر جگہ جو تھی ہے

انسان کا جیسا
مخوش ہے جو تیرے ہاتھوں میں ہے تیرے
میں ہم بس طرف زہرا کے
ہے ایک سولہ سولہ تیرے پر عین ترسی ۶

تو ڈیڈ پرتا ہے جسکو تاروں کا خاکو کی بل۔ ~~ہو گیا~~ خیر عین ترسی کا گل
ہاتھ کر دہلے ہے بڑھ بل کو ہے۔ بہ ہر بل گلشن ترسی کا گل
آپ کے ہاتھ دکھاؤ رہا رہا رہا رہا۔ ہر ذرہ کا تیرے ہاتھ میں ہے آگے بل
ہوا اور تیرے ہر ذرہ میں ہے ہر ذرہ کا
ہر ذرہ میں ہے تیرے ہاتھ میں ہے
ان کا دل میں

۱۳۶
بانگے دریا
۱۲۰

محبت

عروسِ شب کی زلفیں تھیں ابھی ناآشنا خم سے
 قرآنے لباسِ نو میں بگائے لگاتھا
 ابھی امکانِ عظمت خانے سے ابھری ہی تھی دنیا
 کمالِ نظمِ سستی کی ابھی تھی اہتِ اربابا
 سنا ہے عالمِ بالا میں کوئی کہیں لگتا
 لکھا تھا عرش کے پائے پہ الٰہ کا نسخہ
 نگاہیں نال میں رہتی تھیں لیکن کہیں لگتی
 بڑھا تبیحِ خوانی کے بہانے عرش کی جانب
 پھر ایا فکرِ بزلے اُسے میدانِ امکان میں
 چمکے تارے مانگی چاند سے دُعا جگر مانگا
 تڑپ بجلی سے پائی حور سے کہیں نگی پائی
 ذرا سی پھر بوہیت کے شانِ بنی یازلی

ستارے آسمان کے بے خبر تھے لذتِ رم سے
 نہ تھا واقف ابھی کر و شمس کے سپین ستم سے
 مذاقِ زندگی پوشیدہ تھا پہنکے عالم سے
 بیویا تھی بلینے کی تمنا چشمِ حاتم سے
 صفا تھی جس کی خالِ پاپین ٹھوکر سا غرجم سے
 چھپاتے تھے فرشتے جس کو چشمِ روحِ آدم سے
 وہ اس نسخے کو بڑھ کر جانتا تھا اہمِ عظم سے
 تنائے کی آخر برائی سعیِ پیسہ سے
 چھپے کی لیا کوئی شے بارگاہِ حق کے محرم سے
 اڑائی تیری تھوڑی سی شب کی زلفِ برہم سے
 حرارتِ لی نفسہ کے سیحِ ابنِ مریم سے
 ملک سے عاجزیِ افتاد کی تقدیرِ شبنم سے

۱۳۷
 بانگِ درا
 ۱۲۱

پھران اجزا کو لھولا چشمہ حیوان کے پانی میں
 مہوس نے یہ پانی ہستی نوخیز پر چھڑکا
 مکتب نے محبت نام پایا عشرت اعظم سے
 گرہ لھولی سہنے نے اس کے گویا کار عالم سے
 ہونی جنبش عیان ذوق نے لطف خواب کو چھوٹا
 گلے ملنے لگا اٹھ اٹھ کے اپنے اپنے سوہم سے

خرام ناز پایا آفتابوں نے ستاروں نے
 چٹک غنچوں نے پانی داغ پائے لالہ زاروں نے

حقیقتِ حُسن

خدا سے حُسن نے اک روز یہ سوال کیا
 بلا جواب کہ تصویرِ حُسن ہے دنیا
 جہاں میں کیوں نہ مجھے تو نے لازوال کیا
 شب و از عدم کا فسانہ ہے دنیا
 وہی جس میں ہے حقیقتِ زوال ہے جس کی
 کہیں قریب تھا کیفیت گو قمر نے سُنی
 فلک چم سہمی ہوئی اختر سحر نے سُنی
 سحر نے مارے سے سن کر سنانی شبنم کو
 فلک کی بات بتا دی زمیں کے محرم کو
 بھرتے پھول کے انسو پیامِ شبنم سے
 کلی کا نتھا سا دل خون ہو گیا غنم سے
 چمن سے و تا ہوا موسم بہار کیا
 شباب سیر لو آیا تھا سو لو ارباب

۱۳۸
 بانگِ درا
 ۱۲۲

پیغام

عشق نے کرو یا تجھے ذوقِ تمیش سے آشنا
 بزم کو مثلِ شمعِ بزمِ حاصلِ سوہ ساز و
 شانِ کرم پر ہے مدارِ عشقِ کرہِ شاکہ کا
 ویرِ حرم کی قید کیا جس کو وہ بے نیاز و
 صورتِ شمعِ نور کی ہستی نہیں قبائے
 جس کو خدانہ دہر میں لریہ جہاں لداڑے
 تائے میں وہ قمر میں وہ جہلہ کہ سحر میں وہ
 چشمِ نظارہ میں نہ ٹوسد مرہ اختیارے
 عشقِ بندِ بال ہے رسمِ مرہ نیاز سے
 حسن ہے مستِ ناز اگر تو بھی جوابِ نازے

پیرِ مغانِ فرنگ کی مے کا نشاط ہے اثر
 اس میں وہ کیفیتِ غم نہیں مجھ کو تو خانہ ساز
 تجھ کو خبر نہیں ہے کیا! بزمِ نهن بدل لیتی
 اب خدا کے واسطے ان کو مے مجاز و

سوامی ام سیرتھ

سرمِ نعلِ دریا سے ہے اے قطرِ برباب تو
 پہلے گوہر تھا بہن اب گوہرِ نایاب تو
 آہ بھولا کس اول سے تو نے رازِ رنگِ بو
 میں ابھی تک ہوں اسیرِ تھیاز رنگِ بو

۱۳۹
 بانگِ دریا
 ۱۲۳

مٹ کے غوغا زندگی کا شور شراب محشر بنا
 یہ شرارہ بوجھ کے آتش خانہ آزر بنا
 نفی ہستی ال کر شد ہے دل آگاہ
 لاکے دریا میں نہاں موتی ہے 'الا اللہ' کا
 چشم نابینا سے مخفی معنی انجم ہے
 تم گنتی جس دم تڑپ سیلاب سیم خام ہے
 توڑ دیتا ہے ہستی کو ابرہیم عشق
 پوشش کا دار ہے گویا تہی سیم عشق

طلبہ علی لڑھ کا لکھ کے نام

اوروں کا ہے پیام اور میس پیام اور ہے
 عشق کے درمیں کلام اور ہے
 طاہر زبرد ام کے نام لے تو سن چلے ہونم
 یہ بھی سنو کہ نالہ طائر بام اور ہے
 اتنی تھی کوٹ سے صد ارضیات ہے سکوں
 کہتا تھا سورناتواں لطف خرام اور ہے
 جذب حرم سے ہے فروغ انجمن حجاز کا
 اس کا مقام اور ہے اس کا نظام اور ہے
 ہوتے عیش جاوداں ذوق طلب الرنبو
 گردش آدمی ہے اور گردش جام اور ہے
 شمع سحر یہ کہہ لیتی سوز ہے زندگی کا ش
 عنم لہ نمود میں شرط دوام اور ہے

باوہ ہے نیم راسل بھی شوق ہے ناسا بھی
 رہنے چشم کے سر پہ خشت کلیا بھی

۱۲۰
 بانگِ سورا
 ۱۲۲

خستِ صبح

ستارہ صبح کا روتا تھا اور یہ کہتا تھا ہلی نگاہ مگر فرصتِ نظر نہ ہلی

ہوتی ہے زندہ دم آفتاب کے پرشے اماں مجھی کو تیرا مینِ سخن نہ ہلی

بساطِ لیا ہے بھلا صبح کے ستارے کی

نفسِ جناب کا، تابندگی شراے کی

کہا یہ میں نے کہ اے زیورِ حسینِ سحر! غمِ فنا ہے تجھے گنبدِ فلک سے اتر

ٹپک بلبندیِ کزوں سے ہر شہ بنم مرے یاضِ سخن کی فضا ہے جاں پُر

میں باغیاں ہوں محبت بہا ہے اس کی

بنامِ شالِ ابد پائدار ہے اس کی

حُسن و عشق

جس طرح ڈوبتی ہے شستیِ سیدِ سحر نورِ خورشید کے طوفان میں منگامِ سحر

جیسے ہو جاتا ہے گم نورِ کمال کے لراخیل چاندنی است میں ستارے کا ہم رنگ کنول

۱۲۱
باقی ہے در
۱۲۵

بسوہ طور میں جیسے یہ بیضاتِ کلیم
سوجہ نکلتے گلزار میں غنچے کی شمیم

ہے ترے سہیل محبت میں یونہی دل میرا

تُو جو محسن ہے تو ہنگامہ محفلِ بچوں میں
حُسن کی برق ہے تُو عشق کا حاصلِ بچوں میں
تُو سحر ہے تو مرے اشک میں شبنم تیری
شامِ غربت ہوں اگر میں تو شفق تُو میری
مرے دل میں ترمی زلفوں کی پریشانی ہے
ترمی تصویر سے پیدا مری حیرانی ہے

حُسنِ کامل ہے ترا، عشق ہے کامل میرا

ہے مرے باغِ سخن کے لیے تُو باوہباً
میرے بے تابِ تخیل کو دیا تُو نے ستار
جب سے آباد ترا عشق ہوا سینے میں
نتے جو ہر سو تے پیدا مے اتنے میں
حُسن سے عشق کی فطرت کو ہے تھرکا کمال
تجھ سے ہر سبز سوتے میری امیدوں کے نہال

قافلہ ہو گیا آسو وہ منزل میرا

...لی لو میں بتی دیکھ کر

تجھ کو ڈر ویدہ نگاہی یہ سکھا دی کس نے
رمزِ آغازِ محبت کی بتا دی کس نے
پہرہ اسے ترمی پیدا ہے محبت کیسی
نیلی آنکھوں سے چلتی ہے کاوت کیسی

۱۲۲
بانگِ دل
۱۲۶

دکھتی ہے کبھی ان کو کبھی شرماتی ہے
 کبھی اٹھتی ہے کبھی لیٹ کے سوجاتی ہے
 آنکھ تیری صفت آتھ جیسا ان ہے کیا
 نور آگاہی سے روشن تیری پہچان ہے کیا
 مارتی ہے انھیں پونچھوں سے عجب ناز ہے یہ
 چھیڑے، غصتہ ہے یا پیار کا انداز ہے یہ؟
 شوخ تو ہوگی تو گودی سے اتاریں گے تجھے
 لگ لگایا ٹھول جو سینے کا تو ماریں گے تجھے
 کیا تجس ہے تجھے کس کی مانتا ہے
 آہ! کیا تو بھی اسی چیز کی سوداچی ہے
 خاص انسان سے کچھ حس کا احساس نہیں
 صورتِ دل ہے یہ ہر چیز کے باطن میں سکھیں
 شیشہ دہر میں مانند مے ناب ہے عشق
 زوہ خورشید ہے خونِ گل مہتاب ہے عشق
 دل ہر ذرہ میں پوشیدہ کسک ہے اس کی
 نوریہ ہے کہ ہر شے میں جھلک ہے اس کی

کہیں سامانِ سترت کہیں سازِ غم ہے
 کہیں گہرے کہیں اشک کہیں شبنم ہے

کلی

جب کھاتی ہے بحرِ عارضِ رنگیں اپنا
 کھول دیتی ہے کلی سینہ زریں اپنا
 جلوہ آسم ہے یہ صبح کے مخانے میں
 زندگی اس کی ہے خورشید کے پیمانے میں

سائے مہر کے دل چیر کے لکھ دیتی ہے
کس قدر سینہ شکنانی کے مزے لیتی ہے

مے خورشید کبھی تو بھی اٹھا اپنی نقاب
تیرے جلوے کا شہین ہو مے سینے میں
بہرِ نظارہ تڑپتی ہے نگاہ بے تاب
عکس آباد تو سیرا مے کتینے میں
زندگی ہو ترا نظارہ مے دل کے لیے
روشنی ہو تیری گوارا مے دل کے لیے
ذرہ ذرہ ہو مرا پھر طرب اندوز حیات
ہو عیاں جو ہر اندیشہ میں پھر سوز حیات
اپنے خورشید کا نظارہ کروں دُور سے میں
صفتِ غنچہ سیم آغوشِ رہوں نور سے میں

جانِ مضطر کی حقیقت کو نمایاں کر دوں
دل کے پوشیدہ خیالوں کو بھی عیاں کر دوں

چاند اور تارے

ڈرتے ڈرتے دمِ حیر سے
نظارے سے وہی فلک پر
تارے کہنے لگتے تیرے
ہم تک بھی گتے چمک چمک
چمکا، چمکا، مدام چمکا
کام اپنا ہے صبح و شام چمکا

۱۲۲
بانگِ دل
۱۲۸

بے تابی ہے اس جہاں کی ہمشے کہتے ہیں جسے سکون نہیں ہے
رہتے ہیں ستم کش سفر سب تاکے انسان شخب حجب سب

ہوگا کبھی ستم یہ سفر کیا

منزل کبھی آئے گی نظر کیا

کہنے لگا چاند، نیم شبینو اے مزرع شب کے خوش چینو!
بُخشبش سے ہے زندگی جہاں کی یہ رسم قدیم ہے یہاں کی
ہے دوڑتا اشہب زمانہ کھا کھا کے طلب کا تازیانہ

اس راہ میں تمام بے محل ہے پوشیدہ قرار میں اجل ہے
چلنے والے نکل گئے ہیں جو شہرے ذرا، نکل گئے ہیں
انجام ہے اس خرام کا حُسن آخانے عشق، نہتہ حُسن

وصال

جستجو جس گل کی تڑپاتی تھی اے بلبل مجھے خوبی قسمت سے آخر گل گیا وہ گل مجھے
خود تڑپاتا تھا، چمن الوں کو تڑپاتا تھا میں تجھ کو جب رنگیں نو اپاتا تھا، شرماتا تھا میں

میرے پہلو میں دل مضطر نہ تھا سیما تھا
از تکابِ جرمِ الفت کے لیے بے تاب تھا

نامرادی محفلِ گل میں مری مشہور تھی
صبح میری آہنہ در شبِ بوجور تھی

از نفسِ در سینہ بخوش گشتہ نشترِ دہشتم

زیرِ خاموشی نہاں غوغائے محشرِ دہشتم

اب تاثر کے جہاں میں وہ پریشانی نہیں
اہلِ گلشن پر گراں سیری غزلِ خوانی نہیں

عشق کی گرمی سے شعلے بن گئے چھلے مے
کھیلنے ہیں بکلیوں کے ساتھ اب نلے مے

غازہ الفت سے یہ خالِ سیدہ آئینہ ہے
اور آئینے میں عکسِ ہمدوم ویرینہ ہے

قید میں آیا تو حاصلِ مجھ کو آزادی ہوئی
دل کے لٹ جانے سے میرے گھر کی آبادی ہوئی

ضو سے اس خورشید کی اختر مرانا بندہ ہے
چاندنی جس کے غبارِ راہ سے شرمندہ ہے

یک لطفِ کردی آدابِ فناِ سوختی

اے خنکِ روزے کہ خاشاکِ مرا و سوختی



۱۲۶
بانگِ را
۱۳۰

سَلَمی

جس کی نمود و بکھی چشم ستارہ ہیں نے
خورشید میں، قمر میں، تاروں کی انجمن میں
صوفی نے جس کو دل کے ظلمت کدرے میں پایا
شاعر نے جس کو دیکھا قدرت کے بانگین میں
جس کی چمک ہے پیدا، جس کی مہک ہویدا
شبنم کے موتیوں میں، ٹھولوں کے پیرہن میں
صحرا کو ہے بسایا جس نے سکوت بن کر
ہنکا مرہ جس کے دم سے کاشانہ چسبن میں
ہر شے میں ہے نمایاں بوں تو جمال اس کا
انگھوں میں ہے سَلَمی تیری حال اس کا



عاشق ہر جاتی



ہے عجب مجموعہ اصدادے قہسبال تو
 تیرے ہنگاموں سے اے دیوانہ رنگیں نوا
 ہم شہین تاروں کا ہے ثورفت پرانے سے
 عین شغل سے میں پشانی ہے تیری بجز ریز
 مثل ٹوٹے گل ببا س رنگے عریان ہے تو
 جانب منزل واں بے نقش پاپا نند موج
 حُسنِ نوانی ہے بحسبلی تیری فطرت کے لیے
 تیری ہستی کا ہے آئین تعسنتن پر مدأ
 ہے حسینوں میں و فانا اشنا تیرا خطاب
 رونق ہنگامہ محفل بھی ہے تنہا بھی ہے
 زینت گلشن بھی ہے آرائش صحرا بھی ہے
 اے زمیں فرسا، قدم تیرا فلک پیمیا بھی ہے
 کچھ ترے مسک میں رنگِ شربِ مینا بھی ہے
 ہے تو حکمتِ آفرین، لیکن تجھے سوا بھی ہے
 اور پھر اُفتادہ مثلِ حاسل دریا بھی ہے
 پھر عجب ہے کہ تیرا عشق بے پروا بھی ہے
 تو کبھی ایک آستانے پر جبیں فرسا بھی ہے؟
 اے تلون کیش! تو مشہور بھی رسوا بھی ہے

لے کے آیا ہے جہاں میں عادتِ سیاب تو

تیری بجاتی کے صدقے ہے عجب بے تاب تو

۱۲۸
بانگِ ردا
۱۳۲



عشق کی آشفتمندی نے کر دیا صحرا ہے
 ہرگز اڑوں اس کے پہلو زنگ پہر پہلو گا
 دل نہیں شاعر کا ہے کیفیتوں کی رستخیز
 ارزو بہ کیفیت میں الگ نئے جلوے کی ہے
 گو حسین بازو ہے ہر لحظہ مقصودِ نظر
 بے نیازی سے ہے پیدا میری فطرت کا نیا
 موجب کہیں تماشے شاعر جستا
 ہر تقاضا عشق کی فطرت کا جو بس خموش
 جستجو گل کی لیے پھرتی ہے اجزا میں مجھے
 زندگی انفت کی درونجا میوں سے ہے مری
 سچا لڑچھے تو افلاسِ تنہا سبیل ہے وفا
 فیض سانی شبنم آسما طرفِ دل دریا طلب
 مجھ کو پیدا کر کے اپنا سجتہ چسپ کیا

مشتِ خال ایسی نہاں زیرِ قبا رکھتا ہوں میں
 سینے میں سپر الونی تر شاہوار رکھتا ہوں میں
 کیا خبر تجھ کو دُورِ دینِ سینہ کیا رکھتا ہوں میں
 مضطربِ جنِ دل سوں نا آشنا رکھتا ہوں میں
 حُسن سے مضبوطِ پیمانِ وفا رکھتا ہوں میں
 سوزِ سازِ جستجو مثلِ صبا رکھتا ہوں میں
 ہر نہدیں سکتا کہ دن برقِ آشنا رکھتا ہوں میں
 آہِ ابدہ کاملِ تحسینِ مدعا رکھتا ہوں میں
 حُسنِ بچیاں ہے درِ ولادوار رکھتا ہوں میں
 عشق کو آزادِ دستورِ وفا رکھتا ہوں میں
 دل میں ہر دمِ الِ نیا محشرِ بیا رکھتا ہوں میں
 تشنہِ اتم ہوں تشنہِ زہرِ پار رکھتا ہوں میں
 نقشِ سچوں اپنے مصوے گلا رکھتا ہوں میں

۱۲۹

بانگِ درا

۱۳۳

محفلِ مستی میں جب ایسا تک جلوہ تمھارا
پتھر کیل کے لئے نہتہ رکھتا ہوں

دربیا بانِ طلب پیوستہ می کوشیم ما

موجِ مجسمِ شکستِ خویش بر کوشیم ما

کوششِ ناتمام

فُرتِ آفتاب میں کھاتی ہے پیچھا صبح
چشمِ شفق ہے خونِ فشاںِ اخترِ شام کے لیے

رہتی ہے قیسِ سوز کو سیلی شام کی ہوس
اخترِ صبح مضطربِ تابِ دوام کے لیے

کہتا تھا قطبِ آسمانِ قافلہِ نجوم سے
ہم سوز میں ترس گیا لطفِ خرم کے لیے

سوتوں کو ندیوں کا شوق بھر کا ندیوں کو عشق
موجبہ بھر کو تپش ماہِ تمام کے لیے

حُسنِ ازل کہ پر وہ لالہ گل میں ہے نہاں
کہتے ہیں بے قرار ہے جلوہ عام کے لیے

رازِ حیات پوچھ لے خضرِ خجستہ گام سے

زندہ ہر ایک چیز سے کوششِ ناتمام سے



بانگِ دل
۱۵۰
۱۴۲

نوائے غم

زندگانی ہے مری مثلِ بابِ غاموش
جس کی ہر رنگ کے نعموں سے ہے لبریز آغوش
یہ بڑا کون جہاں جس کی خموشی یہ پش
جس کے ہر تار میں ہیں سیڑیوں نعموں کے مزا
عشرستانِ نو کا ہے امیں جس کا سکوت
اور منت کشش ہنگامہ نہیں جس کا سکوت

آہ! تپیدِ محبت کی برائی نہ کبھی

چوٹِ مضراب کی اس ساز نے کھائی نہ کبھی

گمراہی ہے نسیمِ چمنِ طور کبھی
سمتِ گرووں سے چوائے نفسِ محور کبھی
چھیرا ہے تہ سے دیتی ہے مرا تارِ حیات
جس سے ہوتی ہے ہر ہار و جگر فدا حیات
نغمہِ یاس کی و صہمی ہی صہدا اٹھتی ہے
اشک کے قافلے کو بانگِ در اٹھتی ہے

جس طرح رفعتِ بنم ہے مذاقِ رم سے

میری فطرت کی بلندی ہے نوائے غم سے



۱۵۱
بانگِ در
۱۲۵

عشرتِ امروز

نہ مجھ سے کہہ کہ اہل سے پیامِ عیش و سرور
 نہ کھینچ نکتہ نہ کہ کیفیتِ شرابِ طہور
 فراقِ خور میں ہو غم سے پہلکار نہ تو
 پر می کو شیشہ۔ الفناط میں اُتار نہ تو
 مجھے فرغیتہ۔ ساقیِ جمیل نہ کر
 بیانِ چور نہ کر، ذکرِ سبیل نہ کر
 مقامِ امن ہے جنت، مجھے کلام نہیں
 شبابِ آہ! کہاں تک اُمیدوار ہے
 وہ حُسنِ لیا کہ جو محتجِ چشمِ بیابا ہو
 وہ عیش، عیش نہیں جس کا انتظار ہے
 نوؤ کے لیے منت پذیر نہ رہا ہو

عجیب چیز ہے احساسِ زندگی کا
 عقیدہِ عشرتِ امروز ہے جوانی کا

انسان

قدرت کا عجیب یہ ستم ہے

انسان کو راز جو بنایا راز اس کی نگاہ سے چھپایا

۱۵۲
 بانگِ درا
 ۱۳۶

بے تاب ہے ذوقِ آگہی کا کھلتا نہیں بھیدِ زندگی کا

حیرتِ آغاز و انتہا ہے

اٹینے کے گھر میں اور کیا ہے

ہے گرمِ حرامِ موجِ دریا دریا سوتے بھر جا وہ پیمیا

بادل کو ہوا اڑا رہی ہے شانوں پہ اٹھتے لا رہی ہے

تارے مستِ شرابِ تقدیر زندانِ فلک میں پا بہ زنجیر

خوشید، وہ عابدِ سخنِ خیز لانے والا پیامِ برخیز

مغرب کی پہاڑیوں میں چھپ کر پیتا ہے مے شفق کا ساغر

لذتِ گیسرِ وجود پر شے سرست سے نمود پر شے

کوئی نہیں عنم گسارِ انساں

کیا تلخ ہے روزگارِ انساں!

جلوۂ حُسن

جلوۂ حُسن کہ ہے جس سے تفتاب بے تاب پالتا ہے جسے آغوشِ تنہیل میں شباب

ابدی بنتا ہے عیالم فانی جس سے
 جو رکھاتا ہے ہمیں سر بہ لریباں ہونا
 ایک افسانہ رنگیں ہے جوانی جس سے
 منظرِ عالم حاضر سے لڑیاں ہونا
 دور چو جاتی ہے اور ال کی خامی جس سے
 عقل کرتی ہے تاثر کی غلامی جس سے

آہ! موجود بھی وہ حسن کہیں ہے کہ نہیں
 خاتمِ دہر میں یارب وہ نگیں ہے کہ نہیں

ایک شام

(دریلے نیگلر، ہائیڈل برل کے کنارے پر)

خاموش ہے چاندنی قمر کی
 واوی کے نوا فروش خاموش
 شاخیں ہیں خموش ہر شجر کی
 گسار کے سبز پوش خاموش
 فطرت بے پوش ہو گئی ہے
 آنکھوں میں شب کے سولہتی ہے
 کچھ ایسا سکوت کافسوں سے
 نیکر کا حنہ ام بھی سکوں سے
 تاروں کا خموش کارواں ہے
 یہ قافلہ بے درواں ہے
 خاموش ہیں کچھ دوست دریا
 قدرت سے مرستیے میں گویا

۱۵۲
 بانگِ درا
 ۱۳۸

اے دل! تو بھی خموش ہو جا
 آغوش میں غم کو لے کر جا

تنہائی

تنہائی شب میں ہے حزن کیا انجم نہتیں سے ہم نشین کیا؟
 یہ فضا ہے آسمانِ خاموش خوابیدہ زمینِ جانِ خاموش
 یہ چاند، یہ دشت و دریا لہسا فطرت سے تم نامِ سترن زار
 موتی خوش رنگ، سارے سارے یعنی تم سے اسوں کے تارے

کس شے کی تجھے ہوس ہے دل!
 قدرت تری ہم نفس ہے دل!

پیامِ عشق

سن اے طلب کار و درویش! میں نازبوں، تو نیاز ہو جا
 میں غمِ زنوی سوسناتِ دل کا ہوں، تو سراپا ایاز ہو جا

نہیں ہے وابستہ زیر گردوں کمال شانِ کھنڈری سے
 تمام سماں ہے تیرے سینے میں، تو بھی آتینہ ساز ہو جا
 غرض ہے پیکارِ زندگی سے کمال پاتے ہلال تیرا
 جہاں کا فرضِ تدبیر ہے، تو، او، ہمالِ ساز ہو جا
 نہ ہو قناعت شعارِ چین، اسی سے قائم ہے شانِ تیری
 و فوراً گل ہے اگر چمن میں تو اور دامنِ دراز ہو جا
 گئے وہ ایام، اب زمانہ نہیں ہے صحرا، نور دیوں کا
 جہاں میں مانند شمع سوزاں میانِ محفل گزار ہو جا
 وجودِ ہنر اور کامبازی ہے، ہستی قوم ہے حقیقی
 فدا ہو ملت پہ یعنی آتشِ زینِ طلسم مجاز ہو جا
 یہ ہند کے فرستہ ساز، آسماں آزمی کر رہے ہیں گویا
 بچا کے دامنِ ہتوں سے اپنا غبارِ راہِ حجاز ہو جا



۱۵۶
 بانگِ را
 ۱۲۰

فراق

تلاشِ گوشہٴ عزلت میں چہ رہا ہوں میں
 یہاں پہ پاڑ کے دامن میں آنکھیں چاہوں میں
 شکستہ گیت میں چشموں کے دلبری ہے کمال
 وعلت طفکب گفتار آزما کی مثال
 ہے تختِ لعلِ شفق پر جلوہ حسنِ خستِ شام
 بہشتِ دیدہ بہینے حسنِ منظرِ شام
 سکوتِ شامِ جدائی ہوا بہانہ مجھے کسی کی یاد نے سکھلا دیا ترانہ مجھے
 کیفیت ہے مری جانِ شکیبا کی
 مری مثال ہے طہنلِ صغیرِ تنہا کی
 اندھیری رات میں کرتا ہے وہ سروِ آغاز
 صدا کو اپنی سمجھتا ہے غیب کی آواز
 یونہی میں دل کو پیامِ شکیب دیتا ہوں شبِ فراق کو گویا فریب دیتا ہوں

۱۵۷
 بانگِ درا
 ۱۲۱

عبدالقادری کے نام

اٹھ کہ ظلمت ہوتی پیدا افقِ حنا و پر
 بزم میں شعلہ نواتی سے اُجبالا کرویں
 ایک نیر باد ہے مانند سپند اپنی بساط
 اسی ہنگامے سے محفل تہ وبالا کرویں
 اہل محفل کو پھل و پھل و پھل عشق
 سنگِ امروزی کو آئینہ منور کرویں
 جلوۂ یوسفِ گم گشتہ دلہا کران کو
 تپش آماوہ ترا از خونِ زلیخا کرویں
 اس پس کو سبق آئینِ مہو کا دے کر
 قطرہ شبنم بے لہا کیہ کو دریا کرویں
 رختِ جاں بت کہہ چس سے اٹھالین اپنا
 سب کو موجِ سُعدی و سُلیمیٰ کرویں
 دیکھ ایشیرب میں ہوا ناتِ لیلیٰ بیکار
 قیس کو آرزو سے نو سے شناسا کرویں
 بادہ دیرینہ ہو اور گرم ہو ایسا کہ لدا
 جلدِ شیشہ پیمانہ و پیمانہ کرویں
 گرم رکھتا تھا ہمیں سرزمینِ مغرب میں جو داغ
 چیر کر سینہ اُسے وقفِ تماشا کرویں
 شمع کی طرح حسین بزمِ عالم میں
 خود بدین دیدِ غیب کار کو بنا کرویں

”پہرچہ در دل گذر و وقفِ زبانِ اردو شمع

جوستن نیست خیالے کہ نہاں اردو شمع“

۱۵۸

بانگِ دل

۱۱۲۲

صفتیہ

(جزیرہ سسلی)

روئے اب دل لھول کرے دیدہ خوشابا
 وہ نظر آتا ہے تہ سببِ حجازی کا مزا
 تھا یہاں منگامہ ان صحرا شینوں کا بھی
 بحرِ بازمی گاہ تھا جن کے سفینوں کا بھی
 زلزلے جن سے شہنشاہوں کے درباروں میں تھے
 بجلیوں ایشیا نے جن کی تلواروں میں تھے
 اک جہانِ بازو کا پیمانہ تھا جن کا ظہور
 کھائے عصرِ کائن کو جن کی تیغِ ہما سبوت
 مردہ عالمِ زندہ جن کی شویش کے ہوا
 آدمی آزاد زنجیر تو ہم سے ہوا
 غفلتوں جس کے لذت گیر اب تک گوشے
 کیا وہ تکبیر اب ہمیشہ کے لیے خاموش ہے؟

آہ اے سسلی بسند کی ہے تجھ سے آبرو
 رہنما کی طرح اس پانی کے صحرا میں ہے تو
 زیب سیرِ حال سے خسارِ دریا کو رہے
 تیری شمعوں سے تستی بحرِ پیا کو رہے
 پوٹ بک چشمِ مسافر پر تر اظنیرِ مدام
 موجِ رقصاں سے رسال کی چٹانوں پر مدام

۱۵۹
 بانگِ درا
 ۱۲۳

تو کبھی اس قوم کی تہذیب کا گوارہ تھا
 حُسنِ عالم سوز جس کا آتشِ نظرہ تھا

نالہ ششیر از کابل ہو ابعث داو پر داغ رویا خون کے آنسو جو جان آباد پر
 آسمان نے زو عینتِ ناطقہ جب بر باد کی ابنِ بدوں کے دلِ ناشائستہ زنیاد کی
 غمِ نصیبِ اقبال کو بخشا گیا ماتم ترا
 چُن لیا تعذیب نے وہ دل کہ تھا محرم ترا

پتے کے آثار میں پوشیدہ کس کی داستاں تیرے حساس کی خموشی میں سہ اندازیاں
 درد اپنا مجھے سے کٹے میں بھی سپرد وہوں جس کی تو منزل تھا میں اس کا رُخ کی گردوں
 رنگِ تصویرِ یسین میں بھر کے لٹھلاؤں مجھے قصداً یا م سلف کا کہہ کے ٹرپاؤں مجھے

میں ترا خوفِ سوتے ہندوستان لے جاؤں گا
 خود یہاں رہتا ہوں اوسوں کو وہاں رُلو اوسوں کا



۱۶۰
 بانگِ درا
 ۱۲۲

عزلیات



زندگی انساں کی اک دم کے سو اچھ بھی نہیں
 دم ہو اکی سوج پئے دم کے سو اچھ بھی نہیں
 گل تبسم کہہ ہا ہت زندگانی کو ملر
 شمع بولی بار یہ عشم کے سو اچھ بھی نہیں
 راز ہستی راز ہے جب تک کوئی محرم نہ ہو
 کھل گیا جس دم تو محرم کے سو اچھ بھی نہیں
 زائران کعب سے قبل یہ پوچھے کوئی
 کیا حرم کا تحفہ زم زم کے سو اچھ بھی نہیں



الہی عقل خجستہ پے کو ذرا سی یوانی سکھاوے
 اسے یہ سووائے بخیہ کاری مجھے سر پہ نہیں سے
 ملا محبت کا سو مجھ کو تو بولے صبح ازل فرشتے
 مثال شمع مزار ہے تو ترمی کی انجمن نہیں سے

۱۶۱
 بانگے در
 ۱۲۵

یہاں کہاں ہم نفس مستیر دین ناستب ہے اے دل
وہ چیز تو مانگتا ہے مجھ سے زیر پرچ کفن نہیں ہے
نرالا ہے جہاں سے اس کو عرب کے معانے بنایا
بنائے حصارِ ملت کی اتحادِ وطن نہیں ہے
کہاں کا انا کہاں کا جانا فریب ہے امتیازِ عقوبتی
نو دہشتے میں سے ہماری کہیں کا اور وطن نہیں ہے

مذہبِ مخزن سے کوئی اقبالِ عالم میرا پیام کہہ دے
جو کام کچھ لڑ رہی ہیں میں انھیں باق سخن نہیں ہے



زمانہ دیکھے گا جب مرے دل سے محشر اٹھے گا گفتگو کا
مری خموشی نہیں ہے، گویا مزار ہے حرفِ آرزو کا
جو موجِ دریا لگی یہ کہنے سفر سے قائم ہے شانِ میری
گھر یہ بولا صد فاشیٰ یعنی ہے مجھ کو سامانِ آبرو کا
نہ ہو طبیعت ہی جن کی قاتل وہ تربیت سے نہیں شور تے
ہو انہ سرسبزہ کے پانی میں عکس سرور کنارِ جو کا
کوئی دل ایسا نطن نہ آیا نہ جس میں خوابیدہ ہوتا
الہی تیرا جہان کیا ہے، نگارِ حنا ہے آرزو کا

۱۶۲
بانگِ دریا
۱۲۶

کھلایہ مر کر کہ زندگی اپنی تھی طلسم ہوس سراپا
جسے سمجھتے تھے جسم خالی غبار تھا تو بے آرزو کا

اگر کوئی شے نہیں ہے پنہاں تو کیوں سراپا تلاش میں
نگہ کو نظارے کی تمنا ہے، دل کو سووا ہے جستجو کا
چمن میں گلچیں سے غنچہ کہتا تھا، اتنا بیدار کیوں ہے انسان

ترمی نگاہوں میں تیرے بستم شکستہ ہونا مرے سب کو کا
ریاض ہستی کے ذرے ذرے سے ہے محبت کا جلوہ پیدا

حقیقتِ ظل کو تو جو سمجھے تو یہ بھی پمیاں ہے رنگ بو کا

تمام مضمون مرے پرانے، کلام میرا خطا سراپا

پنہر کوئی دیکھتا ہے مجھ میں تو عیب میرے عیب جو کا

پاس شرطِ ادب ہے ورنہ کرم ترا ہے ستم سے بڑھ کر

ذرا سا ال دل دیا ہے، وہ بھی فریب خور وہ ہے آرزو کا

کمالِ وحدت عیاں ہے ایسا کہ نوکِ نشتر سے تو جو چھیرے

یقین ہے مجھ کو لرے رگِ گل سے قطرہ انسان کے لٹو کا

۱۶۳
بانگِ درا
۱۶۴

کیا ہے تفسیر کا زمانہ، مجازت سفر اٹھاتے
ہوئی حقیقت ہی جب نمایاں تو کس کو یار ہے گفتگو کا

جو گھر سے اقبال دور ہوں میں، تو ہوں نہ محزون عزیز میرے
مشاغل کو ہر وطن کی فرقت کمال ہے سیرمی ابرو کا



چمکتی سیرمیں، بسلی میں آتش میں شہر میں
بلندی آسمانوں میں زمینوں میں تری پستی
شہریت کیوں گیاں گیسو ذوق تکلم کی
جو ہے بیدار نساں میں، وہ گہری غید سو تار کے
مجھے ٹھونکا ہے سوزِ قطرہ اشکِ محبت نے
نہیں جنسِ ثوابِ آخرت کی آرزو مجھ کو
سکون نا آشنا رہنا سے سامانِ ہستی سے

جھکتی ہی تیرا چاند میں، موج میں تارے میں
روانی بھر میں ہفتاد کی تیری کنارے میں
چھپا جاتا ہوں اپنے دل کا مطلب تارے میں
شجر میں مھول میں حواں میں شہر میں تارے میں
غضب کی آگ تھی پانی کے چھوٹے شہرے میں
وہ سو اگر ہوں میں نے نفع دیکھا ہے خسارے میں
تڑپ کس دل کی یار چھپ کے ابھی سے مارے میں

صدائے لہجہ انی سن کے اقبال میں چپ چپ

تقاضوں کی کہاں طاقت ہے مجھ فرقت کے مارے میں

۱۶۲
بانگے در
۱۶۸



یوں تو لے بزمِ جہاں بولکش تھے تنگام تر
 ال ذرا افسردگی تیرے تماشوں میں تھی
 پالسی آسودگی کوئے محبت میں وہ خال
 مدتوں آوارہ جو حکمت کے صحراؤں میں تھی
 کس قدر اے مجھے رسمِ حجاب آئی پسند
 پردہ انگور سے نکلی تو میناؤں میں تھی
 حُسن کی تاثیر پر غالب نہ آسکتا تھا علم
 اتنی نادانی جہاں سائے اناؤں میں تھی
 میں نے اے اقبال یوں میں اُسے ٹھونڈا
 بات جو سنڈستان کے ماہِ سیماؤں میں تھی



مثال پر تو مے طوفِ جام کرتے ہیں
 یہی نسا زاد ادا صبح و شام کرتے ہیں
 خصوصیت نہیں کچھ اس میں اے کلیم تری
 شجرِ حبر بھی خدا سے کلام کرتے ہیں
 نیا جہاں کوئی اے شمع اڑھو ٹیپے کہ یہاں
 ستم کشن تمشِ ناتم کرتے ہیں
 بھلی ہے ہم نفسو اس چمن میں خاموشی
 کہ خوشنواؤں کو پابندِ دام کرتے ہیں
 غرض نشا ہے شعلِ شراب سے جن کی
 حلال چیز کو یا حرام کرتے ہیں
 بھلا نبھی کی تری ہم سے کیونکر اے وعظما!
 کہ ہم تو رسمِ محبت کو عام کرتے ہیں

۱۶۵
 بانگِ درا
 ۱۲۹

الہی سے پیرانِ حق پرپوش میں کیا کہ ال نظ سے جانوں کو رام کرتے ہیں
 میں اُن کی محفلِ عشرت سے کانپ جاتا ہوں جو گھر کو بھونک کے دنیا میں نام کرتے ہیں
 پرے ہو وطنِ مازنی کے سید انوار! جہاز پر سے تمہیں ہم سلام کرتے ہیں

جو بے نماز کبھی پڑھتے ہیں سازِ اقبال
 بگائے دیر سے مجھ کو امام کرتے ہیں



مارچ ۱۹۰۶ء

زمانہ آیا ہے بے حسابی کا، عام ویدار یار ہوگا
 سکوت تھا پر وہ وار جس کا، وہ راز اب آشکار ہوگا
 گزر گیا اب وہ دور ساقی کہ چھپ کے پیتے تھے پینے والے
 بنے گا سارا جہان سخنانہ، ہر کوئی بانِ خوار ہوگا
 کبھی جو آوارہ جنوں تھے وہ بستیوں میں پھر آسیں گے
 برسرِ پائی وہی رہے گی، مگر نیا حن رزار ہوگا

۱۶۶
 باقی ہے در
 ۱۵۰

سنا دیا گوشن منتظر کو جب از کی خاشی نے آخر
جو عہد سہرا تیوں سے باندھا گیا تھا، پھر اُستوار ہو گا

نکل کے صحرا جسے رومالی سلطنت کو اٹھ دیا تھا

سنا ہے یہ قدسیوں میں نے وہ شیر پھر پو شیار ہو گا

کیا مرا تذکرہ جو ساقی نے بادہ خواروں کی انجمن میں

تو پیر حینانہ سن کے کہنے لگا کہ منہ پھٹ ہے خوار ہو گا

دیار مغرب کے رہنے والو! خدا کی بستی دکاں نہیں ہے

کھرا جسے تم سمجھ رہے ہو، وہ اب زبرِ کم عیار ہو گا

تمہاری تہذیب اپنے پنخبر سے آپ ہی خوشی کے کی

جو شاخ نازک پہ اشیانہ بنے گا، ناپا تدار ہو گا

سفینہ برکِ گل بنائے گا قافلہ سوزِ ناتواں کا

ہزار موجوں کی چوٹا کاشش مگر یہ دریا سے پار ہو گا

چمن میں لالہ دکھاتا پھرتا ہے داغ اپنا کلی کلی کو

یہ جانتا ہے کہ اس دکھاوے سے دل جلوں میں شمار ہو گا

۱۶۶
بانگِ درا
۱۵۱

جو ایک تھالے نگاہ ٹونے ہزار کر کے ہمیں دکھایا
 یہی کیفیت تیرے تیری تو پھر کے اعتبار ہوگا
 کہا جو قمری سے میں نے ان دن یہاں کے ازاد پائے گل میں
 تو غنچے کہنے لگے ہمارے چمن کا یہ راز وار ہوگا
 خدا کے عاشق تو ہیں ہزاروں بنوں میں پھرتے ہیں مارے
 میں اُس کا بند بنوں کا جس کو خدا کے بندوں سے پیار ہوگا
 یہ رسم بزم فنا ہے اے دل ابلت ہے جنبشِ نظر بھی
 رہے لی کیا آبرو ہماری جو تو یہاں بے قرار ہوگا
 میں ظلمتِ شب میں لے کے نکلوں گا اپنے در ماندہ کاروں کو
 شرفشاں ہوگی اہمیری نفسِ اشعلیہ بار ہوگا
 نہیں ہے غمیرا زانو و کچھ بھی جو مدعا تیری زندگی کا
 تو اے نفس میں جہاں سے مٹنا تجھے مثالِ شرار ہوگا
 نہ پوچھ قبیل کا ٹھکانا ابھی وہی کیفیت ہے اُس کی
 کہیں سدا گزار بھیج ستم کشنِ متفنن ہوگا

۱۶۸

بانگِ درا

۱۵۲

حصہ سوم

(۱۹۰۸ء سے)



۱۶۹
پانچویں حصہ
۱۵۳

عدد در حدیث
۱۴

(۱۲) سوزم دنی ز مجبورین تم رستگه به - درین در شمع پورا کشف هزار بندگی
پاک در او را رختن در پوزیکه زرم - فایده حکمت و حکم بر او در کز سر
رنگ بر او ز کرم خردم خردوار - تعلیم عامه را به کس مکتوت پر مدار
دکتر تر از آن بر رشت گشتی کفایت هم
مدینه مدینه کز نور حاکم باد

(۱۳) عزت و نام گویان از هم سر (اگر کز آن گم کردار بر بند از می)
بغیر مدینه هر چه در کس بیان نماز - لایحه حوائج بزرگ معذرت حجاز
نادر استی و پوزیکه زرم کرم - چینه دیکه جانشینان پیرانه خضم
چکای خجسته جمع ماس که کفتر ز به بی
و بنام خجسته رفته ان و فرخ به بی

(۱۴) سوزم غمناک و مجبور در کس مسیح هزار - چو چو چو چو چو چو چو چو چو
پیر و زرم غمناک بر نشان آری - ادویه سوزن و غیره در دوزان آری
دور در دیم زنده سیکر و سوزن - چکای کج مازد ایمه او کور
قرآن سوزن و پوزیکه زرم کرم
چکای کج مازد ایمه او کور



بانگه در
۱۵۲

بلا و اسلامیہ

سز میں دلی کی سجودِ دل عنہم دیدہ ہے ڈرتے ڈرتے میں لہو اسلاف کا خوابیدہ ہے
 پاک اس اُجڑے کُستار کی نہ پوئو نگرزیا خانقاہِ عظمتِ اسلام ہے یہ سز میں
 سوتے ہیں اس خال میں یہ لہام کے تاجدا نظمِ عالم کا راجن کی حکومت پر مدار

دل کو تڑپاتی ہے اب تک لرہیٰ نعل کی یاد

جل چکا حاصل مگر محفوظ ہے حاصل کی یاد

بے نیارت کا وہ سلم کہ جہاں آباد بھی اس کمر است کا لہر حق و اے بے بند را بھی
 یہ چمن وہ ہے کہ تھا جس کے لیے سامانِ ناز لاکھ لاکھ رہے کہتے ہیں تہذیبِ حجاز
 خال اس سببی کی پوئو نگر نہ ہمدوش نام جس نے دیکھے جانشینانِ پیہ کے قدم

جس کے گنچے تھے چمنِ سامان وہ گلشن ہے یہی

کانپتا تھا جن کے رومان ان کا دفن ہے یہی

ہے زمینِ قُطُب بھی دیدہٴ سلم کا نور
ظلمتِ مغرب میں جو روشن تھی مثلِ شمعِ طور
بُجھ کے بزمِ ملتِ بیضا پریشاں کر گئی
اور دیا تہذیبِ حاضر کا منہ زراں کر گئی

قبرِ اُس تہذیب کی یہ سرزمینِ پاک ہے
جس سے تالِ گلشنِ یورپ کی گلِ نم ناک ہے

نقطۂ قسطنطنیہ یعنی قصبہ کا دیا
مہدی اُمت کی سطوت کا نشانِ پدید
صوتِ خالِ حرمِ یہ سرزمین بھی پاک ہے
استانِ مندراتے شہِ لولاک ہے
نحستِ گل کی طرح پاکیزہ ہے اس کی ہوا
تربتِ ایوب انصاری سے آتی ہے صدا

اے سمانِ ملتِ اسلام کا دل ہے شیر
سیڑھوں صدیوں کی کشتِ خون کا حاصل ہے شیر

وہ زمیں ہے تو مگر اے خوابِ مُصطفیٰ
دید ہے کعبے کو تیری حجِ اکبر سوا
خاتمِ ہستی میں تو تاباں ہے مانندِ نجیب
اپنی عظمت کی ولادت گاہ تھی تیری زمیں
تجھ میں اُحتِ اس شہنشاہِ معظّم کو ملی
جس کے اہن میں امانِ قوامِ عالم کو ملی
نام لیا جس کے شاہِ منشاہِ عالم کے سوتے
جانشینِ قصیر کے وارثِ مسندِ حم کے سوتے
ہے اگر قومیتِ اسلامِ پابندِ مقام
ہندسی بنیاد ہے اس کی نہ فارس ہے نہ شام

۱۶۲
بانگِ صرا
۱۵۶

اے شریکِ دینِ مسلم کا تو ماوا ہے تو نقطہ جاؤب تاثر کی شعاعوں کا ہے تو

جب تک باقی ہے تو دنیا میں باقی ہم بھی ہیں

صبح ہے تو اس چمن میں گلِ شبنم بھی ہیں

ستارہ

قمر کا خوف کہ ہے خطرہ سحرِ تجھ کو
مبارک نور کے لٹ جانے کا ہے ڈر تجھ کو
ماںِ حسن کی کیا لگتی ہے خبر تجھ کو؟
ہے کیا ہر اس فنِ صورتِ شہرِ تجھ کو؟
زمین سے فوراً آسماں نے گھر تجھ کو
مشالِ ماہِ اڑھائی قبائے زر تجھ کو

غضب سے پھر تری ننھی سی جان ڈرتی ہے!

تمام رات تری کانپتے لڑتی ہے

چمکنے والے مسانے عجیب یہی ہے
اجل ہے لاکھوں ستاروں کی اک لاوتِ نمر
جو اوج ایک کانے دوسرے کی پستی ہے
فنائی یہ سندھ سے زندگی کی پستی ہے
وواعظِ چہر میں ہے از آفرینشِ گل
عدمِ عدم ہے کہ آئینہ آہِ پستی ہے!
سکونِ مجال ہے قدرت کے کاخانے میں
ثبات ایک تغیر کو ہے زمانے میں

دوستارے

اے جو قرآن میں دوستارے کہنے لگا ایک دوسرے سے

یہ وہی صلہ نام ہو تو کیا خوب انجام نہرام ہو تو کیا خوب

تھوڑا سا جو سبب بن فلک ہو

ہم دونوں کی ایک ہی چمک ہو

لیکن یہ وہی سال کی تمنا پیغام نہراق تھی سراپا

گردش تاروں کا ہے متدرجہ ایک کی راہ ہے مقصد

ہے خوابِ ثباتِ اشنائی

آئینِ جہاں کا ہے بُدائی

گورستانِ ساہی

آسمانِ بادل کا پتہ ہے قمرِ دیرینہ ہے کچھ عہدِ رسا جس میں ماہ کا آئینہ ہے

چاندنی چسپی ہے اس نظرِ خاموش میں صبحِ صبا تو سو رہی ہے رات کی اغوش میں

۱۴۲
باقی ہے در
۱۵۸

کس قدر اشجار کی حیرت فزا ہے خاشی بربطِ قدت کی دھیمی ہی نول ہے خاشی

باطن پر فزہ عالم سرا پا درو ہے

اور ناسوشی لبتی یہ آہ سُر ہے

آہِ جولاں کاہِ عالمِ غیر یعنی وہ حصار دوشن پر اپنے اٹھائے سیکڑوں صدیوں کا بابا
زندگی سے تھا کبھی سموا ب سنسان ہے یہ خموشی اس کے ہنگاموں کا گورستان ہے

اپنے سُگانِ نهن کی حال کا ولد اوہ ہے

کوہ کے سرِ پشالِ پاسبانِ ساو ہے

ابر کے رُزن سے وہ بالائے بامِ آسماں ناطعِ عالم ہے نجمِ بزمِ بامِ آسماں
خالِ بازمیِ سعادتِ دنیا کا ہے منظر اسے داستانِ کامی انساں کی ہے ازبر اسے
پہ ازل سے یہ فرسوتے منزلِ عارِ ہا آسماں سے نعتِ لابوں کا تاشا کھتا
گوسکوں مکن نہیں عالم میں خیرت کے لیے فاتحِ خوانی کو ٹھہرا ہے دم بھر کے لیے

زندِ آپ ندلی سے گلِ بدامن ہے زمیں

سیکڑوں خوں شتہ تہذیبوں کا دفن ہے زمیں

خواب کے شاہوں کی ہے یہ منزلِ حسرتِ فزا دیدہ عہدِ بختِ خراجِ اشکِ ظلموں کراوا

ہے تو لوگستان مگر یہ حال لڑوں پایہ ہے
 اہ اہاں بڑشتہ قسمت قوم کا سٹریہ ہے
 مقبروں کی شان حیرت آفریں ہے اس قدر
 جنشیں مڑگان سے ہے چشم تماشا کو حد

کیفیت ایسی ہے ناکامی کی اس تصویر میں

جو اثر سکتی نہیں آتی بدتخت میں

سوئے ہیں خاموشن آبادی پہنگاموں کے دور
 مضطرب لکھتی تھی جن کو سزوں سے نامسبور

قبر کی عظمت میں ہے ان فستابوں کی حمد
 جن کے دوزوں پہ رہتا تھا جب گس تر فلک

کیا یہی ہے ان شہنشاہوں کی عظمت کا مال
 جن کی تدبیر جہاں مانی سے ڈرتا تھا زوال

عجب فغفویٰ دنیا میں کہ شان قصیری
 مل نہیں سکتی غنیم موت کی پوش کس بھی

بادشاہوں کی بھی نشتِ عمر کا حاصل ہے لو

جادو عظمت کی لویا آخری منزل ہے لو

شورشِ نرم بکریا عمووی تقی بکریا
 دروہن دان جہاں کا مالہ شب بکریا

عصر پہ پیکار میں پنجام شمشیر بکریا
 خون لورمانے والے نعرے بکریا

اب کوئی آواز سوں کو جگا سکتی نہیں

سینہ سوراں میں جان فرست سکتی نہیں

۱۶۶
 بانگ سے در
 ۱۶۰

روح ہشت خال میں رحمت کش سداوے
کو چمرونے ہو جس دم نفس سداوے
زندگی انساں کی ہے مانس مرغ خوشنوا
شاخ پٹھیا کوئی دم چھپایا اڑ گیا
اہا لیا آئے ریاض و سر میں ہم لیا لے
زندگی کی شاخ سے ٹھوڑے کھسے، دھکے لے

موت ہر شاہ ولد کے خواب کی تعبیر ہے
اس قسم لہر کا ستم انصاف کی تصویر ہے

سلسلہ ہستی کا ہے انکس نرید انار
اور اس درمائیے بے پایاں کی جو بس میں نہا
اے جو سن ان خون کو ہے یہ زندگی بے اعتبار
یہ شرکے کا ستم یہ سر آتش سوا
چاند جو صورت گریستی کا ال اعجاز ہے
پہنے سیما بی قبہ محو نام ناز ہے
چرخ بے نجم کی ہشت نال وسعت میں مگر
بیکسی اس کی کوئی دیکھے فرا وقت سحر

اں فرسا ابر کا ٹکڑا ہے جو ہست تاب تھا
آخری آنسو ٹپک جانے میں جو بس کی فنا

زندگی اقوام کی بھی ہے یونہی بے عتبا
زلمائے فرست کی تصویر ہے ان کی بسا
اس زیاں خانے میں کوئی ملت گروں وقا
رہ نہیں سکتی ابد تک بار ووشن روز کا
اس قدر قوموں کی بربادی سے ہے خولر جہاں
دیکھتا ہے عتسانی سے ہے منظر حیران

ایک صوت پر نہیں سنا کسی شے کو قرا
ذوقِ جدت سے ہے ترکیبِ پنج روزگار

ہے مکینِ دیر کی زینت ہمیشہ نامِ نو

ماورِ کستی رہی استنِ اقوامِ نو

ہے ہزاروں قافلوں سے آشنایہ کوز
چشمِ کوہِ نور نے دیکھے ہیں کتنے تاجو

مصرِ بابل مٹ گئے، باقی نشان تک بھی یہ
دفترِ ہستی میں ان کی آستان تک بھی نہیں

ادبایا مسہریرانِ کج اس کی شام نے
عظمتِ یونانِ زو مالوٹ لی ایام نے

اے مسلم بھی زمانے سے یونہی رخصت ہوا

اسماں سے آراؤاری اٹھا برس گیا

ہے گلِ صبح کے اشکوں سے موتی کی لڑی
کوئی سوج کی کرنِ شبنم میں سے اُلجھی ہوئی

سینہ موریا شعاعوں کے لیے لہوار ہے
کس قدر پیارا لب جو مہر کا لطف ہے

مجزئیہ سے صنوبر جو بہار آئینہ ہے
غنچہ گل کے لیے با بہار آئینہ ہے

نعرہ زنِ رہی سے کہ تلِ باغ کے کاشانی میں
چشمِ انساں کے نہاں تپوں کے عزت خانے میں

اوبریلِ مطربِ رنگیں نوائے گلستاں
جس کے دم سے زندہ ہے گویا ہوائے گلستاں

عشق کے ہنگاموں کی اڑتی ہوئی تصویر ہے
خاتمہ قدرت کی کیسی شوخ تخیل ہے

۱۴۸

یاغیے دریا

۱۶۲

باغ میں خاموش جلسے طہستان زادوں کے ہیں
 داوی کہسار میں نعیرے شبان زادوں کے ہیں
 زندگی سے یہ پڑانا حال دامن مسور ہے
 موت میں بھی زندگانی کی تڑپ تور ہے
 چمکیاں بھولوں کی لرتی ہیں ان میں اس طرح
 دستِ طفلِ خفت سے رنگیں کھلونے جس طرح

اس نشا آباد میں جو عیش بے انداز ہے

ایک عیش یعنی غمِ ملت ہمیشہ تازہ ہے

دل ہمارے با عہدِ فرستے سے خالی نہیں
 اپنے شاہوں کو یہ امت بھولنے والی نہیں
 اشک باری کے بہانے ہیں یہ اجڑے بامِ در
 گریہ پیسہ سے بیابانے ہماری چشم
 دہر کو دیتے ہیں موتی دیدہ لریاں کے ہم
 آخری ماہول ہیں ال لڑے سوتے طوفان کے ہم
 ہیں ابھی صند ہانگرا سن کی آغوش میں
 برق ابھی باقی ہے اس کھیندہ خاموش میں
 داوی گل خالص کر لو بنا سکتا ہے یہ
 خواب کے تمیز و بھقاں کو جگا سکتا ہے یہ

ہو چکا کہ قوم کی شانِ جلالی کا ظہور

ہے مگر باقی ابھی شانِ جلالی کا ظہور



صبح نمود . صبح

چورسی نے زیرِ امانِ اُنشُق سے آشکا
 پانچکا فرصت درودِ فصلِ نخبم سے سپر
 آسماں نے آمدِ خورشید کی پاؤں خبر
 شعلہ خورشید کو یا حاصل اس کھیتی کا
 ہے و انِ نخبم صحیح عبادت خانے سے
 کیا سماں ہے جس طرح آہستہ آہستہ کوئی
 مطلع خورشید میں مضمونِ مضمونِ صبح
 ہے تہِ و امانِ باؤ استلاطِ ایشیہ صبح
 صبح یعنی خستہ روشیرہ لیل و نہا
 کشتِ خاور میں ہے آفتابِ تیسندہ کا
 محلِ پروازِ شب باندھا سرِ روشیرہ غبار
 بوترے تھے ہفتاں فرڈوں نے جو تاروں کے شرار
 سے سمجھے جانے کوئی عابدِ شب زندہ
 کھینچتا ہو میان کی ظلمت سے تیغِ آوار
 جیسے خلوت گاہ میں شرابِ خموش کو
 شورشِ ناقوسِ آوازِ اذان سے ہمکنار

جلے کوئل کی اذان کے طائرانِ سنج

ہے تو رقم ریزتِ انونِ سحر کا تارنا



۱۸۰
بانگِ ردا
۱۶۲

تضمین بر شمر انسی شاملو

ہمیشہ صوبت باو سحر آوارہ رہتا ہوں
 دل بیتاب جا پہنچا دیار سپین خبر میں
 محبت میں منزل سے بھی خوشتر جاوہ سپائی
 میسر ہے جہاں وہاں دروناشکیبائی
 ابھی ناشنائے لب تھا حرف آرزو میرا
 یہ مرقے سے صد آئی جسم کے چنے والوں کو
 ترا کے قیس کیونکر ہو گیا سوزوں ٹھنڈا
 کہ لیل میں تو میرا تک وہی انداز لیلیائی
 زمانے بھر میں سو اپنے تری فطرت کی نازائی
 گزشتہی ساز معسومہ نواہاتے کلیسائی
 دل شوید ہے لیکن صنم خانے کا سوائی
 پہونی ہے تربیت آعوش بیت اللہ میں تیری

”وفا انخواستی ازما بکار و گیراں کوی

ربووی کوہرے ازما نثار و گیراں کوی“



۱۸۱
بانگے دریا
۱۶۵

فلسفہ غم

(میاں فضل حسین صاحب بیرسٹریٹ لارڈ لائیکے نام)

گوسرا پانچ عشرت سے شربِ زندگی
اشک بھی رکھتے ہادہن میں سحابِ زندگی
موجِ غم پر قرض کرتا ہے جبابِ زندگی
ہے الم کا سُورہ بھی حُزبِ کتابِ زندگی

ایک بھی تپتی الرکم ہو تو وہ گل ہی نہیں
جو خزانِ ناویدہ ہو بیل وہ بیل ہی نہیں

ارتو کے خون سے رنگیں سے ہول کی استہا
نغمۂ انسانیت کامل نہیں یہ اترنغاں
دیدہ بنیامین داغِ غم چراغِ سینے سے
روح کو سامانِ زینت آہ کا آئینے سے
حادثاتِ غم سے ہے انساں کی فطرتِ کمال
خازن ہے آئینہ دل کے لیے لردِ ملا
غمِ جوانی کو جگا دیتا ہے لطفِ خواب سے
سازیبیدار ہوتا ہے اسی مضراب سے
ظاہرِ دل کے لیے غمِ شہیر پرواز سے
راز ہے انساں کا دل غمِ انکشافِ راز سے

غم نہیں غم، روح کا اک نغمۂ خاموش ہے
جو سُرورِ بربطِ ہستی سے ہم غمِ خوش ہے

۱۸۲
بانٹے رہا
۱۶۶

شام جس کی آشنائی نالہ یارب نہیں
جلوہ پیراجس کی شب میں اشک کے گولہ نہیں
جس کا جام دل شکستیم سے نہ آشنا
جس دست شاربشیں عشرت ہی ما
ہاتھ جس کھپیں کاپے محفوظ نول خار سے
عشق جس کا بے خبر ہے سحر کے آزار سے
گھٹتیم گرچہ اس روز شب سے دور ہے
زندگی کا راز اس کی آنکھ سے سوراہے

اے لڑکنیم سر کا اورا کے حاصل تجھے

کیون آساں جو غم اندوہ کی منزل تجھے

چاہدے کسے دورینہ کی تہیہ عشق
عقل انسانی ہے فانی زندہ جاوید عشق
عشق کے خورشید شام اہل شہر سے
عشق ہو زندگی ہے تا ابد پائند ہے
رخصت محسوس کا مقصد ہونا اگر
جوش اُفت بھی اے عاشق سے کر جاتا سفر
عشق کو محسوس کرنے سے مر جاتا نہیں
روح میں غم بن کے رہتا ہے مگر جاتا نہیں

چہ بے عشق سے پیدا بقا محبوب کی

زندگانی ہے علم نہ آشنا محسوس کی

آئی تہیہ حسیں کو ف سے گاتی ہوئی
اسماں کے طاروں کو نغمہ سکھاتی ہوئی
آئندہ روشن اس کا صوت رسا جو
گرے ادوی کی چٹانی پر چھو جاتا ہے چو

۱۸۲
بانٹنے سے در
۱۶۴

نہر جو تھی اس کو پھر پیسے پیسے بن گئے
 یعنی اس اُفتاد سے پانی کے تارے بن گئے
 جوئے سیاہ ان پھٹ کر پشان ہو گئی
 مضطرب بوندوں کی اک دنیا نمایاں ہو گئی
 بجز ان قطروں کو کہیں وصل کی تعلیم سے
 دو قدم پرچہ نہیں جو ہوش تار سے
 ایک صہیت میں ہے نہ سوانِ زندگی
 لڑکے رفتے سے ہجومِ نوعِ انساں بن گئی

پستی عالم میں ملنے کو جانتے ہیں ہم
 عارضی فرقت کو دائم جان کر روتے ہیں ہم

مرزے والے مرتے ہیں لیکن فوتے نہیں
 یہ حقیقت میں کبھی ہم سے جڑا ہوتے نہیں
 عقل جس دم دہر کی باغات میں محسوس ہو
 یا جوانی کی اندھیری رات میں ستو ہو
 وہن دل بن گیا ہوزم کا خیر و شر
 راہ کی خلعت سے ہو شکل سوئے منزل سفر
 خضر ہمت ہو گیا ہوا رنو سے گوشگیر
 فکرِ عجب خیز ہو اور خاموشی اور ضمیر
 واویستی میں کوئی ہم سے ترک بھی ہو
 جاوہِ کھلانے کو جلنے کا شرر تک بھی ہو

مرزے والوں کی جبیں روشن ہے اس ظلمات میں
 جس طرح تارے چمکتے ہیں اندھیری رات میں



پُھول کا تحفہ عطا ہونے پر

وہ مستِ نازِ گلشن میں جا سکتی ہے کھلی کھلی کی زبان سے دعا نکلتی ہے

”الہی! پھولوں میں وہ انتخاب مجھ کو کرے

کھلی سے رشکِ گلِ آفتاب مجھ کو کرے“

تجھے وہ شاخ سے توڑیں ازبے نصیبی تری تڑپتے رہ گئے گلزار میں رقیب تری

اٹھا کے صدرِ زلفِ وقتِ وصال تک پہنچا تری حیات کا جو ہر کمال تک پہنچا

مرا کنول کہ تصدق میں حسنِ سچ اہل نظر مے شباب کے گلشن کو ناز ہے جس بچ

کبھی یہ پُھول ہم اغوشِ عشقِ عسانہ ہوا کسی کے دہنِ رنگیں سے آشنا نہ ہوا

شگفتہ لڑنے سے لی کبھی ہر بار سے

فسرہ رکھتے گلچیں کا ہنر سے



۱۸۵

بانگِ درا

۱۶۹

ترانہ ملی

چین و عرب ہمارا ہندوستان ہمارا
 مسلم ہیں ہم وطن ہے سارا جہان ہمارا
 توحید کی امانت سینوں میں ہے ہمارے
 آسمان نہیں مٹانا نام و نشان ہمارا
 دنیا کے بت کدوں میں پہلا وہ گھر خدا کا
 ہم اس کے پاسباں ہیں وہ پاسباں ہمارا
 تیغوں کے سلسلے میں ہم مل کر جواں ہوتے ہیں
 خنجر ملال کا ہے قومی نشان ہمارا
 مغرب کی ادویوں میں گونجی اذان ہماری
 تھمتانہ تھا کسی سے سیل رواں ہمارا
 باطل سے دہنے والے اے آسمان نہیں ہم
 سو بار کر چکا ہے تو آتھماں ہمارا
 اے گلستانِ اندلس! وہ دن ہیں یا تجھ کو
 تھا تیری ڈالیوں پر جب اشیاں ہمارا
 اے موجِ جبلت! تو بھی پہچانتی ہے ہم کو
 اب تک ہے تیرا دریا افسانہ خواں ہمارا
 اے ارضِ پاک! تیری حرمت پر کھٹکے ہم
 ہے خون تیری گلوں میں اب تک واں ہمارا
 سالارِ کارواں ہے میرے حجاز اپنا
 اس نام سے ہے باقی آرامِ جاں ہمارا

اقبال کا ترانہ بانگِ درا ہے گویا

ہوتا ہے جاوہرِ پیمائش کا رواں ہمارا

۱۸۶
 بانگِ درا
 ۱۶۰

وطنیت

(یعنی وطن بحیثیت ایک سیاسی تصویق کے)

اس دور میں کے اور بچے عالم اور ہے جسم اور ساقی نے بنالی روشن لطف و ستم اور
مسلم نے بھی تعمیر کیا اپنا جسم اور تہذیب کے آزر نے رشوائے جسم اور

ان بازہ خداؤں میں سب سے وطن ہے

جو پیر میں اس کا ہے وہ مذہب کا کفن ہے

یہ بت کہ ترشید تہذیب نفی ہے غارت گر کاشا ز دین نبوی ہے
باز و ترا توحید کی قوت سے قوی ہے اسلام ترا دین سے تو مصطفوی ہے

نظارہ ویرینہ زمانے کو دکھانے

اصطفاوی خال میں اس بت کو بلا دیا

ہو قید ہستی تو نتیجہ ہے تباہی رہ جسم میں آزاد وطن صورت ہا ہی
ہے ترک وطن سنت محبوب الہی دے تو بھی نبوت کی صداقت سے پوہا ہی

گنہگار سیاست میں وطن اور ہی کچھ ہے

ارشاد نبوت میں وطن اور ہی کچھ ہے

اقوام جہاں میں ہے قابت تو اسی کے

تسخیر ہے مقصود تجارت تو اسی کے

اقوام میں محسوس خدائیتی ہے اس کے

قوتیت اسلام کی جڑ لگتی ہے اس کے

ایک حاجی مدینے کے راستے میں

قافلہ لوٹا گیا صحرا میں اور منزل ہے دور
اس بیابان یعنی بحر خشک کا ساحل ہے دور

ہم سفر میرے شکار و شہنشاہ رہزن ہوتے
بچ گئے جو لوگ بے دل سوئے بیت اللہ پھر کے

اس بخاری نوجوان نے کس خوشی سے جان دی
موت کے زہر اب میں پاتی ہے اس نے زندگی

خضر رہزن اُسے گویا ہلال عید تھا
ہاتے شربِ دل میں لب پر نعرہ توحید تھا

خوف کہتا ہے کہ شرب کی طرف تنہا نہ چل
شوق کہتا ہے کہ تو مسلم ہے بے باکانہ چل

بے یارت سوئے بیت اللہ پھر جاؤں گا کیا
عاشقوں کو روزِ محشر منہ نہ دکھلاؤں گا کیا

۱۸۸

بانگِ رسا

۱۴۲

خوفِ جان لکھتا نہیں کچھ وشت پیمانے حجاز
 ہجرتِ مدفون شریب میں یہی مخفی ہے از
 گو سلامت محلِ شامی کی ہیرا ہی میں ہے
 عشق کی لذت مگر خطروں کی جان کا ہی میں ہے
 اہ! یہ سہل زبیاں انہیں کیا چالاک ہے
 اور تاثر آدمی کا کس قدر بے باک ہے

قطعہ

کل ایک شوریدہ خواب گاہِ نبیؐ پر رو کے لہ رہا تھا
 کہ مصر و ہندوستان کے مسلم بناتے ملتِ ہمارے ہیں
 یہ زائرانِ حرمِ مغرب ہزار ہا برس نہیں ہمارے
 ہمیں جس بلا ان سے اسطے کیا جو تجھ سے سنا سنا ہے ہیں
 غضب ہیں یہ مُرشدانِ خود ہیں خداتری قوم کو بچائے!
 بگاڑ کر تریسے مسلمانوں کو یہ اپنی عزت بنا رہے ہیں
 نئے کا قبائل کون ان کو یہ نجس ناپی بدل گئی ہے
 نئے زمانے میں آپؐ کو پرانی باتیں سنا رہے ہیں!

۱۸۹
 بانگِ درا
 ۱۴۳

شکوہ

کیوں یاں کاربنوں سو دفراموش رہوں فکر نہ کرانہ کروں مجو نعم ووشس رہوں
نارے بلبل کے سنوں اور ہمتہ تن گوشس رہوں ہم نوا میں بھی کونگی گل ہوں کہ خاموش رہوں

جرات آموز مری تاب سخن ہے مجھ کو

شکوہ اللہ سے خاتم بدہن ہے مجھ کو

ہے جب شیوہ تسلیم میں شہور ہیں ہم قصہ درد سناتے ہیں کہ مجبور ہیں ہم

ساز خاموش ہیں فریاد سے سہور ہیں ہم نالہ آتا ہے اگر لب پہ تو معذور ہیں ہم

اے خدا! شکوہ اربابِ وفا بھی سن لے

خوار جس سے تھوڑا سا بڑھا بھی سن لے

تھی تو موجود ازل سے ہی تیری اسے قدیم

شرط انصاف ہے اے صاحبِ الطافِ عمیم

پھول تھارے ہیں پر نہ پریشان تھی شمیم

بوتے گل پھینکی طس رح جو ہوتی نہ نسیم

140
بانگِ درا
142

ہم کو جمعیتِ خاطر یہ پریشانی تھی
ورنہ امتِ محمدیؐ کی دیوانی تھی؟

ہم سے پہلے تھا عجیبے تر جہاں کا منظر
کہیں مسجد تھی پتھر کی کہیں مسجد شجر
خول پر پیکر محسوس تھی انساں کی نظر
مانت سا پھر کوئی اُن دیکھے حنڈا کو لیونڈر

تجھ کو معلوم ہے لیتا تھا کوئی نام ترا؟
قوتِ بازوئے مسلم نے کیا کام ترا

بس ہے تھے یہیں سلجوق بھی تورانی بھی
اہلِ چینِ حسین میں ایران میں ساسانی بھی
اسی سوسے میں آباد تھے یونانی بھی
اسی دنیا میں یہودی بھی تھے نصرانی بھی

پر ترے نام پہ تلوار اٹھائی کس نے
بات جو بڑھی ہوئی تھی وہ بنائی کس نے

تھے ہمیں ایکے سے کہہ آراؤں میں
خشکیوں میں کبھی لڑتے کبھی دریاؤں میں
دیں اذانیں کبھی یورپ کے کلیساؤں میں
کبھی افریقہ کے تپتے پتے صحراؤں میں

شانِ آنکھوں میں نہ چھتی تھی جہاں داروں کی
کلمہ پڑھتے تھے ہم چھاؤں میں تلواروں کی

ہم جو جیتے تھے تو جنگوں کی مصیبت کے لیے اور مرتے تھے ترے نام کی عظمت کے لیے
 تھی کچھ تیغ زنی اپنی حکومت کے لیے سر بھرتے تھے کیا وہ ہیں دولت کے لیے؟

قوم اپنی جو زر و مال جہاں پر مرتی
 بت فروشی کے عوض بت شکنی کیوں کرتی

تل نہ سکتے تھے الرجناب میں اڑ جاتے تھے پاؤں شیروں کے بھی میدان سے گھڑ جاتے تھے
 تجھ سے سرکش ہو کوئی تو بگڑ جاتے تھے تیغ کیا چیز ہے ہم تو پے سے لڑ جاتے تھے

نقش توحید کا ہر دل پہ بٹھایا ہم نے

زیرِ خیمہ بھی یہ پیام سنایا ہم نے

توہی کہوے کہ اٹھاڑا اور خیمہ کس نے شہرِ قصیر کا جو تھا اس کو کیا سر کس نے
 توڑے مخلوق خداوندوں کے پیکر کس نے کاٹ کر رکھ دیے گنار کے لشکر کس نے

کس نے ٹھنڈا لیا آتشِ کدہ ایران کو؟

کس نے پھر زندہ کیا تذکرہ یزداں کو؟

کون سی قوم فقط تیری طلب گار ہوئی اور تیرے لیے زحمت کشں بیکار ہوئی
 کس کی شمشیر جہاں گئیں جہاں دار ہوئی کس کی تکبیر سے دنیا تری بیدار ہوئی

کس کی بیعتِ صنم سے ہوتے رہتے تھے
منہ کے بل کر کے ہوا اللہ احد کے کہتے تھے

اگیا عین لڑائی میں اگر وقت نماز
قبلہ ہو کے زمیں بوسجائی قوم حجاز
ایک ہی صف میں کھڑے ہوئے محمود و ایاز
نہ کوئی بندہ رہا اور نہ کوئی بندہ نواز

بندہ و صاحب محتاج و غنی ایک ہوتے

تیری سرکار میں پہنچے تو سبھی ایک ہوتے

مخمل کون و مکان میں سحر شام چھے
مے توحید کو لے کر صفتِ جام پھر
کوہ میں دشت میں لے کر ترا پیغام چھے
اور سلو مے تجھ کو کبھی ناکام پھر!

دشت تو دشت ہیں دریا بھی نہ چھوٹے ہم نے

بھڑکلات میں ڈرا دیے گھوٹے ہم نے

صفحہ دہر سے باطل کو مٹایا ہم نے
نوع انسان کو غلامی سے چھڑایا ہم نے

تیرے کعبے کو جبینوں سے بسایا ہم نے
تیرے قرآن کو سینوں سے گھایا ہم نے

پھر بھی ہم سے یہ گلہ ہے کہ وفادار نہیں

ہم وفادار نہیں تو بھی تو ولدِ انہیں!

امتیں اور بھی ہیں ان میں گناہ بھی ہیں
عجز والے بھی ہیں مست مے پندار بھی ہیں
ان میں قابل بھی ہیں غافل بھی ہیں شیار بھی ہیں
سیکڑوں ہیں کہ تم سے نام سے سزا بھی ہیں

رحمتیں ہیں تم ہی اغیار کے کاشانوں پر

برق لرتی ہے تو بیچارے مسلمانوں پر

بت صہنم خانوں میں کہتے ہیں مسلمان گئے
ہے خوشی ان لوگوں کے سب کے نگہبان گئے
منزل پر سے اونٹوں کے حدی جوان گئے
اپنی بعلوں میں دبا رہتے سوت آن گئے

خندہ زن کفر ہے احساس تجھے ہے کہ نہیں

اپنی توحید کا کچھ پاس تجھے ہے کہ نہیں

یہ شکیات نہیں ہیں ان کے خزانے مہمور
نہیں محسنل میں جنہیں بات بھی کرنے کا شہور
قہر تو یہ ہے کہ کافر کو ملیں جو رقصہ
اور یہ ہے کہ مسلمانوں کو فقط وعدہ حور

اب وہ الطاف نہیں ہم پر عنایات نہیں

بات یہ کی ہے کہ پہلی سحر ارات نہیں

کیوں مسلمانوں میں ہے دولت دنیا مایا
تیری قدرت تو ہے جس کی نہ حد ہے شہاب

تو جو چاہے تو اٹھے سینہ صحرا سے جباب
رہو دوست ہو سیلی زور موج سراب

۱۹۲

باقی ہے در

۱۷۸

طعنِ انخیار ہے رسوائی ہے ناوارمی ہے

کیا ترے نام پر مرنے کا عوض خواہی ہے؟

بنی انخیار کی اب چاہنے والی دنیا رہ گئی اپنے لیے ایک خیالی دنیا

ہم تو رخصت ہوئے اوروں نے سنبھالی دنیا پھر نہ کہنا ہوئی توحید کے حسالی دنیا

ہم تو جیتے ہیں کہ دنیا میں انام ہے

کہیں ممکن ہے کہ ساقی نہ ہے جام ہے!

تیری محفل بھی گئی چاہنے والے بھی گئے شب کی اہیں بھی تین صبح کے نالے بھی گئے

دل تجھے بے بھی گئے اپنا صلا بھی گئے آگے بیٹھے بھی نہ تھے اور نکالے بھی گئے

سہرے عشاق گئے وعدہ منڈالے کر

اب انھیں ٹھونڈ چرائی رخ زیبائے کر

درویشی بھی ہوئی قیس کا پہلو بھی ہوئی نجد کے دشت و جبل میں ہم آہو بھی ہوئی

عشق کا دل بھی ہوئی حسن کا جادو بھی ہوئی امت احمد مرسل بھی ہوئی، تو بھی ہوئی

پھر یہ از روئی غیب کیا معنی

اپنے شیداؤں پر یہ چشم غضب کیا معنی

تجھ کو چھوڑا کہ رسولِ عربی کو چھوڑا؟
بت گری پیشہ کیا، بت شکنی کو چھوڑا؟
عشق کو، عشق کی آشفتم سرخی کو چھوڑا؟
ہم سلمانِ واویس قرنی کو چھوڑا؟

اگل تجیر کی سینوں میں بی سکتے ہیں
زندگی مشکلِ بلالِ حبشی رکھتے ہیں

عشق کی خیر وہ پسلی سی اور ابھی نہ سی
جادو سپیائی تسلیم ضرب ابھی نہ سی
مضطربِ دل صفتِ قبلہ نہ ابھی نہ سی
اور پابندی آئینِ وفا ابھی نہ سی

کبھی ہم سے کبھی غیروں سے شناسائی ہے
بات کہنے کی نہیں تو بھی تو ہر جانی ہے

سرفساراں یہ کیا دین کو کمال تو نے
اک لٹکے میں ہزاروں کے لیے دل تو نے
آتش اندوز کیا عشق کا حاصل تو نے
نچونک دی گری خسار سے حاصل تو نے

آج کیوں سینے پر شہِ آباد نہیں
ہم وہی سوختہ سماں ہیں تجھے یاد نہیں؟

واوی نخب بد میں وہ شورِ سلاسل نہ رہا
قیس دیوانہ نظارہ مجھ سے نہ رہا
وصلے وہ نہ رہے ہم نہ رہے دل نہ رہا
گھر یہ جھڑپ ہے کہ تُو رونقِ محفل نہ رہا

۱۹۶
بانٹے را
۱۸۰

اے خوش آن روزگاری بصب نماز آئی

بے حجابانہ سوتے محفل بازار آئی

باوہ شش غیر پیشن میں لب جھٹھے سنتے ہیں حجاب کلف نعت کھو کو جھٹھے

دور ہنگامہ کلزار سے یک سو جھٹھے تیرے دیوانے بھی ہیں منتظر تھو جھٹھے

اپنے پروانوں کو پھر ذوق خود افروزی دے

برق ویرینہ کو فرمان جگر سوزی دے

قوم آوارہ عثمان تائبے پھر سوتے حجاز لے اڑا بے سبیل بے پر کو مذاق پرواز

مضطرب باغ کے سر غنچے میں ٹوٹے نیا ٹوڑا چھیر تو تے تیشہ مضر اب سے ہماز

نغمے بیتاب ہیں تاروں سے نکلنے کے لیے

طور مضطر ہے اسی آگ میں جلنے کے لیے

مشکلین امت سے مرعوم کی آساں کرے موبے باریہ کو ہمدوشیں سلیمان کرے

جنس ناماں محبت کو پھر از ان کرے ہند کے ویریشینوں کو مسلمان کرے

جوتے خوں می چکد از حسرت ویرینہ ما

می تپد مالہ زبشترکہ سینہ ما

بُوئے گل لے گئی برون چمن از چمن کیا قیامت کے کہ خود مچھول ہیں غماز چمن!
 عمدہ گل حاتم سوا ٹوٹ گیا ساز چمن اڑ گئے ڈالیوں سے زمزمہ پر از چمن

ایسا سبیل ہے کہ ہے مجھ تو تم تک
 اس کے سینے میں ہے نغموں کا تلاطم تک

قمریاں شاخ صنوبر سے گریزاں بھی نہیں پتیاں مچھول کی جھڑ جھڑ کے پتیاں بھی نہیں
 وہ پرانی روشیں مانع کی ویراں بھی ہوئیں ڈالیاں سپرین برگ کے عماراں بھی نہیں

قید موسم سے طبیعت رہی آزاد اس کی
 کاش گلشن میں سمجھت کوئی فرماو اس کی!

لطف مرنے میں ہے باقی نہ مزا بیٹھنے میں کچھ مزا ہے تو یہی خون جسکے پیٹنے میں
 کتنے بے تاب ہیں جو ہر مرے آئینے میں کس قدر جلوے تڑپتے ہیں مرے سینے میں

اس گلستاں میں مگر دیکھنے والے ہی نہیں
 داغ جو سینے میں رکھتے ہوں وہ لالے ہی نہیں

چاک اسن بیل تنہا کی نوا سے دل ہوں جاگنے والے اسی بانگِ درائے دل ہوں
 یعنی پھر زندہ نئے عہدِ وفا سے دل ہوں پھر اسی باوہ ویرنیہ کے پیسے دل ہوں

عجیبی سے کہیں تو کیا ہے تو حجازی ہے مری
نغمہ ہندی سے کہیں تو کیا ہے تو حجازی ہے مری!

چاند

اے چاند جس نے فطرت کی آبرو ہے
یہ داغ سا جو کیسے کیسے میں سے نمایاں
طوفِ صمیم خالی تیرے قدیم جو ہے
عاشق ہے تو کسی کا یہ داغ آرزو ہے؟
میں مضطرب نہ رہیں، بیتاب تو فلک پہ
تجھ کو بھی جستجو ہے مجھ کو بھی جستجو ہے

انساں ہے شمع جس کی کھنسل وہی ہے تیری؟

جس طرف وہ انجان منزل وہی ہے تیری؟

تُو ڈھونڈتا ہے جس کو تاروں کی خاشی میں
استادہ سحر میں ہے سبزے میں سحر ہے
پوشیدہ ہے وہ شاید غوغائے زندگی میں
بُلبُل میں نغمہ زین ہے خابوش سے کل میں
آب میں تجھے دکھاؤں سُخار روشن اس کا
نہروں کے آئنے میں شبنم کی آرسی میں

صحرا و دشت و دریاں کُھسار میں وہی ہے

انساں کے دل میں تیرے سُخار میں وہی ہے

رات اور شاعر

(۱)

رات

کیوں میری چاندنی میں بھرتا ہے تو پریشاں
تاروں کے موتیوں کا شاید ہے جو ہری تو
یا تو مری جس میں کا تارا لرا ہوا ہے
خاموشی ہو گیا ہے تار ربا بستی
دریا کی تہ میں چشم لڑا بسوگتی ہے
بستی زمیں کی کیسی سنگار آفریں ہے
خاموشی صورت گل مانند تو پریشاں
پھلی ہے کوئی میرے ریتے نور کی تو
رفت کو چھوڑ کر جو بستی میں جا گیا ہے
میرے آئنے میں تصویر خواہ بستی
ساحل سے گاکے موج بیتا بسوگتی ہے
یوں سوگتی ہے جیسے آبا و ہوی نہیں ہے

شعر کا دل ہے لیکن نا آشنا سوں سے

ازاد رہ گیا تو کیونکر مے فسوں سے؟

(۲)

شاعر

میں ترے چاند کی گھسی میں لہر بوتا ہوں
چھپ کے انسانوں سے مانند سحر روتا ہوں

دن کی شورش میں نکلتے ہوئے گھبراتے ہیں
 مجھ میں فریاد جو نہیاں ہے سناؤں کس کو
 غزلتِ شب میں مرے اشک ٹپک جاتے ہیں
 تپشِ شوق کا نظارہ دکھاؤں کس کو
 برقِ امین کے سینے پہ پڑی ہوتی ہے
 دیکھنے والی ہے جو آنکھ کھسا سوتی ہے!
 صفتِ شمع لحدِ مردہ ہے محفلِ میری
 آہائے اتا بڑی فورے منہ نزلِ میری
 عمدِ حاضر کی ہوا اس نہیں ہے اس کو
 اپنے نقصان کا احساس نہیں ہے اس کو

ضبطِ پیغامِ محبت سے لکھ براتا ہوں
 تیرے تائبندہ ستاروں کو سنا جاتا ہوں

نخ

سُوج نے جاتے جاتے شامِ سیاہ کو
 پہنا دیا شفق نے سونے کا سارا زیور
 طشتِ اُفت سے لے کر لالے کے ٹھول مارے
 قدرت نے اپنے گہنے چاندی کے سب اُتارے
 چمکے عروں شب کے موتی وہ پیارے پیارے
 محل میں حنا مٹی کے لیلے مٹلتی آتی
 کہتا ہے جن کو نساں اپنی زباں میں تارے
 وہ دُور رہنے والے ہنگامہ جہاں سے

مخوفانہ موزمی تھی اس بن فلک کی

عرش بنیں سے انی او ازال ملک کی

اے شے کے پاس انو اے آسماں کے تارو! تابندہ قوم ساری کڑوں شیں تمھاری

چھڑو سر و ایسا جال اٹھیں سونے والے ریسرے قافلوں کی تاجبیں تمھاری

ایسے قسمتوں کے تم کو یہ جانتے ہیں شاید سنیں صدائیں اہل زمین تمھاری

رخصت ہوئی خموشی تاروں بھری فضا سے

وسعت تھی آسماں کی مہر اس نواسے

”حسن ازل ہے پیدا تاروں کی دلبری میں جس طرح عکس گل بچہ شبنم کی آرسی میں

امین نو سے ڈرنا طسز کٹھن پہ اڑنا منزل یہی کٹھن ہے قوموں کی زندگی میں

یہ کاروان ہستی ہے تیرے کام ایسا قومیں لٹلی ہیں جس کی واروی میں

انگھوں سے ہماری غائب ہزاروں خیم داخل ہیں وہ بھی لیکن اپنی برادری میں

اک عسمرین نہ سمجھے اس کو زمین والے جو بات پالتے ہم تھوڑی سی زندگی میں

ہیں جذب باہمی سے قائم لطف نام سارے

پوشیدہ ہے یہ نکتہ تاروں کی زندگی میں

۲۰۲
بانگِ درا
۱۸۶

سیرِ فلک

تھا تختِ شیل جو ہم سہ میرا آسماں پر پوا گزر میرا
اڑتا جاتا تھا اور نہ تھا کوئی جاننے والا چرخ پر میرا
تارِ حیرت دیکھتے تھے مجھے رازِ سرِ بستہ تھا سفر میرا

حلقہٴ صبح و شام سے نکلا

اس پرانے نظام سے نکلا

کیا سناؤں تمہیں ارم کیا ہے خاتمِ آرزو تے دیدہ و گوش
شاخِ طوبیٰ پندرہ ریزِ طیبو بے حجب بانہ خور جلوہ فروش
ساقیانِ بیل جامِ بدست پینے والوں میں شورِ نوشا نوش
دو جنت کے سنگھ نے بھیجا ایک تارِ یک خانہ ہر دو جنسوش
طالعِ قیس کیسے کیسے لیلی اُس کی تارِ کیسوں کے پوش بدوش
خُنگ ایسا کہ جس شکر گزہ ز مہر پر پوز و پوش
میں نے پوچھی جو کیفیت اُس کی حیرت انگیز تھا جوابِ سروش

۲۰۳
بانڈے در
۱۸۴

یہ تمام خرابیاں تمہارے
نارے نور سے تھی آغوش
شعلے ہوتے ہیں ستار اس کے
جن سے لڑناں میں مر عبرت کوش

اہل دنیا یہاں جو آتے ہیں
اپنے انکار ساتھ لاتے ہیں

نصیحت

میں نے اقبال سے ازراہ نصیحت یہ کہا
عالم روزہ ہے تو اور نہ پاسد نماز
تو بھی ہے شیوہ اربابِ ایمان کامل
دل میں لندن کی ہوئے لب پہ ترے کرجا
جھوٹ بھی مصلحت امیر نر تر ہو تا
تیرا انداز تسنن بھی سراپا اعجاب
ختم تفتیر تری مدحت سے کار یہ ہے
پالسی بھی تری چپیدہ از زلف ایاز
در حکام بھی ہے تجھ کو ستم محمود
پر وہ خدمت میں ہو جس جاہ کراز
اور لوگوں کی طرح تو بھی چھپا سکتا ہے
اثر و عطر سے ہوتی ہے طبیعت بھی لہاز
نظر اجالتے مسجد میں بھی تو عید کے دن
چھٹیر نا فرض ہے جن پر تری تشہیر کاساز
دست پر درتے ملک کے اخبار بھی ہیں

۲۰۲

بانگِ درا

۱۸۸

اس پر پڑتا ہے کہ تو شعر بھی کہہ سکتا ہے
تیری مینائے سخن میں ہے شرابِ شیراز
جتنے اوصاف ہیں لٹکائے وہ ہیں تجھ میں سبھی
تجھ کو لازم ہے کہ سو اٹھکے شریکِ تک و تان
غمِ سیاہ نہیں اور پر بال بھی ہیں
پھر سب کیا ہے نہیں تجھ کو دماغِ پرواز

”عاقبت منزلِ ناوادیِ خاموشان است
حالیٰ غلغلا در کلبہٴ اسلال اندا“

رام

لبریز ہے شرابِ حقیقت سے جاگ بوند
سب لسنی ہوئی خطہٴ مغرب کے رام بوند
یہ ہند یوں کے فلکِ فلک رس کا ہے اثر
رفت میں آسماں سے بھی اونچا ہے جا بوند
اس دس میں جوتے ہیں نزاروں ملکِ شہرت
مشہور جن کے نام سے ہے دنیا میں نام بوند
ہے ام کے جو وہ ہندوستان کو ناز
ایل نطن سب سمجھتے ہیں اس کو امام بوند
اعجازِ انس چراغِ ہدایت کا ہے یہی
روشن تر از سحر ہے زمانے میں شام بوند

تلوار کا وحشی تھا شجاعت میں فرد تھا
پاکیزگی میں جو شس محبت میں فرد تھا

موٹر

کیسی پتے کی بات جھگڑنے کے کل لہی
 ہنگامہ آفس میں نہیں اس کا خراب نام
 میں نے کہا نہیں ہے یہ موٹر یہ منحصر
 ہے پاشنک تیشو فریڈ سے جس
 مینا مدام شورش قلمشیل سے پانگل
 شاعر کے فکر کو پر پروازت مٹی
 موٹر ہے ذوالفقار علی خاں کا کیا خموش
 مانند برق تیز ہمال ہوا خموش
 ہے جاوہ حیات میں ہر تیز پا خموش
 نکمت کا کارواں ہے شمال صبا خموش
 لیکن مزاج جہاں حرم آشنا خموش
 ستر یہ وار گرمی آواز حفا مٹی!

انسان

منظر چمنستان کے زیبا ہوں کم نازیا
 رفتار کی لذت کا احساس نہیں اس کو
 محروم عمل نرس مجبور تماشا ہے
 فطرت ہی صنوبر کی محروم تماشا ہے
 تسلیم کی خاک ہے جو چیز ہے دنیا میں
 انسان کی ہر قوت سرگرم تقاضا ہے
 اس فتنے کو رہتی ہے وسعت کی ہر مٹم
 یہ ذرہ نہیں شاپیٹا ہوا سہرا ہے

چاہے تو بدل ڈالے سمیت چمنستان کی

یہ ہستی و انانے بیٹنا ہے تو انانے

۲۰۶
 بانگِ درا
 ۱۹۰

خطابہ جوانانِ اسلام

کبھی اے جوانِ مسلم! تدبیر بھی کیا تو نے
 تجھے اس قوم نے پالا ہے انوشِ محبت میں
 تمدنِ انسانی حقائقِ انہیں داری
 سماں شرفِ فخری کا رہا شانِ امارت میں
 گدائی میں بھی اللہ والے تھے غمور اتنے
 غرض میں کیا ہوں تجھ سے کہ صحرانِ شین کھاتے
 اگر چاہوں تو نقشہ کھینچ کر الفاظ میں لکھ دوں
 تجھے آبا سے اپنے کوئی نسبت ہو نہیں سکتی
 گنواؤ ہی سہم جو اسلاف کی میراث پائی تھی
 حکومت کا تو کیا زمانہ وہاں عارضی ہے تھی
 مگر وہ علم کے موتی نکلتے ہیں ابابلی
 ”غنی روزیہ پیر عیساں اتما ساکن“
 وہ کیا کروں تھا تو جس کا ہے ال ٹوٹا ہوا تارا
 کچھ ڈالا تھا جس کا پوں میں تاجِ سردارا
 وہ صحرائے عرب یعنی شتر بانوں کا گھورا
 ”باب رنگِ خالِ خطِ چہ چہ تُو نے زیبارا“
 کہ منعم لو لدا کے ڈرنے شش کا نہ تھا یارا
 جہاں جہاں اور جہاں مان و جہاں آرا
 مگر یہی تختِ سیلِ فزونی ہے وہ نظارا
 کہ تو کلفتِ روہ کو از تو ثابت ہو سیتا
 تریکے زینے میں بچ آسماں نے ہم کو دے مارا
 نہیں دنیا کے آئینِ ستم سے کوئی چپا
 جو پھیس ان یوپی میں تو دل ہوتا ہے سیپا
 کہ نو ریڈ اسوشن کنڈ چشم زینجارا“

۲۰۴

بانڈے دریا

۱۹۱

غزوة شوال

یا

مِلالِ عید

غزوة شوال اے نورنگاہِ روزہ دار
 تیری پیشانی پہ تحریرِ پیامِ عید ہے
 اگر تھے تیرے لیے مسلم سرِ پاپا انتظار
 شام تیری کیا ہے صبحِ عیش کی تمہید ہے
 اے مہِ نوابِ ہم کو تجھ سے اُلفتِ یریز ہے
 سرِ زشتِ ملتِ بیضا کا تو آئینہ ہے
 دشمنوں کے خون سے رنگیں قباہتے تھے ہم
 جس علم کے رسائے میں تیغ آزماتے تھے ہم
 حُسنِ روزِ افروز سے تیرے آبر و ملت کی ہے
 تیری قسمت میں ہم غمِ غموشی اسی آیت کی ہے
 ہے محبتِ خیز یہ پیرِ اہلِ سیمیں ترا
 آشنا پر ہے قومِ اپنی و فانا آئیں ترا

اوجِ کدوؤں سے ادنیٰ کی بستی دیکھ لے
 اپنی رفعت سے ہر گھر کی بستی دیکھ لے

۲۰۸
 بانگِ درا
 ۱۹۲

قافلے دیکھ اور ان کی برق رفتاری بھی دیکھ
 دیکھ کر تجھ کو اُفق پر ہم لٹاتے تھے لہر
 فرقہ آرائی کی زنجیروں میں میں مسلم ایسے
 دیکھ مسجد میں شکستِ رشتہ تبسبح شیخ
 کافروں کی مسلم آئینہ کا بھی لٹا رہا
 بارشِ سناحِ اوش کا تاشا آئی بھی ہو
 ہاں تملقِ پیشی دیکھ ابرو والوں کی تو
 جس کو ہم نے آشنا لطفِ تکلم سے کیا
 ساڑھن عشرت کی صہد انگریز کے یوانوں میں سن
 چال کر دی ترک ناداں نے خلافت کی قبا
 رہے دروازہ کی منزل سے سب زاری بھی دیکھ
 اے تمہی سا غزبہ ہمارے آج ناداری بھی دیکھ
 اپنی ازادی بھی دیکھ ان کی رفتاری بھی دیکھ
 بت لکے میں رہن کی پختہ نزاری بھی دیکھ
 اور اپنے مسلمانوں کی مسلم ازاری بھی دیکھ
 امتِ مہجم کی آئینہ یواری بھی دیکھ
 اور جو بے آبرو تھے ان کی خود زاری بھی دیکھ
 اُس حریف بے زباں کی گرم رفتاری بھی دیکھ
 اور ایران میں فرات کی تیزی بھی دیکھ
 ساوا کی مسلم کی دیکھ اوروں کی یری بھی دیکھ

صوتِ آئینہ سب کچھ دیکھ اور خاموش رہ

شورشِ امروز میں جو سرود ووش رہ



شمع اور شاعر

(فروری ۱۹۱۲ء)

شاعر

دوشس می نفتم بہ شمع منزل ویران خویش
گیوے تو از پر پروانہ دارو شانہ ا
درجہاں مثل چراغ لالہ صحراستم
ز نصیب محفلے ز قیمت کاشانہ ا
مہ تے ہنسند تو من ہم نفس می سوختم
در طواف شعلہ ام بالے نہ زو پروانہ ا
مہ تپد صد جلوہ در جان اہل شوخ و من
بر نمی خیزد ازین محفل دل دیوانہ ا

۲۱۰
بانگِ درا
۱۹۲

از کجبا این آتش عالم منور از اندوختی
 که کباب بے مایه را سوز کلمیم اوستی

شع

مجھ کو جو موجِ نفَسِ دیتی ہے پیغامِ اجل
 لبِ اسی موجِ نفَس سے ہے نو آپسِ اترتا
 میں تو جلتی ہوں کہ ہے مضمحل مری فطرت میں سوز
 تو منورزاں ہے کہ پروانوں کو چوسد و اترتا
 گریہِ ساماں میں کہ سیسے دل میں ہے طوفانِ اشک
 شبِ نیمِ فشاں تو کہ بزمِ گل میں ہو چہ چا ترا
 گلِ بدامن ہے مری شب کے لہو سے میری صبح
 ہے ترے امروز سے نا آشنا فردا ترا
 یوں تو روشن ہے مگر سوزِ دروں رکھتے نہیں
 شعلہ ہے پیشِ چراغِ لالہ صحرا ترا

۲۱۱
 بانگِ درا
 ۱۹۵

سوچ تو دل میں، لقب ساقی کا ہے زیبا تجھے؟
 انجمن پیاسی ہے اور پیمانہ بے صہب ترا!
 اور ہے تیرا شمار آئینِ ملت اور ہے
 زشتِ رُوفی سے ترمی اتنی بند ہے رسوا ترا
 کعبہ پہلو میں ہے اور سو اتنی بت خانہ ہے
 کس قدر شوریدہ سر ہے شوق بے پروا ترا
 قیس پیدا ہوں ترمی محفل میں! یہ ممکن نہیں
 تنگ ہے صحرا ترا، محل ہے بے لیلیا ترا
 اے دریا بند، اے پروردہ آغوشِ موج!
 لذتِ طوفاں سے ہے نا آشنا دریا ترا
 اب نو اپیرا ہے کیا، گلشنِ ہوا برہم ترا
 بے محفل تیرا ترم، نغمہ بے موسم ترا
 تھا جنھیں ذوقِ تماشا، وہ تو رخصت ہو گئے
 لے کے اب تو وعدہ دیدارِ عام آیا تو کیا

۲۱۲
 بانگِ درا
 ۱۹۶

انجمن سے وہ پُرانے شعدِ آشام اٹھ گئے
 ساقیاءِ محفل میں تُو آتشِ بجا م آیا تو کیا
 اہ، جب گلشن کی جمعیت پریشاں ہو چلی
 پھول کو باوہ ساری کا پیام آیا تو کیا
 آخر شب دید کے قابل تھی سہل کی تڑپ
 صبح دم کوئی اگر بلائے بام آیا تو کیا
 مجھ کیسا وہ شعد جو مقصودِ ہر پروانہ تھا
 اب کوئی سوداگی سوزِ تمسام آیا تو کیا
 پھول بے پروا ہیں، تو گرم نوا ہو یا نہ ہو
 کارواں بے جس ہے آوارِ درا ہو یا نہ ہو
 شمعِ محفل ہو کے تُو جب سوز سے خالی رہا
 تیرے پروانے بھی اس لذت سے سگانے رہے
 رشتہٴ الفت میں جب ان کو پرہکتا تھا تو
 پھر پریشاں کیوں ترمی تسبیح کے دانے رہے

شوقِ بے پروا کی، فکرِ فلکِ پیمائی
 تیرھی محفل میں نہ دیوانے نہ نرانی ہے
 وہ جگر سوزی نہیں، وہ شعلہ شامی نہیں
 فائدہ پھر کیا جو گردشِ پرانی ہے
 خیرِ ثوابی سہی لیکن پلائے گا کسے
 اب نہ دے کس سے باقی نہ مہمانی ہے
 رو رہی ہے آج اک ٹوٹی ہوئی مہمانی سے
 گل تک گردش میں جس ساقی کے پیمانے سے
 آج ہیں خاموشی و ہشتِ جنوں پوچھنا
 رقص میں لیلیٰ رہی، لیلیٰ کے دیوانے سے
 وائے ناکامی! مستراحِ کارواں جاتا رہا
 کارواں کے دل سے احساسِ زیاں جاتا رہا
 جن کے ہنگاموں سے تھے آباد ویرانے لہی
 شہراُن کے کھٹکتے آبادیاں بن چکیں

۲۱۲
 بانگِ درا
 ۱۹۸

سطوتِ توحید قائم جن سازوں سے ہوئی
 وہ سازیں ہند میں نذر برہمن ہو گئیں
 دہر میں عیش و ام آئیں کی پابندی سے
 موج کو آزادیاں سامانِ شیون ہوئیں
 خود تجستی کو مستاجن کے نظاروں کی تھی
 وہ نگاہیں نا اُمید نورِ امین ہو گئیں
 اڑتی پھرتی تھیں ہزاروں بلبلیں گلزار میں
 دل میں کیا آئی کہ پابندِ نشمین ہو گئیں
 وسعتِ گردوں میں تھی ان کی تڑپِ نظارہ سوز
 بجلیاں آسودہ دامنِ جنس من ہو گئیں
 دیدہٴ نونبار ہو منت کش گلزار کیوں
 اشکِ پیم سے نگاہیں گل بہ دامن ہو گئیں
 شامِ غم لیکن خبر دیتی ہے صبحِ عید کی
 ظلمتِ شب میں نظر آئی کرنِ اُمید کی

۲۱۵
 بانگِ درا
 ۱۹۹

مُردہ لے پیمانہ بروارِ خمستانِ حجاز
 بعدِ مدت کے ترے نڈوں کو پھر آیا ہے ہوش
 نعتِ خود داری بہلے جاؤ غیبِ تھی
 پھر دکاں تیری ہے لبریز صدائے ناؤ نوش
 ٹوٹنے کو ہے طلسمِ ماہِ سیما میں
 پھر سلیمی کی نظر دیتی ہے پیغامِ خسروش
 پھر یہ نغمہ ہے کہ لاساقی شرابِ خانہ ساز
 دل کے سنگام سے مغرب کے کر ڈالے خموش
 نغمہ پیرا ہو کہ یہ سنگامِ حنا موٹی نہیں
 ہے سحر کا آسمانِ خورشید سے مینا بدوش
 در عنیم دیکر بسوز و دلیراں راہِ رسم بسوز
 گفتمت روشن حدیثے کر تو انی وار گوش!
 کہہ گئے ہیں شاعریِ جزویست از پیغمبری
 ہاں سناؤ محفلِ ملت کو پینامِ سروش

۲۱۶
 باغیچہ دریا
 ۲۰۰

انکھ کو بیدار کر دے وعدہ دیدار سے
زندہ کر دے دل کو سوزِ جوہرِ گفتار سے

رہزنِ ہمت ہوا ذوقِ تن آسانی ترا
بحرِ مہمت صحرا میں ٹھکانِ شکر میں مثلِ جوہر ہوا

اپنی اصلیت یہ تہمت تھی تو جمعیت بھی تھی
چھوڑ کر گل کو پریشاں کاروانِ بوہوا

زندگی قطرے کی سکھلاتی ہے اسرارِ حیات
یہ کبھی گوہرِ کبھی شبنم، کبھی سنو ہوا

پھر کہیں سے اس کو پیدا کر بڑی دولت ہے یہ
زندگی کیسی جو دل سے گناہ پہلو ہوا

ابرو باقی ترمی ملت کی جمعیت سے تھی
جب یہ جمعیت گئی دنیا میں رسوا تو ہوا

فردِ قائم ربطِ ملت سے ہے تنہا کچھ نہیں

سوج ہے دریا میں اور سیرِ دریا کچھ نہیں

پروہ دل میں محبت کو ابھی ستور رکھ
 یعنی اپنی مے کو ر سوا صورتِ بیانا نہ کر
 خمیہ زن ہو وادی سینا میں مانسہ کلیم
 شعلہ تھتقی کو غارت گر کا شانہ کر
 شمع کو بھی ہو ذرا معلوم انجامِ ستم
 صرف تعمیرِ حیرتِ خاستر پروانہ کر
 تو اگر خود دار ہے منت کش ساقی نہ ہو
 عین دریا میں جناب آسانلوں پیمانہ کر
 کیفیت باقی پرانے کوہ و صحرا میں نہیں
 ہے جنوں تیرا نیا پیدا نیا ویرانہ کر
 خال میں تجھ کو مُعتذر نے بلایا ہے اگر
 تو عصا افتاد سے پیدا مثالِ اندک
 ہاں، اسی شہنشاہن پر پھر بنائے ایشیاں
 اہل کشن کو شہیدِ نغمہ ستانہ کر

۲۱۸
 بانگِ دریا
 ۲۰۲

اس چمن میں سپرو بھیل ہو یا تمبیل نڈگل
 یا سراپا نالہ بن جا یا نواپا نہ کر
 کیوں چمن میں بے صدا مثلِ رَمِ شبنم سے تو
 لب لکشا ہو جا، سرو و بریط عالم سے تو
 آشنا اپنی حقیقت سے ہولے دھتاس ذرا
 دانہ تو، لھیتی بھی تو، باراں بھی تو، حاصل بھی تو
 اہ، کس کی جستجو آوارہ رکھتی ہے تجھے
 راہ تو، رہرو بھی تو، رہبر بھی تو، منزل بھی تو
 کانپتا ہے دل ترا اندیشہ طوفان سے کیا
 نانداتو، بحر تو، کشتی بھی تو، ساحل بھی تو
 دلچھال کو چہ چال کرباں میں کبھی
 قیس تو، لیلی بھی تو، صحرا بھی تو، محفل بھی تو
 وائے نادانی کہ تو محتاجِ ساقی ہو گیا
 مے بھی تو، مینا بھی تو، ساقی بھی تو، محفل بھی تو

۲۱۹
 بانگِ سرا
 ۲۰۳

شعلہ بن کر ٹھونکنے کا خاکِ غیر اللہ کو
 خوفِ باطل کیا کہ ہے عادتِ کربا بل بھی تو
 نے خبر! تو جو ہر آئینہ ایام سے
 تو زمانے میں خدا کا آخری پیغام ہے
 اپنی اصلیت سے ہوا گاہ اے غافل کہ تو
 قطرہ ہے، لیکن مثالِ بحرِ بے پایاں بھی ہے
 کیوں گرفتِ ظلم پہنچ سکتی ہے تو
 دیکھ تو پوشیدہ تجھ میں شوکتِ طوفاں بھی ہے
 سینہ تیرا ہیں اس کے پیامِ ناز کا
 جو نظامِ دہر میں پیدا بھی ہے نہاں بھی ہے
 ہفت کشور جس سے ہو تسخیر بے تیغ و تفتک
 تو اگر سمجھے تو تیرے پاس وہ ساماں بھی ہے
 اب تک شاہد ہے جس پر کوہِ فاراں کا سکوت
 اے تعافلِ پیشہ! تجھ کو یاد وہ پہیاں بھی ہے؟

بانگِ درا
 ۲۲۰
 ۲۰۲

تو ہی نادان چاند کلیوں پر قناعت کر گیا
 ورنہ کاشن میں علاج تنگیِ داماں بھی ہے
 دل کی کیفیت ہے پیدا پروہ تفتیر میں
 کسوتِ بنیا میں سے مستور بھی، عُریاں بھی ہے
 پھونک ڈالا ہے مری آتش نواتی نے مجھے
 اور میری زندگی کا یہی سماں بھی ہے
 راز اس آتش نواتی کا مرے سینے میں دیکھ
 جلوہ تفتیر میرے دل کے آئینے میں دیکھ!
 آسماں ہو گا سحر کے نور سے آئینہ پوش
 اور ظلمتِ رات کی سیلاب پا ہو جائے گی
 اس قدر ہو گی ترنم آئیں باو بہار
 نکھتِ خوابیدہ نعنچے کی نوا ہو جائے گی
 آملیں گے سینہ چاکانِ چمن سے سینہ چاک
 بزمِ گل کی ہم نفس باو صبا ہو جائے گی

۲۲۱
 بانگِ درا
 ۲۰۵

شبِ بنم افشانی مری پیدا کرے گی سوز و سنا
 اس چمن کی ہر کلی درد آشنا ہو جائے گی
 دیکھ لو گے سطوتِ رفتارِ دریا کا مال
 موجِ مضطرب ہی اسے زنجیر پڑھ جائے گی
 پھر دلوں کو یاد آجائے گا سینا م سجود
 پھر حبیبِ خالِ حرم سے آشنا ہو جائے گی
 نالہ صیاد سے ہوں گے نو اسماں سیور
 خونِ چمن سے کلی رنگین قبا ہو جائے گی
 آنکھ جو کچھ دیکھتی ہے لب پہ اسکتا نہیں
 مچھرتے ہوں کہ دنیا کیا سے کیا ہو جائے گی
 شبِ کربزاں ہوگی آخر جلوۂ خورشید سے
 چمنِ معسور ہوگا نغمہٴ توحید سے



۲۲۲
 بانگِ درا
 ۲۰۶

مسلم

(جون ۱۹۱۲ء)

ہر نفس اقبال تیرا آہ میں ستو ہے
سینہ سوزاں ترا فیرو سے معمور ہے
نغمہ تہیہ تیری بر بڑ دل میں نہیں
ہم سمجھتے ہیں یہ لیلیٰ تیری محل میں نہیں
کوشش آواز سر و فرست کا جو یا ترا
اور دل ہنگامہ حاضر سے بے پروا ترا
قصہ گل ہم نو ایان چسپن سنتے نہیں
اہل محفل تیرا سینہ ہم اہن سنتے نہیں
اے درائے کاروانِ نجفہ پا اجموش ہ
ہے بہت یاس آفریں تیری صدا خاموش ہ

زندہ پھر وہ محفل برینہ ہو سکتی نہیں
شمع سے روشن شہد سینہ ہو سکتی نہیں

ہم نشینِ مسلم میں توحید کا حال ہوں میں
اس صداقت پر ازل سے پڑا دل ہوں میں
نبضِ موجودات میں پیہا حرارت اس کے ہے
اور مسلم کے تختیل میں جبارت اس کے ہے
حق نے عالم اس صداقت کے لیے پیدا کیا
اور مجھے بس کی حفاظت کے لیے پیدا کیا
دہر میں غارت کر باطل پرستی میں ہوا
حق تو یہ ہے عاقبت ناموس پرستی میں ہوا

۲۲۲
بانٹا سے روا
۲۰۴

میری ہستی پیر غیبی عالم کی ہے
 میرے رب جانے سے سوائی بنی آدم کی ہے
 قسمتِ عالم کا مسلم کو کب تائبند ہے
 جس کی تابانی سے افسوں بھر شرمند ہے
 اشکارا ہیں میری آنکھوں پر اسرارِ حیا
 کہ نہیں کہتے مجھے نومیس پر کارِ حیا
 کب ڈرا سکتا ہے نسیم کا عارضی منظر مجھے
 ہے بھروسا اپنی قلت کے مقدر پر مجھے
 یاس کے عنصر سے ہے آزاد یہ سر روزگار
 فتحِ کامل کی خبر دیتا ہے جوشِ کارزار
 ہاں یہ سچ ہے چشمِ بر عہد کُن ہستیاہوں میں
 اہلِ محفل سے پائی ہستیاں کہتا ہوں میں
 یا عہدِ فرستہ میری خال کو اسیر ہے
 میرا ماضی میرے استقبال کی تفسیر ہے

سائے لکھتا ہوں اس دورِ نشاط افزا کو میں
 دیکھتا ہوں دوش کے آئینے میں فردا کو میں

حضورِ رسالتِ مآب میں

گراں جو مجھ پر پہنکا مہرِ زمانہ ہوا
 جہاں سے باندھ کے رختِ سفر روانہ ہوا
 قیو و شام و بھر میں بسترو کی بسین
 لطفِ کرم کہتے ہر عالم سے آشنا نہ ہوا

۲۲۲
 بانگِ را
 ۲۰۸

فرشتے بزمِ رسالت میں لے گئے مجھ کو

حضور آیۂ رحمت میں لے گئے مجھ کو

کہا حضورؐ نے اے عندلیبِ باغِ حجاز! کلی کلی ہے تری گرمی کو اسے گداز

ہمیشہ سرخوش رہ جاؤ لائے دل تیرا الفت اولی ہے تیری غمت سب جو دنیا

اڑا جو پستی دنیا سے تو سوتے لڑوں سکھائی تجھ کو ملائکے نے غمتِ پرواز

نکل کے باغِ جہاں سے گنک ہو آیا

ہمارے واسطے کیا تختہ لے کے تو آیا؟

حضورؐ ابوہریرؓ میں اسود کی نہیں ملتی تلاش جس کی ہے وہ زندگی نہیں ملتی

ہزاروں لالہ گل ہیں یاغریہ ہستی میں وفا کی بس میں جو ہو وہ کلی نہیں ملتی

مگر میں نذر لو الٰہی سبب لایا ہوں جو چیز اس میں ہے جنت میں بھی نہیں ملتی

جھلکتی ہے تیری امت کی آبرو اس میں

طرا بس کے شہیدوں کا ہے لہو اس میں



شفاخانہ حجاز

اک میواتے قوم نے زخمِ بال کے کہا کھلنے کو جدہ میں ہے شفاخانہ حجاز
 ہوتا ہے تیری خاک کا ہر ذرہ ہے تیرا سنا ہے تو کسی سے جو فسانہ حجاز
 دستِ جنوں کو اپنے بڑھا جب کی طرف شہور تو جہاں میں ہے یوانہ حجاز

دار الشفا حوالی الطحا میں چلیے

نبضِ مرضِ خبہ بر عیسیٰ میں چلیے

میں نے کہا کہ موت کے پورے ہیں حیات پوشید جس طرح ہے حقیقت مجاز میں
 تلخا بہ آبل میں جو عاشق کو بل گیا پایا نہ خضر نے مے عمرِ راز میں
 اوروں کو دین حضور! یہ پیغامِ زندگی میں موت ٹھونڈتا ہوں زمین حجاز میں

آتے ہیں آپ کے کشف کا پیام کیا
 رکھتے ہیں اہلِ درویشی سے کام کیا



۲۲۶
 بانگِ درا
 ۲۱۰

جواب شکوہ

دل سے جو بات نکلتی ہے اثر رکھتی ہے پر نہیں طاقت پرواز نظر رکھتی ہے
قدسی الاصل ہے رفعت نہ نظر رکھتی ہے خال سے اٹھتی ہے لڑو چ لزر رکھتی ہے

عشق تھا فتنہ کرو سرشیں جلال مرا

آسماں چیرا نالہ بے بال مرا

پیر لڑوؤں نے کہا سُن کے کہیں ہے کوئی بے سیکے سرِ عرشین میں ہے کوئی
چاند کہتا تھا نہیں اہل زمیں ہے کوئی کہکشاں کہتی تھی پوشیدہ ہیں ہے کوئی

کچھ جو سمجھا مرے شکرے کو تو رضواں سمجھا

مجھے جنت سے نکالا ہوا اس سمجھا

تھی فشتروں کو بھی یہ سیر کہ یہ آواز ہے کیا عشق و الون پہ بھی کھٹکتا نہیں یہ آواز ہے کیا
تیسریں بھی انساں کی تک و تاز ہے کیا اگلی حال کی حُشکلی کو بھی پرواز ہے کیا!

۲۲۴
بانگِ درا
۲۱۱

عافل آداب کے سنگان زمیں کیسے ہیں
شوخ و ستاخ یہ پستی کے مگس کیسے ہیں!

اس قدر شوخ کہ اللہ سے بھی برسے
تھا جو سجود ملائکہ یہ وہی آدم ہے!
عالمِ کیفی کے دانے نہ ہو گم ہے
ہاں مگر عجب کئے اسرار کے نامحسوم ہے
نہے طقت گفت پارہ اپنی فوں کو
بائے کرنے کا سلیقہ نہیں ناوانوں کو

اسی آواز عن انجم کے زافسانہ ترا
اشکاتے تاب سے لبریز پیمانہ ترا
اسماں کی چوڑی نعرہ فرستانہ ترا
کس شوخ زباں ہے دل دیوانہ ترا
شکر شکر کو گویا حسنِ اداسے تونے
ہم سخن کر دیا بندوں کو خاک تونے

ہم تو مال بہ کرم ہیں کوئی سائل ہی نہیں
راہ دکھلا میں کسے رہ منزل ہی نہیں
تربیت عام تو ہے جو ہر سائل ہی نہیں
جس سے تعمیر ہو آدم کی یہ نگل ہی نہیں
کوئی قابل ہو تو ہم شان کنی دیتے ہیں
ڈھونڈنے والوں کو دنیا بھی نسی دیتے ہیں

۲۲۸
باقی ہے در
۲۱۲

ہاتھ بے زور ہیں الحائسے دلِ غمِ کر ہیں
 اُمتی باعثِ رسوائی پیسے ہیں

بُت شکن اٹھ گئے باقی جو ہے بُت کر ہیں
 تھا براہِ سیم بدراور پسر آزر ہیں

بادہ اشام نے بادہ سیاہِ شام بھی نئے

حرمِ کعبہ نیابت بھی نئے تم بھی نئے

وہ بھی دُن تھے کہ یہی مایہِ عینِ آلی تھا
 نازش میں سیمِ گل لالہ صحرائی تھا

جو سلمان تھا اللہ کا سوا آلی تھا
 کبھی محبوب تھا راہی ہر جہا آلی تھا

کسی کج بانی سے اب عہدِ غلامی کر لو

ملتِ احمدِ مرسل کو ستامی کر لو

کس تو تم یہ کراں کج کی بیداری ہے
 ہم سے کب پیسے ہاں نیند تمھیں ساری ہے

طبعِ آزادِ قیدِ رمضان بھاری ہے
 تمھی کہہ دو یہی آمین و ساداری ہے

قوم مذہب کے مذہب جو نہیں تم بھی نہیں

جذبِ باہم نہیں محفلِ خیم بھی نہیں

جن کو اتنا نہیں دنیا میں کوئی فن تم ہو
 نہیں سب قوم کو پروا ہے شین تم ہو

بجلیاں بس میں ہیں انوہ وہ خرم تم ہو
 بیچ کھاتے ہیں اسلاف کے مدفن تم ہو

ہونکو نام جو بٹرن کی تجارت کے

کیا نہ سچو کے جو اہل عاہلین صہنم تھکے

صفحہ پہلے کورٹیا کس نے؟ نوع انسان کو عن کلامی چھڑا کس نے؟

میرے کورٹیا کس نے؟ میرے شکران کو برہمنوں لکھا کس نے؟

تھے تو ابا وہ تھکے ہی مگر تم کیا ہو

ہاتھ پر ہاتھ دھرے منتظر فرما ہوا

کیا کہا بہرے کہاں ہے فقط وعدہ؟ شکوے بے جا بھی کرے کوئی تو لازم ہے شعور

عدل ہے فاطمہ سترتی کا ازل سے دستور مسلم آج ہیں جو اکاف تہرے بلے حور و قصور

تم میں خوروں کا کوئی چہنئے والا نہیں

جلوہ طور تو موجود ہے مونس ہی نہیں

منفعت ایک ہے اس قوم کی نقصان بھی ایک ایک ہی سکا نہیں، دین بھی ایمان بھی ایک

حرم مال بھی اللہ بھی، شران بھی ایک کچھ بڑی بات تھی ہوتے جو مسلمان بھی ایک

فرقہ بندی ہے کہیں اور کسین ذاتیں ہیں

کیا زمانے میں پینے کی یہی باتیں ہیں

کون ہے تارکِ ائمنِ رسولِ مختار؟ مصلحتِ وقت کی ہے کس کے عمل کا معیار؟
کس کی آنکھوں میں سمائی ہے شعراِ اعیان؟ ہو گئی کس کی نکتہ زسلف سے بیزاران؟

قلب میں سو زہنیں، رُوح میں احساس نہیں

کچھ بھی پیامِ محمدؐ کا تمہیں مانس نہیں

جاگے ہوتے ہیں مساجد میں صفا آرا تو غریب زحمتِ وزہ جو کرتے ہیں گوارا تو غریب
نامِ یہ ہے الکر لوتی ہمارا، تو غریب پردہ کھلتا ہے الکر لوتی تمہارا، تو غریب

اُمرا نشہ دولت میں ہیں غافل ہم سے

زندہ ہے ملتِ بیضا، عراب کے دم سے

واعظِ قوم کی وہ نچستہ خیالی نہ رہی برقِ طبعی نہ رہی شعلہِ مستالی نہ رہی
رہ گئی رسمِ اذانِ رُوحِ بلالی نہ رہی فلسفہ رہ گیا، تلقتینِ غزالی نہ رہی

مسجدیں مٹیں، نمازیں نہ رہے

یعنی وہ صاحبِ اوصافِ حجازی نہ رہے

شوہرے ہو گئے دنیا سے مسلمان نابود ہم یہ کہتے ہیں کہ تمہے بھی کہیں سلم موجود
وضع میں تم ہو نصاریٰ تو تمدن میں ہنود یہ مسلمان ہیں اجنبی دیکھ کے شرمانیں ہنود

یوں تو سید بھی ہو، مرزا بھی ہو، افغان بھی ہو

تم سبھی کچھ ہو، بسا تو مسلمان بھی ہو!

تعمیر تھی سلم کی صداقت بے باک
عدل اس کا تھا قومی لوٹ مراعات کے پاک

شجرِ فطرتِ مسلم تھا حیاتِ ستم ناک
تھا شجاعت میں وہ اک سستی فوق اللادراک

خود لدا زمی تم نفیستِ صہبائش ہو

خالی از خویشش جن صوتِ مینائش ہو

پر سداں گلِ باسل کے لیے نشتر تھا
اس کے آئینہ سستی میں عملِ جہر تھا

جو بڑا تھا اسے قوتِ بازو پر تھا
تھے تمہیں موت کا ڈر اس کو خدا کا ڈر تھا

باپ کا علم نہ بیٹے کو الرا از بر ہو

پھر پر قابلِ میراثِ پدر کیونکر ہو!

پر کوئی مستی سے ذوقِ تن آسانی ہے
تم مسلمان ہو اب یہ اندازِ مسلمانی ہے!

حیدری فحش ہے زولتِ عثمانی ہے
تم کو اسلاف کے کیا نسبتِ حافی ہے؟

وہ زمانے میں ستر تھے مسلمان ہو کر

اور تم خوار ہوئے مارل و شران ہو کر

۲۳۲

بانگِ درا

۲۱۶

تم ہو آپس میں غضب ناک وہ آپس میں کریم
تم خطا کار و خطا بین وہ خطا پوش و کریم
چلتے سب میں کچھ ہوں اوج شریا پہ مستم
پہلے ویسا کوئی پیدا تو کرے قلب سلیم

تختِ فغفور بھی اُن کا تھا، سریر کبھی

یونہی باتیں ہیں کہ تم میں وہ حقیقت ہے بھی؟

خود کشی شہو تمہارا، وہ غیو و خودا
تم اخوت کے گریزان وہ اخوت پہ نثار
تم پگھلتا سراپا، وہ سراپا کردا
تم ترستے ہو وہی لو، وہ گستاخ بہ لٹا

اب تک یاد ہے قوموں کو حکایت اُن کی

نقش ہے صفحہ ہستی صیدِ اُقتان کی

مثلِ نخبِ اُفقِ قوم پہ پوشن بھی ہوئے
بُتِ ہندی کی محبت میں بھین بھی ہوئے
شوقِ پرواز میں مہجر شمسین بھی ہوئے
بے عمل تھے سچے ان دین سکھن بھی ہوئے

ان کو تہذیب نے پر بند آزاد کیا

لا کے کعبے سے صنم خانے میں آباد کیا

قینِ رحمت کش تہنائی صحرا نہ رکے
شہر کی لکھی لکھی ہو ابادیہ پیکانہ رکے

وہ تو دیوانہ ہے بستی میں ہے بیانہ رکے
یہ ضروری ہے حجابِ بُرخ لیلانہ رکے

گلہ جو رنہ ہو، شکوہ پیدا نہ ہو

عشق آزاد ہے کیوں حسن بھی آزاد نہ ہو!

عہدِ نوبق ہے آتشِ بن پر خرم ہے
امین اس کوئی صحرانہ کوئی کاشن ہے

اس نئی آگ کا تو اوم نہیں لینا
فلتِ جنتم رسلِ شعلہ پیر ہے

آج بھی ہو جو براہِ شیم کا ایمان پیدا

آگ لڑ سکتی ہے اندازِ گستاں پیدا

دیکھ لڑنا ہے چن چن پریشاں مالی
کو کٹبِ نچے شے شاخیں ہیں چکنے والی

خس و خاشاک سے ہوتا ہے گستاں جالی
گل برانداز ہے نچون شنداک لالی

زنگِ گدڑوں کا ذرا دیکھ تو غمتِ جالی ہے

یہ نکتے ہوتے سوج کی اشتقِ جالی ہے

امتیں گلشنِ ہستی میں ٹرچید بھی ہیں
اور سڑم ٹر بھی ہیں خزانِ دید بھی ہیں

سیکڑوں نخل ہیں کاہید بھی بالید بھی ہیں
سیکڑوں لطنِ چمن میں ابھی لوشید بھی ہیں

نخلِ اسلام نوٹ ہے برو سندی کا

پھل ہے یہ سیکڑوں صدیوں کی چمنِ ہندی کا

۲۳۲
بادشاہی
۲۱۸

پاکے کرو وطن سے سزا ماں تیرا تو وہ یوسف کے کہ پر مصر سے کنعان تیرا
 قافلہ ہونہ کے گا کبھی ویراں تیرا غیر یک بانگِ درا کچھ نہیں ساماں تیرا

نخلِ شمع استی و در شعلہ و دوریشہ تو

عاقبت سو زبوں سایہ اندیشہ تو

تُو نہ مٹ جائے گا ایران کے مٹ جانے سے نشترے کو تعلق نہیں پانے سے
 ہے عیاں پوششِ تار کے افسانے پاسبانِ بل گئے کعبے کو صنم خانے سے

کشتیِ حق کا زمانے میں سہارا تو ہے

عصرِ نورات ہے دُھندلا سا ستارا تو ہے

ہے جو سنگامِ بیا پوششِ بلخاری کا خافلوں کے لیے پیغام ہے بیداری کا
 تو سمجھتا ہے یہ ساماں ہے دل آزاری کا امتحاں ہے ترے ایشاکا، خود داری کا

کیوں ہراساں ہے ضمیرِ فرسِ اعدا سے

نورِ حق بچھڑنے کے گا نفسِ اعدا سے

چشمِ اقوام سے مخفی ہے حقیقتِ تیری ہے ابھی مسلسل سستی کو ضرورتِ تیری
 زندہ رکھتی ہے زمانے کو حرارتِ تیری گو کب قسمتِ امکان ہے خلافتِ تیری

وقتِ فرصت ہے کہاں کام ابھی باقی ہے

نورِ توحید کا نام ابھی باقی ہے

مثلِ بوقتِ غنچے میں پریشان ہو جا
رختِ بردوشن ہو لے چمنستان ہو جا

پے تنک یا یہ تو دے سے بیابان ہو جا
نغمہ موج سے ہنسکارِ طوفان ہو جا

وقتِ عشق سے ہر سیت کو بالا کروے

دہر میں اسمِ مستند سے اجالا کروے

ہو نہ یہ ٹھپول تو بلسل کا ترنم بھی نہ ہو
چمن دہر میں کلیوں کا تبسم بھی نہ ہو

یہ نہ ساقی ہو تو پھرے بھی نہ ہو خم بھی نہ ہو
بزمِ توحید بھی دنیا میں نہ ہو، تم بھی نہ ہو

خمیہ افلاک کا استادہ اسی نام سے ہے

نبضِ ہستی میں آما وہ اسی نام سے ہے

دشت میں امن کُسا رہیں میدان میں ہے
بھر میں موج کی آنکھوں میں طوفان میں ہے

چین کے شہزادے قشکے بیابان میں ہے
اور پوشیدہ سلمان کے ایمان میں ہے

چشمِ اقوامِ نبطت راہِ ابد تک دیکھے

رفعتِ شانِ رفعتِ کاکِ فلک دیکھے

۲۲۶

باتیے در

۲۲۰

مردم چشم زمیں یعنی وہ کالی دنیا وہ تمہارے شہ پارلے والی دنیا
گرمی مہر کی پروردہ ہلالی دنیا عشق والے جسے کہتے ہیں ہلالی دنیا

تیش اندوز سے اس نام سے پارے کی طرح
غوطہ زن نور میں ہے آنکھ کے تارے کی طرح

عقل ہے تیری پس عشق ہے شمشیر تری مے درویش ادا خدایتے جہان گیتری
ماہوی اللہ کے لیے آگ ہے تجھیر تری تو مسلمان ہو تو تفتدے ہے تدبیر تری

کی محمد سے فنا تو نے تو ہم تیرے ہیں
یہ جہاں چیز ہے کیا لوح و قلم تیرے ہیں

ساقی

نشہ پلا کے لانا تو سب کو اتنا ہے مزا تو جب ہے کہ لرتوں کو تمہارے ساقی
جو باوہ کش تھے پرانے وہ اٹھ جاتے ہیں کہیں سے کب بھائے دوام لے ساقی!

کٹی ہے ات تو ہنگامہ ستری میں ہی
سحر قریب ہے اللہ کا نام لے ساقی!

تعلیم اور اس کے نتائج

(تضمین بر شعریہ ملا عشری)

خوش تو ہیں ہم بھی جن انوں کی ترقی سے مگر لبِ حنہاں سے نکل جاتی ہے فریاد بھی تھا
ہم سمجھتے تھے کہ لاتے گی فراغتِ تعلیم کیا خبر تھی کہ چلا آئے گا الحاد بھی ساتھ
گھر میں پڑنے کے شیریں تو ہوتی جلوہ نما لے کے آتی ہے مگر تیشہ فریاد بھی ساتھ

”تختم دگر بلف ایام و بکاریم ز نو
کانکشتہ تیرم ز خجالت نتوانم دورو“

قربِ سلطان

تمیزِ حاکم و محکوم مٹ نہیں سکتی مجال کیا لگا لگا کر چو شاہ کا چہروش
جہاں میں خواجہ پرستی ہے بندگی کا مال رضائے خواجہ طلب کن قبائے رنگین پوش
مگر غرض جو حصولِ رضائے حاکم ہو خطاب ملتا ہے منصبِ پرست و قوم فروش
پرانے طرزِ عمل میں بے ہوش شکل ہے نئے اصول سے خالی ہے فکر کی آغوش

۲۳۸
بانگِ درا
۲۲۲

مزا تو یہ ہے کہ یوں زیرِ آسماں سے
 یہی اصول ہے سرمایہ سلوین حیات
 ”ہزار گونہ سخن در وہاں و لب خاموش“
 ”گدا کے گوشہ نشینی تو حافظِ مخمروش“
 ”بگیر ماوہ صافی، بیابانک چنک بنوش“
 لڑاکے توڑ دے رنگِ عیس سے شیشہ ہوش
 شریکِ بزمِ آسیر و زیر و سلطان ہو
 پیامِ مرشدِ شیراز بھی مگر سن لے
 کہ ہے یہ ستر نہاں خانہ ضمیرِ سیروش
 ”محل نور تجلی ستارے انور شاہ“
 ”چو بے اوطلسی در کسے نیت کوش“

شاعر

جوئے سرورِ آفریں آتی ہے کوہِ سائے
 مستی سے مخرام کاسن تو در اپسایم
 پی کے شرابِ لالہ لوں کے کدہ بہار سے
 زندہ وہی ہے کام کچھ جس فونہیں قرار سے
 کھرتی ہے او یوں میں کیا دخترِ خوش خرام ابر
 کرتی ہے عشقِ بازیاں سبزہ مخرزار سے
 جامِ شرابِ وہ کے خم سے اڑاتی ہے
 پست بلند کر کے طعنتوں جو جا پلاتی ہے

۲۳۹
 ناگہورا
 ۲۲۲

شاعرِ دل نواز بھی بات اُکرتے لکھری
 ہوتی ہے اُس کے فیض سے بُرغِ زندگی ہری
 شانِ خلیل ہوتی ہے اُس کے کلام سے عیا
 کرتی ہے اُس کی قوم جب اپنا شعار آزی
 اہلِ زمین کو سُختِ زندگی دوام ہے
 خونِ جگر سے تربیت پاتی ہے جو سخنوری

گلشنِ دہر میں اگر جوئے سے سخن نہ ہو

چھول نہ ہو کھلی نہ ہو سبز نہ ہو چمن نہ ہو

نویسندہ

۱۹۱۲ء

آتی ہے مشرق سے جہنگِ کار و دروہنِ سحر
 منزلِ سستی سے کرجاتی ہے خاموشی سفر
 محفلِ قدرت کا آخر ٹوٹ جاتا ہے سوت
 دیتی ہے ہر چیز اپنی زندگانی کا ثبوت
 چھپاتے ہیں رپے رپا کے پیغامِ حیات
 باندھتے ہیں پھول بھی گلشن میں احرامِ حیات

مسلم خوابیدہ اٹھتا ہے سنگار آرا تو بھی ہو

وہ چمک اٹھا فوق، کرمِ تقاضا تو بھی ہو

وسعتِ عالم میں رہ سہا سہا شلِ آفتاب
 دامنِ لرزوں کا پیدا ہوں یہ داغِ سحاب

۲۲۰
 بانگِ درا
 ۲۲۲

کھینچ کر خنجر لہرن کا پھر سو سرگرم ستیز
پھر کھاتا ریلی باطل کو آواہ گمبیز
تو سر اپا نو ہے خوشتر ہے عریانی تجھے
اور عریاں سو کے لازم ہے خود افشانی تجھے
ہاں نمایاں سو کے برق ویدہ خفاش ہے
اے دل کون کون مکاں کے از مضمر فاش ہے

دعا

یارب اولِ مسلم کو وہ زندہ تہمت کے
پھر ادوی فاراں کے ہر ذرے کو چمک کے
محروم تماشاکو پھر ویدہ سپینا کے
بھٹکے سوتے اٹھو لو پھر سوتے حرم لے چل
پیداؤں بریاں میں پھر شورشِ محشر کر
اس دور کی ظلمت میں ہر قلب پریشاں کو
رفت میں مقاصد کو ہمدوش شریا کر
بے کوش محبت ہو بے باک صداقت ہو
جو قلب کو لہرائے جو روح کو تڑپا دے
پھر شوق تماشاکو پھر فوق تقاضا کے
دیکھتے جو کچھ میں آؤں کو بھی لھلا کے
اس شہر کے خول کو پھر وسعت صحرا دے
اس محسبِ خالی کو پھر شاپہ لیلادے
وہ داغ محبت دے جو چاند کو شرما دے
خود داری ساحل دے آزادوی دریا دے
سینوں میں اجالا کر دل صورت مینا دے

احساس عنایت کراہما مصیبت کا
امروز کی شورش میں اندیشہ فردا کے

میں بے مل نالان چوں اک اُٹربے گلستاں کا
تاثیر کا سال ہوں محتاج کٹو داتا کے

عید پر شعر لکھنے کی فرمائش کے جواب میں

یہ شالامار میں اک برک زرو کھتا تھا
کیا وہ موسم گل جس کا راز دار ہوں میں
نہ پتا سال کریں مجھ کو زائر ابنِ چین
انھی کی شلخ نشمین کی یادگار ہوں میں
ذرا سے پتے نے بیتاب کرو یاد دل کو
چمن میں آگے سرِ اُغسٹیم رہوں میں
خزراں میں مجھ کو رلاتی ہے یادِ فصلِ بہار
خوشی ہو عید کی لیونڈر لہو لو ارہوں میں
اجاز ہو گئے عہدِ کھن کے میخانے
گزشتہ بادہ پرستوں کی یادگار ہوں میں

پیامِ شرمست رہیں سناتے

ہلالِ عیدِ ہماری ہنسی اڑاتا ہے



۲۲۲
باقاعدے اور
۲۲۶

فاطمہ بنت عبد اللہ

عرب لڑکی جو طرابلس کی جنگ میں غازیوں کی پانی پلائی ہوئی شہید ہوئی

۱۹۱۲ء

فاطمہ! تو ابروئے اُمتِ مہرِ مہر ہے
 ذرہ ذرہ تیری مُشتِ خال کا معصوم ہے
 یہ سعادت جو صحرائی تری قسمت میں تھی
 غازیانِ دین کی سقائی تری قسمت میں تھی
 یہ جہاد اللہ کے رستے میں بے تیغ و سپر
 ہے جسارتِ آفریں شوقِ شہادت کس قدر
 یہ جلی بھی اس کُستانِ خزاں منظر میں تھی
 ایسی چنگاری بھی ماریب اپنی خالکس میں تھی!

اپنے صحرا میں بہتا ہوا بھی پوشیدہ ہیں

بجلیاں برسے ہوئے بول میں بھی ابیدہ ہیں!

فاطمہ! گو شبنم افشاں آنکھ تیرے غم میں ہے
 نغمہ عشرت بھی اپنے مالہ ماتم میں ہے
 رقص تیری خال کا لٹناتِ طائرین ہے
 ذرہ ذرہ زندگی کے سوز سے لبریز ہے
 ہے کوئی ہنگامہ تیری تہمتِ خاموش میں
 پل پر ہے ایک قوم تازہ اس انجوش میں
 بے خبر ہوں مچپن کی وسعتِ مقصد میں
 آفرینش دیکھتا ہوں ان کی اس مرقسے میں

۲۲۳
 بانگِ درا
 ۲۲۴

تازہ آبِ کافضائے آسمان میں کھلو
 دیدہ انسان کے ہاں کس کی موجِ نور
 جو ابھی ابھی سے ظلمتِ خانہِ آیام سے
 جن کی ضمونا آشنا ہے قیدِ صبح و شام سے
 جن کی تابانی میں اندازِ نین بھی تو بھی ہے
 اور یہ کہ کتبتِ سیر کا پرتو بھی ہے

شبنم اور ستارے

اے ات یہ کہنے لگے شبنم سے ستارے
 صبح سے تیرے تجھ کو میسر ہیں نظارے
 کیا جانے تو کتنے جہاں دیکھ چکی ہے
 جو بن کے مٹے ان کے نشان دیکھ چکی ہے
 زہرے نئی ہے یہ خیر ایک ملک سے
 انسانوں کی بستی ہے بہت دور فلک سے

کہہ ہم سے بھی اس کشورِ لکشم کافسانہ
 گاتے تیرے جس کی محبت کا ترانہ

اے تارو نہ پوچھو چمنستانِ جہاں کی
 گلشن نہیں اے بستی ہے وہ آہ و فغاں کی
 اتنی بے صباواں سچکٹ جانے کی خاطر
 بے چاری کلی کھلتی ہے ہر جہانے کی خاطر
 کیا تم سے کہوں کیا چمن اور سوزِ گل ہے
 تنہا سا کوئی شعلہ بے سوزِ گل ہے

۲۲۲
 بانگِ درا
 ۲۲۸

گلِ نالہ بے بس کی صدا سن نہیں سکتا
 وہن سے مے موتیوں کو چن نہیں سکتا
 ہیں مرغِ نوار زلفِ تازِ غضب ہے
 اکتے ہیں تیرے سایہ گلِ خارِ غضب ہے
 رہتی ہے سدا نگر میں بیار کی ترانگہ
 دل طالبِ نطق رہنے محروم نظر آنکھ
 دلِ بوختہ کرمی نہ رہے شمشاد
 زندانی ہے اور نام کو آزاد ہے شمشاد
 تائے شہر آہ ہیں انساں کی زباں میں
 میں کر یہ لڑوں جوں گلستاں کی زباں میں
 نادانی ہے یہ لڑو میں طوفِ قمر کا
 سمجھا ہے کہ دریاں ہے ہاں داغِ جلر کا

بنیاد ہے کاشانہ عالم کی ہوا پر
 فریاد کی تصویر ہے قرطاسِ فضا پر

مُحَاوَرَةُ اور نہ

یورپ میں جس گھڑی حق و باطل کی چھڑکتی
 حقِ خنجر آزمائی پہ مجبور ہو گیا
 گردِ صلیب لڑو تیرے حلقہ زن ہوتی
 شکر می حصہ لڑو نہ میں محصور ہو گیا
 مسلمان سپاہیوں کے ذخیرے ہوتے تمام
 زوئے امید آنکھ سے ستور ہو گیا
 آخر ایسے عسکرِ ترکی کے حکم سے
 آئینِ جنگ شہر کا دستور ہو گیا

چہرے ہوتی ذخیرہ شکر میں منتقل
 شاہیں گدائے دانہ عُصفور ہو گیا
 لیکن فقیہ شہر نے جس دم سنی یہ بات
 گرام کے مثل صاعحتہ طور ہو گیا
 'ذوقی کا مال شکرِ سلم پہ ہے حرام،
 فتویٰ تمام شہر میں مشہور ہو گیا
 چھوٹی نہ تھی یہود و نصاریٰ کا مال فوج
 سلم خدا کے حکم سے مجبور ہو گیا

غلام قادر مسیحا

زہیلہ قدس عالم جفا جو، کینہ پرورتھا
 نکالیں شاہ تیموری کی آنکھیں نول خنجر سے
 دیا اہل حرم کو رقص کا فرماں ستم کرنے
 یہ انداز ستم کچھ کلم نہ تھا آسمانِ شہر سے
 بھلا سیل اس فرمانِ غیرت کُش کی ممکن تھی
 شنشاپی حرم کی نازنمیانِ سمن سے
 بنایا آہ اسامانِ طرب بیدنے ان کو
 نہاں تھا حسن جن کا چشم مہر ماہِ اختر سے
 لرزتے تھے دل نازک قدم مجبورِ جنسیت تھے
 رواں دریائے خون شہزادیوں کے دیدتے
 یونہی کچھ دیر تک مجھ نظر آنکھیں رہیں اس کی
 کیا گھبرا کے پھر آزاد سر کو بارِ مغفرت سے
 کمرے اٹھ کے تیغ جاں آستانِ آتش فشاں کھولی
 بس آموڑا باہالی ہوں انجم جس کے جہر سے

۲۲۶
 بانگِ درا
 ۲۳۰

رکھا خنجر کو آگے اور پھر کچھ سوچ کر لیٹا
 تقاضا کر رہی تھی عنید کو یا چشمِ احمر سے
 بجاتے خوابے پانی نے غلڑا اس کی آنکھوں کے
 نظر شرارتی ظالم کی دردناک منظر سے
 پھر اٹھا اور تیموری حرم سے یوں لٹکانے
 شکایتِ حیاتِ تم کو نہ کچھ اپنے مقدر سے
 مر اسند پر سو جانا بناوٹ تھی تکلف تھا
 کہ غفلت و دور سے شانِ صفا ایسا لشکر سے
 یہ مقصد تھا مرا اس سے کوئی تیمور کی بیٹی
 مجھے غافل سمجھ کر مار ڈالے میرے خنجر سے

بگر یہ از آخر کھل گیا سارے زمانے پر
 حجت نام ہے جس کا گتہ تھی تھوکے لٹھر سے

ایک مکتوب

اک مُرغ سرنے یہ کہا مُرغ ہوا سے
 پرواز، خصوصیتِ ہر صاحبِ پر ہے
 گرتو ہے ہوا کی توڑ ہوں میں بھی ہوا کی
 مجروحِ جمیتِ جو ہوتی مُرغ ہوا کی
 پرواز اگر تو ہے تو کیا میں نہیں پرواز!
 کیوں رہتے ہیں مُرغِ ان ہوا مائل بنداز؟
 از او اگر تو ہے نہیں میں بھی گرفتار
 یوں کہنے لگا سن کے یہ لفظِ دلِ آزاد
 کچھ شک نہیں پرواز میں آزاد ہے تو بھی
 کیوں رہتے ہیں مُرغِ ان ہوا مائل بنداز؟
 یوں کہنے لگا سن کے یہ لفظِ دلِ آزاد
 حد ہے تری پرواز کی لسیکن بس پرواز

۲۲۷
 بانگِ رستا
 ۲۳۱

واقف نہیں تو بہت مرغان ہو اسے تو خال شہین انھیں فوں سے سڑکار

تو مرغ سدرائی، خوش از خاک بگھٹائی

ماور صد و دانہ بہ جسم زوہ منقار

میں اور تو

مذاق دیدیے نا آشنا نظر سے ہری تری نگاہ ہے فطرت کی رازواں پھر کیا

رہین شکوہ ایام ہے زبان مری تری مراد پہ ہے دور آسمان پھر کیا

رکھا مجھے حین آوارہ مثل موج نسیم عطا فلک کے کیا تجھ کو آشیان پھر کیا

فزون ہے سوو سے سرمائے حیات ترا مرے نصیب میں ہے کاوش زبان پھر کیا

ہوا میں تیرے پھرتے ہیں تیرے طیارے مرا جس نے محرم ماہ بان پھر کیا

قوی شدیم چشما تو ان شدیم چشما

چنیں شدیم چشما چیاں شدیم چشما

بہیج کونہ دریں ہرستان قرار سے

تو لہر بہا شدی ماخراں شدیم چشما

۲۲۸
بانگ سے در
۲۳۲

تضمین بر سر ابو طالب کلیم

خوبے تجھ کو شعار صاحب شربت کا پس
 کہہ رہی ہے زندگی تیری کہ تو مسلم نہیں
 جس سے تیرے حلقہٴ مفاہم میں فریادوں کا سیر
 اے سلیمان! تیری غفلت نے گنوا یا وہ نگہیں
 وہ نشانِ بجدہ جو روشن تھا کولب کی طرح
 ہو گئی ہے اس سے اب ناشناخت تیری جہیں
 دیکھ تو اپنا عمل، تجھ کو نظر آتی ہے کیا
 وہ صداقت جس کی بے باکی تھی حیرت آفرین
 تیرے آبا کی زبکہ بجلی تھی جس کے واسطے
 ہے وہی باطل تھے کا شانہٴ دل میں مکھیں
 غافل اپنے ایشیاں کے پھر ابا و کر
 نغمہٴ زن ہے یہ طورِ معنی پر کلیم نکلے ہیں

”سرکشی باہر کہ کر دہی رام او بایشدن

شعلہ ساں از پھر کجا بر خاستی آنجا شیں“



شبلی و سالی

مسلم سے ایک وزیرِ قبائل نے کہا
 تیرے سرورِ وقت کے نفعِ علوم تو
 پتھر ہے اس کے واسطے موجِ نسیم بھی
 مردانِ کارِ ڈھونڈ کے اسبابِ حادثا
 پوچھ ان سے جو چین کے ہیں درینہ ازوا
 مسلم کے کلام سے بے تاب ہو گیا
 کہنے لگا کہ دیکھ تو کیفیتِ خسراں
 خاموش ہو گئے چینستان کے ازوا
 شبلی کو روئے ہے تھے ابھی اپنی کلبستان
 دیوانِ خیز و گل میں تھے سیرا وجودِ فرد
 تہذیبِ تیری و تلافیٰ کئے کھن کی گرد
 نازل بہت ہے آئندہ ازبوتے مرد
 کرتے ہیں چارہ شتم چرخِ لا جورد
 کیونکر پونی خسراں تری گشتِ سہم نبرد
 غماز ہو گئی عنہم پنہاں کی اہ سرد
 اوراق ہو گئے گشتِ زندگی کے زرد
 ساریہ لدا از تھی جن کی نوائے درد
 حالی بھی ہو گیا سوتے فردوسِ نور

”الکون کراد ملغ کہ پر سدر باغبان
 نعل چلفت و گل چشنید و صبا چ کرد“

۲۵۰
 بانگِ درا
 ۲۳۲

ارتقا

ستیزہ کار رہا ہے ازل سے تا امروز
 حیات شعلہ مزاج و غیور و شور آئینہ
 سکوٹِ شام سے تا غمِ سحر کا ہی
 کشاکشِ نرم و گرم و گرم و خراش
 چرائعِ مصطفویٰ سے شرارِ بولہبی
 سیرتِ اس کی ہے مشکل کشی، جفا طلبی
 ہزار مرسلہ ہاتے فغانِ نیم شبی
 زخاںِ تیر و زووں تا بہ شیشہِ حلبی
 میانِ قطرِ نمیان و آتشِ عنبی
 مقامِ بست و شکست و فشار و سوز و کشید
 اسی کشاکشِ سچیم سے زندہ ہیں اقوام
 یہی ہے ارتقا و ترقی و ترقی و عربی

”معاں کہ دانہ انجور آب می سازند

ستارہ می شکنند آفتاب می سازند“



صدیق رضی

اک دن رسول پاکؐ نے اصحاب کے کہا
 ارشاد من کے فرط طرب سے عمر اٹھے
 دل میں یہ کہہ رہے تھے کہ صدیق رضیؓ
 لائے عرض کندہ مال رسول امین کے پاس
 وہ چھپا حضورؐ فر عالم نے اے عمر!
 رکھ لے کچھ عیال کی خاطر بھی تو نے کیا؟
 دس مال راہ حق میں جمع ہوں تم میں مال دار
 اُس روز ان کے پاس تھے درہم کتنی ہزار
 بڑھ کر رکھے گا آج وقت دم میرا راہوار
 ایسا رکلی ہے دست نگر ابتدا سے کار
 اے وہ کہ جو جس حق سے تڑپے دل کو ہے قرار
 مسلم ہے اپنے خویش و اقارب کا حق لڑا

کی عرض نصف مال ہے فرزند زین کا حق

باقی جو ہے وہ ملت بیضا پہ ہے نثار

اتنے میں وہ رسیق نبوت بھی کیا
 لے آیا اپنے ساتھ وہ مرد و فاسرشت
 ملک یمن درہم و دینار و خست و جنس
 بولے حضورؐ چاہیے منکر عیال بھی
 جس سے بنائے عشق و محبت ہے استوا
 ہر چیز جس سے چشم جہاں میں ہو اعتبار
 اسپہ قمر سم و شتر و تاطر و حمار
 کہنے لگا وہ عشق و محبت کا رازوار

۲۵۲
 باقی ہے رہا
 ۲۳۶

اے تجھ سے دیدہ مرد و انجسم فروغ گیر! اے تیری فرست باعثِ تکوین روزگار!

پرانے کو چراغ ہے بلبل کو پھول بس

جہدِ حق کے لیے ہے خدا کا رسول بس

تہذیبِ حاضر

تضمین بر شاعرِ فرضی

بھڑک اٹھا بھبھوکا بن کے مسلم کا ترخا کی

کوئی دیکھے تو شوخی آفتابِ جلوہ سما کی

یہ رعنائی، یہ بیداری، یہ آزادی، یہ بے باکی

ہنسسی سمجھی لٹی فٹن میں غنچوں کی جگر چاکی

مناظر، لکٹا دلہلائی ساحر کی چالاکی

رقابت، خود فراموشی، ناشکیبائی، ہوساکی

مگر کہتی ہے پرانوں سے میری کہنہ اورا کی

چومن آتش خود سو اگر سوئے رواری

حرارت ہے بلا کی بادۂ تہذیبِ حاضر میں

کیا دتے کو جلنوے کے تابِ مستعار اس نے

نئے انداز پاتے نوجوانوں کی طبیعت نے

تغیر آگیا ایسا تدبیر میں تختیل میں

کیا کم تازہ پروازوں نے اپنا آسماں لیکن

حیاتِ تازہ اپنے ساتھ لائی لذتیں کیا کیا

فروغِ شمعِ نو سے بزمِ مسلم جگمگا اٹھی

”تو اے پرانا، ایں گھر میں شمعِ محفلِ اری

۲۵۳
بانگِ درا
۲۳۷

والد مرحومہ کی یاد میں

ذرہ ذرہ دھیر کا زندانی تقدیر ہے
 پردہ مجبوری و بے چارگی تدبیر ہے
 آسماں مجبور ہے، شمس و ستارے مجبور ہیں
 انجم سیلابِ پافتار پر مجبور ہیں
 ہے شکست انجامِ غنچے کا سب گولزار میں
 سبزہ و گل بھی ہیں مجبور نہ گولزار میں
 نغمہ بلبلی ہو یا آوازِ خاموشیِ ضمیر
 ہے اسی زنجیرِ عالم گیر میں پرشہ اسیر
 آنکھ پر ہوتا ہے جب یہ سترِ مجبوری عیاں
 خشک ہو جاتا ہے دل میں اشک کا سیلِ رواں

۲۵۲
 بانگِ راز
 ۲۳۸

قلبِ انسانی میں رقصِ عیش و نعم رہتا نہیں
 نغمہ رہ جاتا ہے، لطفِ زیر و بم رہتا نہیں
 علم و حکمت رہن سہن سامانِ اشک و آہ ہے
 یعنی اک الماس کا ٹکڑا دل آگاہ ہے
 گرچہ میرے باغ میں شبنم کی شادابی نہیں
 آنکھ میری مایہ دارِ اشکِ عجبابی نہیں
 جانستاپوں آہ، میں آلامِ انسانی کا راز
 ہے نوائے شکوہ سے خالی مری فطرت کا ساز
 میرے لب پر قصۂ نسیبِ زلی و وراں نہیں
 دلِ مرا حیراں نہیں، خداں نہیں، گریاں نہیں
 پر تری تصویرِ قاصدِ گریہِ پیہم کی ہے
 آہ! یہ ترویدِ میری حکمتِ محکم کی ہے
 گریہِ سرشار سے بنیادِ جاں پائندہ ہے
 درد کے عرفاں سے عقلِ سنگدلِ شرمندہ ہے

۲۵۵
 بانگِ درا
 ۲۳۹

موج دُودِ آہ سے آئینہ ہے روشن مرا
 گنج آب اور دے مئے مسور ہے دامن مرا
 حیرتی ہوں میں تری تصویر کے اعجاز کا
 رُخ بدل ڈالا ہے جس نے وقت کی پرواز کا
 رفتہ و حاضر کو لویا پاپا اس نے کیا
 عہدِ طفلی سے مجھے پھر آشنا اس نے کیا
 جب ترے دامن میں پکتی تھی وہ جانِ ناتواں
 بات سے اچھی طرح محرم نہ تھی جس کی زباں
 اور اب چرچے ہیں جس کی شوخیِ گفتار کے
 بے بہا موتی ہیں جس کی چشمِ گوہر بار کے
 علم کی سنجیدہ گفتاری، بڑھاپے کا شعور
 دنیوی اعزاز کی شوکت، جوانی کا غرور
 زندگی کی اوج کا ہوں سے اتر آتے ہیں ہم
 صحبتِ مادر میں طفیلِ سادہ رہ جاتے ہیں ہم

۲۵۶
 بانگِ درا
 ۲۲۰

بے تکلف خندہ زن ہیں، فکر سے آزاد ہیں
 پھر اسی کھوتے ہوئے فردوس میں آباد ہیں
 کس کو اب چوکا وطن میں آہ امیرا تظنار
 کون میرا خط نہ آنے سے رہے گا بے قرار
 خاکِ مرقد پر تری لے کر یہ منسریاؤں کا
 اب دعائے نیم شب میں کس کو میں یاد آؤں گا
 تربیت سے تیری میں انجسم کا ہم قسمت ہوا
 گھر میرے اجداد کا سرمایہ عزت ہوا
 دفتر ہستی میں تھی زریں ورق تیری حیات
 تھی سراپا دین و دنیا کا سبق تیری حیات
 عمر بھر تیری محبت میری خدمت گر رہی
 میں تری خدمت کے قابل جب ہوا تو چل بسی
 وہ جواں، قامت میں ہے جو صورتِ سرو بلند
 تیری خدمت سے ہوا جو مجھ سے بڑھ کر بہر مند

۲۵۷
 بانگِ درا
 ۲۲۱

کاروبارِ زندگانی میں وہ ہم پہلو مرا
 وہ محبت میں تری تصویر، وہ بازو مرا
 تجھ کو مثلِ طفلِ بے دست و پا روتا ہے وہ
 صبر سے نا آشنا صبح و ساروتا ہے وہ
 تنہم جس کا تو ہماری کشتِ جاں میں بولتی
 شکرِ عنعم سے وہ اُلفت اور محکم ہو گئی

آہ! یہ دنیا، یہ ماتمِ حنائہ برنا و پیر
 آدمی کے کس طلسمِ دوشس و فردا میں اسیر!
 کتنی مشکل زندگی ہے کس قدر آساں ہے موت
 گلشنِ ہستی میں مانندِ نسیمِ ارزاں ہے موت
 زلزلے ہیں، بجلیاں ہیں، قحط ہیں، آلام ہیں
 کیسی کیسی دُخستراں ماورِ ایام ہیں!
 کلبۂ افلاس میں دولت کے کاشانے میں موت
 دشت و درمیں شہر میں، گلشن میں ویرانے میں موت

۲۵۸

بانگِ درا

۲۲۲

موت ہے پنگامہ آرا شکر نم خاموش میں

ڈوب جاتے ہیں سفینے موج کی اغوش میں

نئے مجالِ شکوہ ہے، نئے طاقتِ کفست ہے

زندگانی کیا ہے، اک طوقِ کلو افسار ہے!

قلقلے میں غیرِ نیر اور کچھ بھی نہیں

اک مستعارِ ویدہ تر کے سوا کچھ بھی نہیں

ختم ہو جائے گا لیکن امتحاں کا دور بھی

ہیں پس نہ پروہ کر دوں ابھی دور اور بھی

سینہ چاک اس گلستاں میں لالہ و گل ہیں تو کیا

نالہ و سنہ یاد پر محسوسِ نسل ہیں تو کیا

جھاڑیاں جن کے قفس میں قید ہے آہ خزاں

سبز کروے گی انھیں باور بہار جاو واپ

خفتہ خالک پے سپر میں ہے شرار اپنا تو کیا

عارضی محسل ہے یہ مشتِ غبار اپنا تو کیا

۲۵۹
بانگِ درا
۲۲۳

زندگی کی آگ کا انجم خاکستر نہیں ٹوٹنا جس کا مستدر ہو یہ وہ کوہر نہیں

زندگی محبوب ایسی دیدہ و شدت میں ہے
ذوقِ حقیقہ زندگی ہر چیز کی فطرت میں ہے
موت کے ہاتھوں سے مٹ سکتا اگر نقشِ حیات
عام یوں اس کو نہ کر دیتا لطفِ نامِ کائنات
سے اگر ارزاں تو یہ سمجھو اجل کچھ بھی نہیں
جس طرح سونے سے جینے میں خلل کچھ بھی نہیں
آہِ غافلِ موت کا راز نہاں کچھ اور ہے
نقش کی ناپائنداری سے عیاں کچھ اور ہے
جنتِ نظارہ ہے نقشِ ہوا بالائے آب
سوجِ مضطر توڑ کر تعمیر کرتی ہے جناب
سوج کے دامن میں پھر اس کو چھپا دیتی ہے یہ
کتنی بیدرومی سے نقش اپنا مٹا دیتی ہے یہ

۲۶۰
بانگِ راز
۲۲۲

پھر نہ کر سکتی جناب اپنا اگر پیدا ہوا
 توڑنے میں اُس کے یوں ہوتی نہ بے پروا ہوا
 اس روش کا کیا اثر ہے ہیئتِ تعمیر پر
 یہ تو حجت ہے ہوا کی قوتِ تعمیر پر
 فطرتِ مستی شہیدِ ارزو رہتی نہ ہو
 خوب تر پیکر کی اس کو جستجو رہتی نہ ہو
 اہ سیاب پریشاں، انجسمِ لردوں فرور
 شوخ یہ چنگاریاں، ممنونِ شب ہے جن کا سوز
 عقل جس سے سر بہ زانو ہے وہ دستِ ان کی ہے
 سرگزشتِ نوعِ انساں ایک ساعتِ ان کی ہے
 پھر یہ انساں اُس سوتے افلاک ہے جس کی نظر
 قدسیوں سے بھی مستاصد میں ہے جو پاکیزہ تر
 جو مثالِ شمعِ روشنِ محسنِ قدرتِ میں ہے
 انساں اُل نقطہ جس کی وسعتِ فطرت میں ہے

۲۶۱
 بانگِ درا
 ۲۲۵

جس کی نادانی صداقت کے لیے بیٹا ہے
 جس کا ناخن ساز ہستی کے لیے مہضرا ہے
 سعلہ یہ کمرے لروؤں کے شراروں سے بھی کیا
 کم بہا سے افتاب اپنا ستاروں سے بھی کیا
 شخم گل کی آنکھ زیر خاک بھی بے خوا ہے
 کس قدر نشوونما کے واسطے بے تاب ہے
 زندگی کا سعلہ اس دانے میں جو ستور ہے
 خود سائی، خود نزاری کے لیے مجبور ہے
 سردی مرتد سے بھی افسردہ ہو سکتا نہیں
 خال میں دب کر بھی اپنا سوز کھوسکتا نہیں
 پھول بن کر اپنی تربت سے نکل آتا ہے یہ
 موت سے گویا قبائے زندگی پاتا ہے یہ
 ہے لحد اس قوتِ اشفتہ کی شیرازہ بند
 ڈالتی ہے لرون لروؤں میں جو اپنی کسند

۲۶۲
 بانگِ درا
 ۲۲۶

موت، تجسید مذاق زندگی کا نام ہے
 خواب کے پرے میں بیداری کا ال پیغام ہے
 خاکِ پرواز کو پرواز میں ڈر کچھ نہیں
 موت اس گلشن میں جز سنجیدن پر کچھ نہیں
 کہتے ہیں اہل جہاں درواہِ جہاں ہے لاوا
 زخمِ فرقت وقت کے مرہم سے پاتا ہے شفا
 دل سحر، غم مرنے والوں کا جہاں آبا ہے
 حلقہٴ پنجبیر صبح و شام سے آزاد ہے
 وقت کے افسوں سے تھمتا نالہ ماتم نہیں
 وقت زحیم تیغِ فرقت کا کوئی مرہم نہیں
 سر پہ آجاتی ہے جب کوئی مصیبت ناہماں
 اشکِ پیہم دیدۂ انساں سے ہوتے ہیں رواں
 ربط ہو جاتا ہے دل کو نالہ و سرباوی سے
 خونِ دل بہتا ہے آنکھوں کی سرشکِ باد سے

۲۶۳
 بانگِ صبر
 ۲۲۷

آدمی تابِ شکیبائی سے گو محروم ہے
 اس کی فطرت میں یہ اک احساسِ نامعلوم ہے
 جو ہر انسانِ عدم سے آشنا ہوتا نہیں
 آنکھ سے غائب تو ہوتا ہے فنا ہوتا نہیں
 رختِ ہستی خاکِ عینم کی شعلہ افشانی سے ہے
 سرورِ یہ اک اس لطیف احساس کے پانی کے ہے
 آہ، یہ ضبطِ فغانِ غفلت کی حنا موٹی نہیں
 آگہی ہے یہ دلِ آسانی، فنا موٹی نہیں
 پردہٴ مشرق سے جس دم جلوہ گر ہوتی ہے صبح
 داغِ شب کا دامنِ آفاق سے دھوتی ہے صبح
 لالہٴ افسردہ کو آتشِ قبک کرتی ہے یہ
 بے زباں طائر کو سرمستِ نوا کرتی ہے یہ
 سینہٴ بلبیل کے زنداں سے سرودِ آزاد ہے
 سیکڑوں نعیموں سے باوجود ہم آباد ہے

۲۶۲
 بانگِ رجا
 ۲۲۸

حُفَّتْ تِجَارَاتُ لَالِ زَارِ وَ كُؤُوسِ سَارِ وَ رُؤُودِ بَارِ
 ہوتے ہیں آخر عروسِ زندگی سے ہملندار
 یہ اگر آئینِ بستی ہے کہ ہو ہر شامِ صبح
 مرقدِ انساں کی شب کا کیوں نہ ہو آنچلِ صبح
 دامِ سیمینِ تخیل ہے مرا آفتابِ کیر
 کر لیا ہے جس سے تیری یاد کو میں نے اسیر
 یاد سے تیری دلِ دردِ آشنا مہمور ہے
 جیسے کعبے میں دعائوں سے فضا مہمور ہے
 وہ فراتض کا تسلسل نام ہے جس کا حیات
 جلوہ گا ہیں اُس کی ہیں لاکھوں جہانِ بے ثبات
 مختلف ہر نزلِ ہستی کی رسم و راہ ہے
 آخرت بھی زندگی کی ایک جولاں گاہ ہے
 ہے وہاں بے حاصلی رشتِ اجل کے واسطے
 سازگار آب و ہوا تحنیمِ عمل کے واسطے

۲۶۵

ماگھ کے دریا

۲۶۹

نورِ فطرتِ طلعتِ سپیکر کا زندانی نہیں
 تنگ ایسا حلفتِ افکارِ انسانی نہیں
 زندگانی تھی تری مہتاب سے تابندہ تر
 خوب تر تھا صبح کے تارے سے بھی تیرا سفر
 مثلِ ایوانِ سحرِ مرقدِ شروازاں جو ترا
 نور سے مسوریہ خالی شبستاں جو ترا
 آسماں تیری لحد پر شبنم افشانی کے
 بسزہ نور ستہ اس گھر کی نہیبانی کے

شعاعِ آفتاب

صبح جب میری نلکہ سودائی نظر تھی
 میں نے پوچھا اس کے سر پر اضطراب
 آسماں پر اک شعاعِ آفتاب آوارہ تھی
 تیری جانِ ناشکیبایا میں نے کیسا اضطراب
 کر رہا ہے خرمینِ اقوام کی خاطر جواں
 تو کوئی چھوٹی سی بسلی ہے جس پر آسماں

۲۶۶
 بانگِ دل
 ۲۵۰

یہ ٹرپے یا ازل سے تیری خوشی کیا ہے یہ
رقص سے آوارگی سے جستجوئے کیا ہے یہ؟

”خفتہ ہنگامے ہیں میری سستی خاموش میں
مضطرب ہر دم مری تقدیر رکھتی ہے مجھے
پروش پاتی ہے میں نے صبح کی آغوش میں
جستجو میں لذتِ تنویر رکھتی ہے مجھے
مہرِ عالم تاب کا پیغام بیداری ہوں میں
راستے کے جو کچھ چھپا رکھا تھا دکھلاؤں گی یہ
سُرمہ بن کر چشمِ انساں میں جاؤں گی یہ

تیرے مستوں میں فوجی ہو جائے بشاری بھی ہے
سونے والوں میں کسی کو ذوقِ بیداری بھی ہے؟

عُرفی

محل ایسا کیا تعمیر و سزائی کے تختل نے
فضائے عشق پر تھرری کی اس نے نو ایسی
تصدیق جس پر یہ تیرے خانہ سینا و فارابی
میسر جس کے ہیں آنکھوں کو اب تک اشکِ غنابی
نہیں ہنگامہ عالم میں اب سامانِ بیستابی
کہ رخصت ہو گئی دنیا کے کیفیت و سیلابی
مزاج اہل عالم میں تغیر کیا ایسا

فغانِ نیم شبِ شاعر کی بارگوشن ہوتی ہے نہ ہو جب چشمِ محفلِ آشنا کے لطفِ لبِ خوابی
 کسی کا شعلہ فریادِ سوِ ظلمتِ بالینو کو گراں ہے شبِ بستوں پر سحر کی آسمانِ تابی
 صد اُترتے آئی ”شکوۃ اہل جہاں کم کو نوارِ تلخِ ترمی زین چو فوقِ نغمہ کم یابی
 حدیٰ اتیر ترمی خاں چو حملِ الراں بینی“

ایک خط کے جواب میں

جوس بھی ہو تو نہیں مجھ میں بہت تک و تازہ حصولِ جاہ ہے ابستہ مذاقِ تلاش
 ہزار شکر، طبیعت ہے ریزہ کار مری ہزار شکر، نہیں ہے دماغِ فتنہ تراش
 مے سخن سے لوں کی ہیں کھیتیاں سرسبز جہاں میں جوں میں مسائلِ سحابِ یا پاش
 یحقرہ ہاتے ریاستِ تجھے مبارک ہو کہ فیضِ عشق سے ناخن مر ہے سینہ خراش
 ہوتے بزمِ سلاسیں و لیلِ مُرودہ ولی کیا ہے حافظِ رنگیں نوانے راز یہ فاش

”گرت ہو است کہ باخضر ہم نشین باشی
 نہاں ز چشمِ کندر چو آبِ حیاں باشی“



۲۶۸
 بانگِ درا
 ۲۵۲

نامانک

قوم نے سپینا کو تم کی ذرا پڑانہ کی
 آہ اب قسمت سے آوار حق سے خبر
 اشکار اس نے لیا جو زندگی کا راز تھا
 شمع حق سے جو منور ہو یہ وہ محفل نہ تھی
 آہ! شور کے لیے ہندوستان غم خانہ ہے
 برہمن سر شل ہے اب تک سے پندار میں
 بت لہ پھر بعدت کے طر روشن ہوا
 قدر پہچانی نہ اپنے کو ہر ایک ڈانڈ کی
 غافل اپنے بھل کی شیرینی سے ہوتا ہے شجر
 ہند کو لیکن خیالی فلسفے پر ناز تھا
 بارشِ حیرت جوتی لیکن زمین قابل نہ تھی
 درو انسانوں سے اس بستی کا دل بگائے ہے
 شمع کو تم جل رہی ہے محفل غیبی میں
 نور ابراہیم سے آزد کا گھر روشن ہوا

پھر اٹھی آخر صد اوحید کی پنجاب سے
 ہند لو ال مردو کال نے جکایا خواب سے



نظر و اسلام

تضمین بر شمعِ رضی دانش

ایک دن اقبال نے پوچھا کلیم طو سے
 آتشِ نمرود ہے اب تک جہاں میں شعلہ بیز
 تھا جو اب صاحبِ سینا کہ سلم ہے اگر
 ذوقِ حلیے تو پھر لازم ہے ایساں خلیں
 ہے اگر دیوانہ غائب تو کچھ پڑا نہ کر
 عارضی ہے شانِ حاضر، سلطوتِ غائب مدام
 شعلہ نمرود ہے روشن زمانے میں تو کب
 اے کہ تیرے نقشِ پایے اومی سینا چمن
 ہو گیا آنکھوں کے پنہاں کیوں ترا سو زکھن
 چھو کر غائب کو تو حاضر کا شیدائی نہ بن
 ورنہ خاکِ تر ہے تیری زندگی کا پیہن
 غنظرہ اومی فنِ سراں میں ہو کز خیمہ زن
 اس وقت کو محبت سے ہے بھڑ جان و تن
 ”شمع خود رومی کداز و دریاں سخن آہن
 نورِ ماچوں آتشِ سنگ از نظر پنہاں خوشست“



۲۴۰
 بانٹا سے ورا
 ۲۵۲

بدل

لکھا ہے ایک مغربی حق شناس نے
 جولان کہ سکندر رومی تھا ایشیا
 تاریخ کہہ رہی ہے کہ رومی کے سامنے
 دنیا کے اُس شہنشاہ انجم سپاہ کو
 اپنی قلم میں جس کا بہت احترام تھا
 کہوں سے بھی طبعاً اُس کا مقام تھا
 دعویٰ کیا جو پوس وارانے جن تھا
 حیرت سے دیکھتا فلک نسیل فام تھا

آج ایشیا میں کس کوئی جانتا نہیں

تاریخ دان بھی اُسے پہچانتا نہیں

لیکن بدل، وہ حبشی زوہ چھتیر
 جس کا امین ازل سے ہوا سینہ بدل
 ہوتا ہے جس سے اسوہ جسم میں اختلاط
 ہے تازہ آج تک وہ نواتے جگر کداز
 فطرت تھی جس کی نوز بہوت سے سُستیر
 محکوم اُس صدا کے ہر شاہنشہ فقیر
 کرتی ہے جو غریب کو ہم پہلوتے میر
 صدیوں سے سن رہے جسے خوش چرخ میر

اقبال کس کے عشق کا فیض عام ہے

رومی فنا ہوا، حبشی کو دوام ہے

مسلمان اور تسلیم چہ

تضمین برسر ملک قہمی

مرشد کی یہ تسلیم تھی اسے تسلیم شوریہ
 بدلی زلمے کی ہوا، ایسا نیت کر گیا
 وہ شعلہ روشن تر ظلمت گریزاں جس سے تھی
 شیدا آئی غائب نہ رہا دیوانہ سے جو جو
 ممکن نہیں اس مانع میں کوشش ہو بار آور سہمی
 اس دور میں تسلیم ہے امراض ملت کی وا
 رہبر کے ایسا سے ہوا تعلیم کا سو واجبے
 لیکن جانچتے ہیں دیکھے زبوں بختی مری
 لازم ہے ہر پروکے لیے دنیا میں سامان سفر
 تھے جو دران قیمت کبھی اب میں متاع کس مخز
 کھٹ کر ہوا مثل شہر تاسے سے بھی کم نور تر
 غالب ہے اب اقوام پر موجود حاضر کا اثر
 فرسودہ ہے پھندا ترا، زیر ک سے مخرج تیز پچ
 ہے خون فاس کے لیے تعلیم مثل شیر
 واجب ہے صحیحہ اگر رو پر تحصیل فرمان خضر
 ”رفتم کہ خار از پاشتم، محمل نہاں شد از نظر
 یک لحظہ غافل شتم و صد سالہ اسلم فرسودہ“



۲۷۲
بانگے دل
۲۵۶

پھولوں کی شہزادی

کھلی سے کہہ رہی تھی ایک دشمنم گھٹان میں
 رہی میں ایک مدت غمخیزے باغِ رضوان میں
 تھکے گھٹان کی کیفیت سرشار ہے ایسی
 نگہ فرودوس و امن ہے میری چشم حیران میں
 سن ہے کوئی شہزادی ہے حاکم اس گھٹان کی
 کہ جس کے نقش پا سے پھول جون پیدایاں میں
 کبھی ساتھ اپنے اس کے اتان تک مجھ کو لے چل
 چھپا کر اپنے دہن میں رنگ موج بو لے چل

کھلی بولی سرریہ ہماری ہے وہ شہزادی
 درخشاں جس کی ٹھوکر سے پونچھ بھی نکلیں بن
 مگر فطرت تری آفتندہ اور کیم کی شان اونچی
 نہیں ممکن کہ تو پہنچے ہماری ہم شمس بن
 پہنچ سکتی ہے تو لیکن ہماری شہزادی تک
 کسی دکھ درد کے کماے کا اشک اشیں بن
 نظر اس کی پیام عید سے اہل محترم کو
 بنا دیتی ہے کو ہر غم زودوں کے اشک سہم کو

تضمین بر شعریات

کہاں اقبال تونے بنایا اشیاں اپنا
 نوا اس باغ میں بسبل کو ہے ساہن رسوائی

۲۴۳
 بانگِ درا
 ۲۵۷

شرائے ادوی امین کے ثبوت تو ہے لیکن
 کلی زور نفس سے بھی ہاں گل ہو نہیں سکتی
 قیامت ہے کہ فطرت سولتی اہل گلستاں کی
 دل کاہ جب ابید ہو جاتے ہیں سینوں میں
 نہیں ضبط نوا ممکن تو اڑ جا اس گلستاں سے
 کہ اس محفل سے خوشتر ہے کسی صحرائی تنہائی

”ہماں بہتر کی سلی دریا باں جلوہ کر باشد
 نثار ونگنای شہر تابِ حسن صحرائی“

فردوس میں ایک مکالمہ

ہاتف نے کہا مجھ سے کہ فردوس میں اک واز
 اے آنکہ زور لہر نظم فکتاب
 کچھ کیفیت مسلم ہندی تو بیاں کر
 مذہب کی حرارت بھی ہو لچھ اس کی لوں میں؟
 باتوں سے پویشیخ کی حالی مست اثر
 حالی سے مخاطب ہوئے یوں سعدی شیراز
 دامن بہ چرخ مرہ خست زردہ امی باز!
 واما نڈہ منزل ہے کہ صرف تک تاز
 تھی جس کی فلک سے زبھی لرمی آواز
 رورو کے لگا کہنے کہ اے صاحب اعجاز

۲۶۲
 باقی ہے در
 ۲۵۸

جب پیر فلک نے ورق ایام کا اسٹ
 آیا ہے مگر اس کے عقیدوں میں تزلزل
 دین ہو تو صفت احد میں بھی پیدا ہو جائیگی
 مذہب کے سہ اسمی اسرار ہے باقی
 بنیاد لہز جاتے جو دیوارِ حسن کی
 پانی نہ ملا زمزم ملتے جو اس کو
 یہ ذکر حضورِ شریف میں نہ کرنا
 اتنی یہ صفا، پاؤں کے تعلیم سے اسرار
 دنیا تو ملی بٹا ارد میں لکیر پر از
 فطرت سے جانوں کی نہیں لکیر میں تاز
 دین بجز ہے جمعیت ملتے کے الرساہ
 ظاہر ہے کہ انجمنِ فلسفہ کا ہے آغاز
 پیدا ہیں نئی نوو میں الحاد کے انداز
 سمجھیں نہ کہیں ہند کے سلم مجھے نماز

خُرماتواں یافت ازاں خار کشتیم
 دیباستواں یافت ازاں پشتم کہ رشتیم
 (سعدی)

مذہب

تضمین بشر میرزا بیدل

تعلیم پیر فلسفہ مغربی ہے یہ
 پیرا نظر سے نہ ہو آشنا تو کیا
 ناواں ہیں جن کو ہستی غائب کی ہے تلاش
 ہے شیخ بھی مثالِ برہمن صنم تراش

محوس پر پناہ عیسوم جدی کی
 مذہبی جس کا نام وہ ہے اک جنون خام
 اس فور میں ہے شیشہ عقیقہ کا پاش پاش
 جسے جس آوی کے تختیل کو انتہا
 کہتا ہے فلسفہ زندگی کچھ اور
 مجھ پر کیا یہ مرشد کامل نے راز فاش
 ”باہر کمال اند کے اشفتگی خوش است
 پر حینہ تسل کل شدہ امی بے جنوں مباح“

جناب یرموک کا ایک واقعہ

صفت تھی عرب کے جوان تیغ بند
 اک نوجوان صورت سیاب مضطرب
 تھی منتظ جنالی عروس زمین شام
 اکڑ ہوا ایسا عساکر سے ہم کلام
 لے بوسیدہ رخصت پیکار سے مجھے
 بے تاب ہو رہا ہوں فراق رسول میں
 جاتا ہوں میں حضور رسالت پناہ میں
 یہ ذوق و شوق دیکھ لے پر غم ہوئی وہ آنکھ
 بولا ایسا رنج کہ ”وہ نوجوان ہے تو
 تھی منتظ جنالی عروس زمین شام
 اکڑ ہوا ایسا عساکر سے ہم کلام
 لے بوسیدہ رخصت پیکار سے مجھے
 بے تاب ہو رہا ہوں فراق رسول میں
 جاتا ہوں میں حضور رسالت پناہ میں
 یہ ذوق و شوق دیکھ لے پر غم ہوئی وہ آنکھ
 بولا ایسا رنج کہ ”وہ نوجوان ہے تو

۲۶۶
 بانگ درا
 ۲۶۰

پوری کرے خدا نے مستد تری مراد کتنا بلند تیری محبت کا ہے مقام
پہنچے جو بارگاہِ رسولِ امیں میں تو کرنا یہ عرض میری طرف سے پس از سلام

ہم پر کرم لیا ہے خدا نے غمور نے
پوئے سوتے جو وعدے کیے تھے حضور نے

مذہب

اپنی ملت پر قیاس تو اہم مغرب کے نہ کر خاص ہے ترکیب میں قومِ رسولِ ہاشمی
ان کی جمعیت کا ہے ملک و نسب پر انحصار قوتِ مذہب سے حکم ہے جمعیت تری

دامن دیں ہاتھ سے چھوٹا تو جمعیت کہا
اور جمعیت ہوئی رخصت تو ملت بھی لٹی

پوستہ ہر شاخ سے ہمیں دیہا ررکھ

ڈالی لٹی جو فصل خزاں میں شجر سے ٹوٹ ممکن نہیں بہری ہو سحاب بہا سے
ہے لازوال عہد خزاں اس کے واسطے کچھ واسطہ نہیں ہے اُسے برک با سے

چتیرے گھٹاں میں بھی فصل خزاں کا دور
خالی ہے جیب گل زبرِ کامل عیسٰی سے
جو نغمہ زن تھے خلوتِ اوراق میں طیور
رخصت ہوتے تھے شجرِ سایہ دار سے
شاخِ زبیدہ سے سبق اندوز ہو کر تو
نا آشنا ہے و تاعدہ روزگار سے
رقت کے ساتھ رابطہ استوار رکھ
پیوستہ رہ شجر سے امید بہار رکھا

شبِ معراج

احترِ شام کی آتی ہے فلک سے آواز
سجد کرتی ہے سحر جس کو وہ ہے آج کی رات
رویکِ کام ہے ہمت کے لیے عرشِ بریا
کہہ ہی ہے یہ مسلمان سے معراج کی رات

پھول

تجھے کیوں فکر ہے گل دل صد چالِ طبل کی
تو اپنے پیر میں کچاں تو پہلے رفو کرے
تسا ابرو کی ہوا لگزار ہستی میں
تو کانٹوں میں الجھ کر زندگی کرنے کی جو کرے
صنوبر باغ میں آزاد بھی ہے پایہ گل بھی ہے
انھی پابندیوں میں حاصل آزادی کو تو کرے

۲۷۸
بانگِ دل
۲۶۲

تنگ بخشی کو اتنا سے پیغامِ حیا
نہرہ منت کش شبنم رنگوں جام و سب کو کرے
نہیں یہ شانِ خود ارئی چمن سے توڑ کر تجھ کو
کوئی دستار میں لکھے کوئی زیبِ گل کو کرے
چمنِ غنچہ پہ گل سے یہ کہہ کر اڑ لسی شبنم
مذاقِ جوڑ چھین جو تو سپید رنگ کو کرے
اگر منظور ہو تجھ کو خسرانِ آشنایا
جہانِ رنگ بوئے پہلے قطعِ آرزو کرے

اسی میں دیکھ کر ہے جمالِ زندگی تیرا
جو تجھ کو زینتِ اسن کو آئی آئینہ کو کرے

شکستہ

شفیق صبح کو دریا کا خرام آئینہ
نغمہ شام کو خاموشی شام آئینہ
برگِ گل اتنا عارضِ زیبے بہا
شاہدے کے لیے جملہ جام آئینہ
حسن آئینہ حق اور اول آئینہ حُسن
دلِ انساں کو ترا حُسنِ کلام آئینہ

ہے تے فکرِ فلک سے کہاں ہستی

کیا تری فطرتِ روشن تھی مالِ ہستی

تجھ کو جب دیدارِ طلب نے ڈھونڈا
تابِ رشید میں رشید کو پہنا دیکھا

۲۷۹
بانی
۲۶۳

چشمِ عالم سے تو ہستی رہی ستوری
اور عالم کو تری آنکھ نے غریاں دیکھا

حفظِ اسرار کا فطرت کو ہے سوو ایسا

رازوں پھر نہ کرے کی کوئی پیدا ایسا

میں اور تو

میں ہلاکِ جاوے سامری تو قتلِ شوقِ ازسری

میں حکایتِ غمِ آرزو تو حدیثِ ماتمِ لبری

تراولِ حرمِ لہرِ عجبم تراوینِ سیرۃِ کافی

غمِ مزمزہ لہرِ غمِ نہ لکھا یہی ہے شانِ قلندری

کہ جہاں میں ناںِ شعیب ہے ارقوتِ حمیدی

کہ تیرے پتنگ کو پھر عطا ہو وہی شربتِ سمندی

کسی بستے میں کیا کروں تو کہہ غم بھی بھری

وہی فطرتِ استِ اللہ ہی وہی مہربانی وہی عنبری

وہ لگا لگا تو نے عطا کیا ہے جھین مانعِ کندی

یہ سلیقہ مجھ میں کلیم کا نہ قرینہ تجھ میں خلیل کا

میں نوائے سوختہ درگاہ تو پریدہ زلفِ رسیدہ نو

مرا عیشِ غم مرا شہدِ غم مری بوہم نفسِ عدم

دہم زندگی دہم زندگی غمِ زندگی غمِ زندگی

ترجمی خال میں ہے اکثر سر تو خیالِ فقر و غنا نہ کر

کوئی ایسی طرزِ طواف تو مجھے ہے چراغِ حرمِ بتا

گلہ جھاتے و فانا کہ حرم کو اہل حرم سے ہے

یہ ستیزہ گاہ جہاں تھی نہ حرفِ پیچیدگی نئے

کرم کے شہ عزتِ عجم کہ لکھتے ہیں منتظرِ کرم

۲۸۰
بانگِ ورا
۲۶۴

اسیری

ہے اسیری اعتبار افزا جو ہر فطرت بند
قطرہ نیساں ہے نندانِ صدق کے ارجمند
مشکِ اذفر چیر لیا ہے ال لہو کی بوند ہے
مشک بن جاتی ہے ہو کر نافہ آہو میں بند
پہر سی کی تربیت کرتی نہیں قدرت مگر
کم ہیں وہ طائر کہ ہیں دام و قفس کے بہر مند

”شہسپ زانغ و زغن بند قید و صید نیست

این سعادت قسمت شہساز و شاہین کو اوند“

در نوزہ خلافت

اگر ملک ہاتھوں سے جاتا ہے جاتے
تو احکام حق سے نہ کر بے وفائی
نہیں تجھ کو تاریخ سے الگ کیا
خلافت کی کرنے لگا تو کدائی
خریدیں نہ جس کو ہم اپنے لہو سے
مسلمان کو ہے ننگ وہ پادشائی

”مرا از شکستن چنان عار ناید

کہ از دلمیراں خواستن مومیائی“

ہمایوں (مستر جسٹس شاہ دین مرحوم)

اے ہمایوں زندگی تیری سراپا سوز تھی تیری چنگاری چہ رانج انجمن افروز تھی
 گرچہ تھاتیرا تن جنس کی نزار و درہند تھی ستارے کی طرح روشن تیری طبع بلند
 کس قدر بے باک دل اس ناتواں پیکر میں تھا شعلہ لڑوں نور واکِ مُشتِ خالستر میں تھا
 موت کی بسین دل وانا کو کچھ پروا نہیں شب کی خاموشی میں جز منگارتہ فروا نہیں

موت کو سمجھے ہیں غافل ختم تمام زندگی
 ہے یہ شامِ زندگی صبحِ دوامِ زندگی



۲۸۲
 بانگِ ردا
 ۲۶۶

خضرِ راہ

شاعر

ساحلِ دریا پہ میں اک راست تھا منظر
کوشہٴ دل میں چھپاتے اک جہانِ مضطرب
شبِ سکوتِ فنرا، ہوا آشودہ، دریا نرم سیر
تھی نظیر حیراں کہ یہ دریا ہے یا تصویرِ آب
جیسے لہوارے میں سو جاتا ہے طفلِ شیرخوار
موجِ مضطرب تھی کہیں گہرائیوں میں مستِ خواب

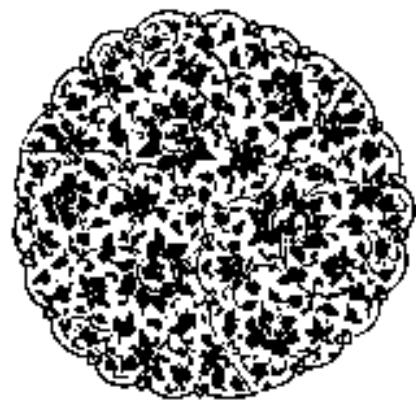
۲۸۴
بانگِ دریا
۲۶۴

رات کے افسوں سے طائر آشیانوں میں اسیر
 انجم کلم ضہو گرفتِ طلسم ماہِ ستاب
 دیکھتا کیا ہوں کہ وہ پیابِ جہاں میں پناہ خضر
 جس کی پیری میں ہے مانندِ سحر زنگِ شباب
 کہہ رہا ہے مجھ سے اے جویتے اسرارِ ازل!
 چشمِ دل وا ہو تو ہے تختِ دیدِ عالم بے حجاب
 دل میں یہ سن کر بپا ہے سنگامہ محشر ہوا
 میں شہیدِ جستجو تمھا، یوں سخن گستر ہوا
 اے تری چشمِ جہاں ہیں پر وہ طوفانِ آشکار
 جن کے ہنگامے ابھی دریا میں سوتے ہیں خموش
 کشتی مسکین، و 'جانِ پال' و 'دیوارِ تسیم'
 علمِ موسیٰ بھی ہے تیرے سامنے حیرتِ فروش
 چھوڑ کر اباویاں رہتا ہے تو صحیح انورد
 زندگی تیری ہے بے روز و شب و فردا و دوش

۲۸۴
 بانگِ درا
 ۲۶۸

زندگی کا راز کیا ہے، سلطنت کیا چیز ہے
 اور یہ سرمایہ و محنت میں ہے کیسا خروش
 ہو رہا ہے ایشیا کا حرقہ ویرینہ چاک
 نوجوان اقوام نو دولت کے ہیں پیرایہ پوش
 گرچہ اسکندر رہا محروم آپ زندگی
 فطرت اسکندری اب تک ہے گرم ناؤ نوش
 بیچتا ہے ہاشمی ناموس دین مصطفیٰ
 خال و نخوں میں مل رہا ہے ترکمان سخت کوش

اگ ہے، اولاد ابراہیم ہے نرود ہے
 کیا کسی کو پھر کسی کا امتحان مقصود ہے!



جوابِ خضر

صحرا نوردی

کیوں تعجب ہے مری صحرا نوردی پر تجھے
یہ تکا پوتے دما دم زندگی کی ہے دلیل
اے رہینِ حسانہ تُو نے وہ سماں دیکھا نہیں
گو نجفی ہے جب فضلتِ دشت میں بانگِ حیل
ریت کے ٹیلے پہ وہ اچھو کا بے پروا حنرم
وہ حنر بے برل و ساماں، وہ سفر بے سنگ و میل
وہ نمودِ اختِ سیلابِ پاہِ سنگامِ صبح
یا سیاں بامِ کردوں جسے حسینِ حیرت
وہ سکوتِ شامِ صحرا میں غروبِ آفتاب
جس سے روشن تر ہوئی چشمِ جہاں بینِ حسیل

۲۸۶
بانگِ حیل
۲۶۰

اور وہ پانی کے چشمے پر مستام کارواں
 اہل ایساں جس طرح جنت میں لکڑیوں کی
 تازہ ویرانے کی سووائے محبت کو تلاش
 اور آبادی میں ٹونجی سیر کی کشت و نخیل
 پختہ تر ہے گردش پیہم سے جاہم زندگی
 ہے یہی اے بے خبر رازِ دوام زندگی

زندگی

برتر از اندیشہ سود و زیاں ہے زندگی
 ہے کبھی جاں اور کبھی تسلیم جاں ہے زندگی
 تو اسے پیمانہ امروز و سنہ اسے نہ ناپ
 جاوہاں پیہم ہواں ہر دم جاں ہے زندگی
 اپنی دنیا آپ پیدا کر الرزندوں میں ہے
 سزاوم ہے، خمیس کین فکاں ہے زندگی

زندگی کی حقیقت کو پہن کے دل سے پوچھ
 جو تیرے شیر و شکر و سنبلِ صفاں سے زندگی
 بندگی میں لٹکے رہ جاتی ہے اک جوتے کم آب
 اور آزادی میں بحیرے بے کراں ہے زندگی
 اشکارا ہے یہ اپنی قوتِ تسخیر سے
 گرچہ اک مٹی کے پیکر میں نہاں ہے زندگی
 قلزمِ ہستی سے تو ابھر ہے مانندِ جناب
 اس زیاں خانے میں تیرا امتحاں سے زندگی
 خام ہے جب تک تو ہے مٹی کا اک انبار تو
 پختہ ہو جائے تو ہے شمشیر بے زہار تو
 ہو صداقت کے لیے جس دل میں مرنے کی تڑپ
 پہلے اپنے پیکرِ خالی میں جباں پیدا کرے
 چھونک ڈالے یہ زمین و آسمانِ مستعار
 اور خاکِ تر سے آپ اپنا جہاں پیدا کرے

۲۸۸
 بانگِ درا
 ۲۷۲

زندگی کی قوت پنہاں کو کروے آشکار
 تا یہ چنگاری فرغ جاوواں پیدا کرے
 خاکِ مشرق پر چمک جاتے مثالِ آفتاب
 تا بدخشاں پھر وہی غسل گراں پیدا کرے
 سوتے کروں نالہ شب کیسے رکابھیے سفیر
 رات کے تاروں میں اپنے رازواں پیدا کرے

یہ لکھڑی محشر کی ہے، تو عرصہ محشر میں ہے
 پیش کر عتافل، عمل کوئی اگر دفتر میں ہے!

سلطنت

ابستاؤں تجھ کو رمز آیتہ ان التاؤک
 سلطنت اقوام غالب کی ہے ال جاوولری
 خواب سے بیدار ہوتا ہے ذرا محکوم ال
 پھر سلا دیتی ہے اس کو حکمراں کی ساحری

جاوونے محسوس کی تاثیر سے چشم ایاز
 دیکھتی ہے حلفت کروں میں ساز و لبری
 خون اسرائیل آجاتا ہے آخر جوش میں
 توڑ دیتا ہے کوئی موسیٰ طلسم سامری
 سرور می زیبا فقط اس بات بے ہمتا کو ہے
 حکمراں ہے ال وہی باقی بتان آزری
 از عنلامی فطرت آزاد را رسوا کن
 تا تراشی خواجہ الے از برہمن کافر تری
 ہے وہی ساز کنن مغرب کا جمہوری نظام
 جس کے پردوں میں نہیں غیب سے نوائے قیصری
 دیو استبداد جمہوری قبسا میں پائے کوب
 تو سمجھتا ہے یہ آزادی کی ہے نیلم پری
 مجلس اتین و اصلاح و رعایات و حقوق
 طب مغرب میں مزے بیٹھے اثر خواب آوری

۲۹۰
 بانگِ ریل
 ۲۴۲

گرمی گفتارِ اعضائے مجالسِ الاماں!
 یہ بھی اک سرمایہ داروں کی ہے جنبِ زرگرمی
 اس سرابِ رنگ و بو کو کواستماں سمجھا ہے تو
 اہلے ناداں! قفسِ لُؤاشیاں سمجھا ہے تو

سرمایہ و محنت

بندۂ مزدور کو جب کہ مراپینام دے
 خضر کا پینام کیا ہے یہ پیغامِ کائنات
 اے کہ تجھ کو لھا لیا سرمایہ دارِ حیدر
 شاخِ آہو پر رہی صدیوں ملک تیری برات
 دستِ دولتِ آسنسریں کو مزدیوں ملتی رہی
 اہلِ ثروت جیسے دیتے ہیں غریبوں کو زکات
 ساحرِ الوط نے تجھ کو دیا برکِ شیش
 اور ٹولے بے خبر سمجھا اسے شاخِ نبات

۲۹۱
 بانگِ درا
 ۲۴۵

نسل، قومیت، کلیسا، سلطنت، تہذیب، رنگ
 خواجلی نے خوب چُن چُن کے بنائے سُکرات
 کٹ مَرانا داں خیالی دیوتاؤں کے لیے
 سُکر کی لذت میں تُو لٹوا لیا نعتِ حیات
 مگر کی چپالوں سے بازمی لے گیا سرمایہ وار
 انتہائے ساوگی سے لٹا لیا مزدور مات
 اٹھ کہ اب بزمِ جہاں کا اور ہی انداز ہے
 مشرق و مغرب میں تیرے دور کا آغاز ہے
 ہمتِ عالی تو دریا بھی نہیں کرتی قبول
 غنچہ ساں غافل تھے دامن میں شبنم کب تک
 نغمہ بیداری جمہور ہے سامانِ عیش
 قصہ خواب اور اسکندر و جم کب تک
 افتاب تازہ پیدا بطنِ کیتی سے ہوا
 سماں! ڈوبے ہوتے تاروں کا نام کب تک

۲۹۲

باقی رہا

۲۶۶

توڑ ڈالیں فطرتِ انساں نے زنجیریں تمام
 دُور ہی جنت سے روئی چشمِ اوم کب تک
 باغبانِ چارہ ندرے سے یہ کہتی ہے بہا
 زخمِ گل کے واسطے تدبیرِ مرہم کب تک!
 کر مابِ نواواں اطوافِ شمع سے ازاد ہو
 اپنی فطرت کے تجلی زار میں اباد ہو

دنیا سے اسلام

کیا سنا ہے مجھے ترک و عرب کی استاں
 مجھ سے کچھ پنہاں نہیں اسلامیوں کا سوز و سائ
 لے لے سٹیش کے فرزند میراثِ خلیل
 خشتِ بنیادِ کلیسا بن گئی خالِ حجاز
 ہو گئی رسوا زمانے میں کلاہ لالہ زمانہ
 جو سراپا ناز تھے، ہیں آج مجسوز نیاز

لے رہا ہے مے فروشانِ فرنگستان سے پاس
 وہ مے کرش حرارت جس کی ہے مین گدا
 حکمت مغرب سے ملت کی کیفیت ہوتی
 ٹکڑے ٹکڑے جس طرح سونے کو لڑویا ہے کان
 چوکیا مانسہ اب ازماں سماں کا لہو
 مضطر ہے تو کہ تیرا دل نہیں دانتے اُ
 گفت رومی پر بنائے لہنہ کا باداں کسند
 می ندانی "اول اں بنیاد را ویراں کسند"
 "نک ہاتھوں کی ملت کی انکھیں کھل گتیں"
 حق ترا چشم عطا کر دست غاسل درنگ
 موسیٰ کی لدائی سے تو بہتر ہے شکست
 موربے پر! حاجتے پیشیں سلیمانے زہر
 ربط و ضبط ملت بیضی ہے مشرق کی نجات
 ایشیا والے ہیں اس نکتے سے اب تک خبر

۲۹۲

بانگِ درا

۲۷۸

پھر سیاست چھوڑ کر داخلِ حصارِ دین میں چلے
 ملک و دولت سے فقط حفظِ حرم کا الٹا شکر
 ایک ہوں مسلم حرم کی پاسبانی کے لیے
 نیل کے ساحل سے لے کر تاجِ مال کا شکر
 جو لکے کا امتیاز رنگ و خون مٹ جائے گا
 ترکِ حشر کا ہی ہو یا عسرا بی والا لہر
 نسلِ ارسلم کی مذہب پر مقدم ہو گئی
 اڑکیا دنیا سے تو مانسہ خال رہ گزر
 تاحنِ لاف کی بنا دنیا میں ہو پھر استوار
 لاکھوں سے ڈھونڈ کر اسلاف کا قلبِ جلر
 اے کہ شناسیِ حنفی را از جلی شہسپار باش
 اے گرفتارِ ابو بکرؓ و علیؓ شہسپار باش
 عشق کہ فریادِ لازم تھی سو وہ بھی ہو چکی
 اب ذرا دل تھام کر فریاد کی تاثیر دیکھ

۲۹۵

ماہنامہ را

۲۰۰۹

تُو نے دیکھا سٹو تِ رفتارِ دریا کا عروج
 موج مُضطرب کس طرح بنتی ہے اب نہ نچر دیکھ
 عام حضرتیت کا جو دیکھا تھا خوابِ اسلام نے
 اے سماں آج تُو اُس خواب کی تعبیر دیکھ
 اپنی حق کتر سمندر کو ہے سامانِ وجود
 مر کے پھر ہوتا ہے پیدا یہ جہانِ پیر، دیکھ
 کھول کر آنکھیں مے آتے تہ لفتار میں
 آنے والے دور کی دھندلی سی ال تصویر دیکھ
 از مودہ فستند ہے ال اور بھی لرزوں کے پاس
 سامنے تھتدیر کے رسوائی تدبیر دیکھ
 سلم استی سینہ را از آرزو آباد وار
 ہرزماں پیش نظر لایخلف المیعاد وار



۲۹۶
 باغِ دریا
 ۲۸۰

طلوعِ اسلام

دلیلِ صبحِ روشن ہے ستاروں کی تنک تابی
 اُفت سے آفتاب ابھرا، کیا دور گراں خوابی
 عسروں مَرودہ مشرق میں خونِ زندگی وِڑا
 سمجھ سکتے نہیں اس ازلو سینا و سارابی
 سماں کو سماں کر دیا طوفانِ مغرب نے
 تلاطم ہاتے دریا ہی سے ہے گوہر کی سیرابی
 عطا مومن کو پھر درگاہِ حق سے ہونے والا ہے
 شکوہ ترکمانی، ذہین ہندی، نطقِ عربی
 اثر کچھ خواب کا غنچوں میں باقی ہے تو اے بے بسلی!
 ”نوار تلخ ترمی زن چو ذوقِ نغمہ کم یابی“
 تڑپِ صحنِ چین میں اشیاں میں شاخساروں میں
 جُدا پائے سے ہو سکتی نہیں تفتِ یرسیابی

۲۹۷

بانگِ سحر

۲۸۱

وہ چشم پاک ہیں کیوں زینت برستوان دیکھے
 نظر آتی ہے جس کو مردِ عنازی کی جلد تابی
 ضمیرِ لالہ میں روشن چراغِ ارزو کرے
 چمن کے ڈرے ڈرے کو شہیدِ تجو کرے
 سرشاہِ چشمِ مسلم میں ہے میساں کا اتر پیدا
 خلیل اللہ کے دریا میں ہوں کے پھر لہر پیدا
 کتابِ ملتِ بیضا کی پھر شیرازہ ہندی ہے
 یہ شاخِ ہاشمی کرنے کو ہے پھر برک و بر پیدا
 ربوہ اس ترکِ شیرازی دلِ تبریز و کابل ا
 صبا کرتی ہے بوئے گل سے اپنا سونم پیدا
 اگر عثمانیوں پر لوہِ عنم ٹوٹا تو کیا عنم سے
 کہ خونِ صمد ہزار انجم سے ہوتی ہے سحر پیدا
 جہاں بانی سے ہے دشوار تر کار جہاں بینی
 جگر خوں ہو تو چشمِ دل میں ہوتی ہے نظر پیدا

۲۹۸
 باقائے ر
 ۲۸۲

ہزاروں سال نرس اپنی بے نوری پوتی ہے
 بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ و پیدہ
 نو پیرا ہونے کی بجائے کہ پتیرے ترم سے
 کبوتر کے تین نازک میں شاہیں کا جگر پیدا
 ترے سینے میں ہے پوشیدہ راز زندگی لہے
 مسلمان سے حدیث سوز و ساز زندگی لہے
 خدائے لم یزل کا دست قدرت تو زبان تو ہے
 یقین پیدا کرے غافل کہ مغلوب کہاں تو ہے
 پرے سے چرخ نیلی فام سے منزل مسلمان کی
 ستارے جس کی گرد راہ ہوں ، وہ کارواں تو ہے
 سکاں و سانی ، سکیں آنی ، ازل تیرا ، ابد تیرا
 خدا کا احسن پیغام ہے تو ، جاوداں تو ہے
 جانبند عروس لالہ ہے خون جگر تیرا
 ترمی نسبت براہی ہے معمار جہاں تو ہے

۲۹۹

دانگے وا

۲۸۴

تری فطرت میں ہے ممکناتِ زندگانی کی
 جہاں کے جوہرِ نضر کا گویا امتحان تو ہے
 جہاں آس و نخل سے عالمِ جاوید کی خاطر
 نبوتِ ساتھ جس کو لے لیتی وہ امتحان تو ہے
 نیکت سرگزشتِ ملتِ بیضا سے پیدا
 کہ اقوامِ زمین ایشیا کا پاسبان تو ہے
 سبقِ پھر پڑھ صداقت کا، عدالت کا، شجاعت کا
 لیا جاتے گا تجھ سے کام دنیا کی امامت کا
 یہی مقصودِ فطرت ہے، یہی رمزِ مسلمانی
 انجنت کی جہاں لیری، محبت کی فراوانی
 بتانِ رنگ و خوں کو توڑ کر ملت میں کم ہو جا
 نہ تُو رانی رہے باقی نہ ایرانی نہ افغانی
 میانِ شاحسارانِ صحبتِ مرغِ چین لب تک
 ترے بازو میں ہے پروازِ شاہینِ قہستانی

گمانِ ابادِ ہستی میں یہ تیں مردِ مسلمان کا
 سیاہی کی شبِ تاریک میں قندیلِ بہانی
 بٹایا قصہ سر و کسری کے استبداد کو جس نے
 وہ کیا تھا، زورِ حیدر، فقرِ نوبور، صدقِ سلمان
 ہوئے اصرارِ ملت جاوہِ پیاسِ تھمل سے
 تماشا کی شکافِ در سے ہیں صدیوں کے زندانی
 ثباتِ زندگی ایمانِ محکم سے ہے دنیا میں
 کہ انسان سے بھی پائندہ تر نکلا ہے ثورانی
 جب اس انکارِ خالی میں ہوتا ہے یقین پیدا
 تو کر لیتا ہے یہ بال و پرِ رُوحِ الامیں پیدا
 غلامی میں نہ کام آتی ہیں ششیریں نہ تدبیریں
 جو ہو ذوقِ ہستی پیدا تو لٹ جاتی ہیں زنجیریں
 کوئی اندازہ کر سکتا ہے اس کے زورِ بازو کا
 نگاہِ مردِ مومن سے بدل جاتی ہیں تقدیریں

ولایت، پادشاہی، علم، شیا کی جہاں لیری
 یہ سب کیا ہیں، فقط ال کتتہ ایماں کی تفسیریں
 براہی یہی نظر پیدا ملے شکل سے ہوتی ہے
 ہوس چھپ چھپ کے سینوں میں بنا لیتی ہے تصویریں
 تیز بندہ و آفت فساد اوستی ہے
 حذر اے چیرہستان! سخت ہیں فطرت کی تعزیریں
 حقیقت ایک ہے مرثے کی، حاکم کی ہولہ نوری ہو
 لہو خورشید کا شیکے ارفتے کا دل چیریں
 یقین حکم عمل پیہم، محبت فاتح عالم
 جہاد زندگانی میں ہیں یہ مردوں کی شمشیریں
 چہ باید مرد را طبع بلندے، مشرب نابے
 دل کرے، نگاہ پاک پینے، جان بیستابے
 عجبانی شان سے جھٹھے تھے جو بے بال و پر نکلے
 ستارے شام کے خون شفق میں ڈوب کر نکلے

۳۰۲
 بانگِ روا
 ۲۸۶

ہوتے مدفون دریا زیر دریا تیسرنے والے
 طمانچے موج کے لھاتے تھے جو بن لہر نکلے
 غبار رہ لزر ہیں، کیمیا پر ناز تھا جن کو
 جبین خال پر رکھتے تھے جو، اسیر نکلے
 ہمارا نرم روفت اصد پیام زندگی لایا
 خبر دیتی تھیں جن کو جب لیاں وہ بے خبر نکلے
 حرم رسوا ہوا پیر حرم کی لم نکا پی سے
 جو ان تار می کس تدر صاحب نظر نکلے
 زمیں سے نوریان آسماں پرواز کہتے تھے
 یہ خالی زندہ تر، پائندہ تر، تابندہ تر نکلے
 جہاں میں اہل ایماں صورتِ نور شید جیتے ہیں
 ادھر ڈوبے ادھر نکلے، ادھر ڈوبے ادھر نکلے
 یقین انرا دکا سیر پیمبر ملت ہے
 یہی قوت ہے جو صورتِ لعلت دیر ملت ہے

۳۰۳
 بانگِ درا
 ۲۸۴

تو راز کن فکاں ہے اپنی آنکھوں پر عیاں ہو جا
 خودی کا راز واں ہو جا، حسد کا ترجمان ہو جا
 ہوس نے کر دیا ہے ٹکڑے ٹکڑے نوع انسان کو
 اُخت کا سیاں ہو جا، محبت کی زباں ہو جا
 یہ پندی وہ حسد اسانی، یہ افسانی وہ تورانی
 تو اے شرمندہ ساحل! اچھل کر بے کراں ہو جا
 غبار الودہ رنگ و نسب ہیں بال و تریسے
 تو اے مرغِ حرم! اڑنے سے پہلے پریشان ہو جا
 خودی میں ڈوب جا، غافل! یہ سترِ زندگانی ہے
 نکل کر حلفتِ شام و سحر سے جاو داں ہو جا
 مصحفِ زندگی میں سیرتِ نولا اُپسید کر
 شبستانِ محبت میں حیر پر نیاں ہو جا
 گزر جا بن کے کیل شند کو، کوہِ بوسیاں کے
 گستاہ میں آئے تو جوئے نغمہ خواں ہو جا

۲۰۲
 بانگِ درا
 ۲۸۸

ترے علم و محبت کی نہیں ہے آہٹا کوئی
 نہیں ہے تجھ سے بڑھ کر سازِ فطرت میں نوا کوئی

ابھی تک آدمی سید زبون شہر یاری ہے
 قیامت ہے کہ انساں نوع انساں کا شکار ہے
 نظر کو خیرہ کرتی ہے چمک تہذیبِ حاضر کی
 یہ سناعی مگر جھوٹے نگوں کی ریزہ کاری ہے
 وہ حکمت ناز تھا جس پر خرد مند ان مغرب کو
 پوس کے پنجہ خونیں میں تیغ کار زاری ہے
 تدبیر کی فنوں کاری سے محکم نہیں سکتا
 جہاں میں جس تمدن کی بنا ساریہ دار ہے
 عمل سے زندگی بنتی ہے جنت بھی جہنم بھی
 یہ خالی اپنی فطرت میں نہ نوری ہے نہ ناری ہے
 خروشِ سوزِ بیل ہو کر ہنچنے کی وار ہے
 کہ تو اس گلستاں کے واسطے بادِ بہاری ہے

۳۰۵

بانگِ درا

۲۸۹

پھر اٹھی ایشیا کے دل سے چنگاری محبت کی
 زمیں جولاں کہ اسلس قبایں تار می ہے
 بیابان خریدارست جان ناتوانے را
 "پس از مدت گذار افتاد بر ما کاروانے را"
 بیاساتی نولے مرغزار از شاخسار آمد
 بہار آمد ننگار آمد، ننگار آمد و تار آمد
 کشید ابر بہار می خیم اندر وادی صحرا
 صدائے ایشاراں از فرار کو بہار آمد
 سرت کر دم تو ہم قانون پیش ساز وہ ساقی
 کہ خیل نعل پر و از ان قطار اندر قطار آمد
 کنار از زاہد اں بر بیروں بے باکانہ ساغر شش
 پس از مدت ازین شاخ لہن بانا بہار آمد
 بہشتا قان حدیث خجستہ بدروشنی اور
 تصرف ہے پنہانش بحشم لشکار آمد

۳۰۶

بانگے را

۲۹

وگر شاخِ خلیل از خونِ ما نم ناک می کرد
ببازارِ محبت نقدِ ما کامل عیار آمد
سرِ حالِ شهیدے برکے ہاے لالہ می پاشم
کہ خوش بہ سال ملتِ ما سازد

”بیاتاکل بنفشہ نسیم و در ساغر اندازیم
فلاک استقف بشکاف نسیم و طرح و پیر اندازیم“



۳۰۰
بانگِ دورا
۲۹۱

عزلیات



اے باوصہ سببا! کسلی وائلے سے جا کہیو پیغام مرا
 قبضے سے اُمت بیچاری کے دیں بھی گیا، ونیا بھی گئی
 یہ موج پریشاں خاطر کو پیغام لبِ ساحل نے دیا
 بے دُور وصالِ بحرِ ابھی، تُو دریا میں گھس برا بھی گئی!
 عزت ہے محبت کی و تائم اے قیس! حجابِ محمل سے
 محمل جو کیا عزت بھی گئی، نعیرت بھی گئی، لیدا بھی گئی
 کی ترک تا کہ دو قطرے نے تو آبروئے گوہر بھی ملی
 اوار کی فطرت بھی گئی اور کشککشِ دریا بھی گئی

۳۰۹
 بانگِ دریا
 ۲۹۳

نکلی تو لب اقبال سے ہے، کیا جانے کس کی ہے یہ صدا
پیغام سکوں پہنچا بھی گئی، دل محسن کا ٹرپا بھی گئی



یہ سر و قمری بوسل فریب کوش ہے
تیرے پیمانوں کا ہے یہ لے لے مغرب اثر
باطن ہنگامہ آبا و حین خاموش ہے
خند زین ساقی ہے ساری انجمن کے شہ ہے
دہر کے غم خانے میں تیرا پتا ملتا نہیں
جرم تھا کیا آفرینش بھی کہ تو روپوش ہے
اہ! دنیا دل سمجھتی ہے جسے وہ دل نہیں
پہلوئے انساں میں ال ہنگامہ خاموش ہے
زندگی کی رہ میں حل کسین فریب کوش کے چل
یہ سمجھ لے کوئی یہ سنا خانہ باروش ہے

جس کے دم سے دلی دلاہور ہم پہلو ہوتے
اہ! لب اقبال! وہ بوسل بھی خاموش ہے



نالہ ہے بوسل شوریدہ ترا خام بھی
پختہ ہوتی ہے المصلحت اندیش عقل
اپنے سینے میں اسے اور راتھام بھی
عشق ہو مصلحت اندیش تو ہے خام بھی
بے خطر کو دڑا اتشن نرود میں عشق
عقل ہے محتما ساتے لب بام بھی

۲۱۰
بانگِ درا
۲۹۴

عشق فرمودہ قاصد سے سبک کا عمل
 شیوہ عشق ہے آزادی و دہرا شہوبی
 عذر پر ہیر ز کپت ہے جو کر ساقی
 سعی سہم ہے تراژوئے کم و کیف حیات
 ابرغیاں یہ تینک بخششی شبنم کب تک
 باوہ کردان عجب بسم و عربی میری شراب
 عقل سمجھی ہی نہیں منی پیغام ابھی
 تو ہے تمار می بُت خانہ ایام ابھی
 ہے ترے دل میں وہی کاوشِ انجام ابھی
 تیری میزوں ہے شمارِ شام ابھی
 مرے کساکے لالے ہیں تھی جام ابھی
 مرے ساغر سے چھلکتے ہیں مے اشام ابھی

خبر اقبال کی لائی ہے گلستاں سے نسیم
 نو گرفتار پھر کت ہے تہ و ام ابھی



پر وہ چہرے سے اٹھا، انجمن آرائی کر
 توجو بجلی ہے تو یہ چٹک پنہاں کتک
 نفسِ فرم کی تاثیر ہے عجب از حیات
 کب تک طور پہ در نوزہ کرمی مثلِ کلیم
 ہو تری حال کے ہر ترے سے تعمیرِ حرم
 چشم مہر و مہ و انجم کو تماشا سانی کر
 بے حجابانہ مرے دل سے شناسانی کر
 تیرے سینے میں اگر ہے تو مسیحائی کر
 اپنی ہستی سے عیاں شعلہ سینائی کر
 دل کو بیگانہ اندازِ کلیسائی کر

اس گلستاں میں نہیں حد سے گزرنا اچھا ناز بھی کر تو بہ اندازہ رعنائی کر
 پہلے خود وار تو مانند سکند ہو لے پھر جہاں میں ہو جس شوکتِ دارائی کر
 مل ہی جائے گی کبھی منزلِ سیلی اقبال
 کوئی دن اور ابھی باویہ پیائی کر



پھر بادِ بہار آتی، اقبالِ غزل خواں ہو غنچہ ہے اگر گل ہو گل ہے تو گلستاں ہو
 تو خال کی مٹھی ہے اجڑا کی حرارت سے برہم ہو پریشان ہو، وسعت میں بیاباں ہو
 تو جنسِ محبت ہے قیمت ہے لراں تیری کم مایہ ہیں سو الڑا اس یس میں ازان ہو
 کیوں سائے پردے میں مستور ہو لے تیری تو نغمہ زنجیں سے گہر کوششِ عیب یار ہو
 لے پہر و نراندہ راستے میں اگر تیرے گلشن ہے تو شبنم ہو صحرا ہے تو طوفان ہو

ساماں کی محبت میں ضم ہے تن آسانی
 مقصد ہے اگر منزلِ عادت لہر ساماں ہو



کبھی لے حقیقتِ غنظرِ نظر الباسِ محازیں کہ ہزاروں سجدے تڑپ رہے ہیں مہرِ جبینِ نیاں ہیں

۳۱۲
 بانگِ صبر
 ۲۹۶

طرب آشنا خروش ہو تو نواب محرم خوش ہو
 تو پچا پچا کے رکھ لے ترا آتہ سے وہ آتہ
 وہ سر و کیا لچھیا ہوا ہو سکوت پر وہ سائیں
 کہ شکستہ ہو تو عزیز تر ہے نگاہ آتہ ساز میں
 نہ ترمی حکایت سوز میں نہ مری حدیث لہ از میں
 مری خرم خانہ خراب کو تری عجبوندہ نواز میں
 نہ وہ عشق میں رہیں گے میان نہ وہ حسن میں رہیں خیال
 نہ وہ غزنوی میں تڑپ رہیں نہ وہ خم سے لطف لہ از میں
 جو میں سر سجدہ ہوا کبھی تو زمیں سے آنے لگی صدا
 ترا دل تو ہے صہنم آشنا تجھے کیا ملے گا نماز میں

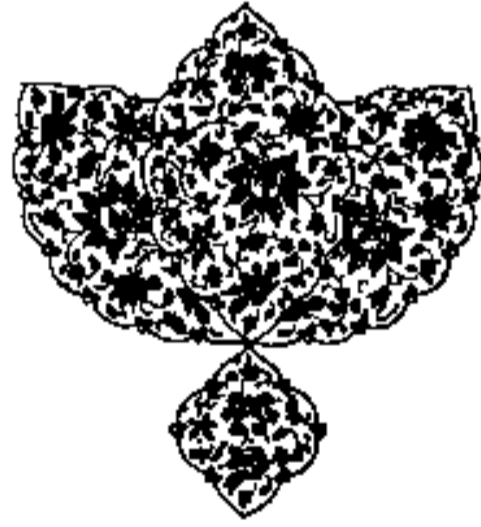


تہ دام بھی غزال آشنا ہے طراں چمن تو کیا
 ترا جلوہ کچھ بھی تہی دل نا صبور نہ کر سکا
 جو فغان لوں میں تڑپ ہی تھی نوائے زیر لہی ہی
 وہی گریہ سحری ہا وہی آنیم شبی ہی
 نہ خدار ہا نہ صہنم ہے نہ رقیب یہ و حرم رہے
 نہ رہی کہیں سند لہی نہ کہیں لہی رہی
 مراسم الرچہ ستم رسید زخمہ ہا عجب ستم
 وہ شہید فوق و فاعوں میں نوا مری جلی ہی



گرچہ تو زندانی اسباب ہے قلب کو بس کن ذرا آزاد رکھ
عقل کو تنقید سے فرصت نہیں عشق پر اعمال کی بنیاد رکھ
اے سلساں! بہر گھڑی پیش نظر آیۃ "لَا تُخْلِفُ الْبَيْعَ" رکھ

یہ لسانِ عصمت کا پیغام ہے
"إِنَّ وَعْدَ اللَّهِ حَقٌّ" یاد رکھ



۳۱۲
بانگِ درا
۲۹۸

ظلمت

مشرق میں اصول دین بن جلتے ہیں مغرب میں مکرشین بن جاتے ہیں
رہتا نہیں ایک بھی ہمارے پتلے واں ایک کے تین تین بن جاتے ہیں



لڑکیاں پڑھ رہی ہیں انگریزی ڈھونڈ لی قوم نے فلاح کی راہ
روشِ مغربی ہے مدِ نطن وضعِ مشرق کو جانتے ہیں گناہ
یہ ڈراما دکھائے گا کیا سین پروہ اٹھنے کی منتظر ہے نگاہ



شیخ صاحب بھی تو پروے کے کوئی حامی ہیں مفت میں کالج کے لڑکے ان سے بظن ہو گئے
و عظیم سنہ یار ویا کل آپ نے یہ صاف صاف پروہ آخر کس سے ہو جب مروہی زن ہو گئے

۳۱۵
بانٹے اور
۲۹۹

یہ کوئی دن کی بات ہے مرد ہوش مند! غیرت نہ تجھ میں ہوگی، نہ زن اوٹ چاہے گی
 آٹھ ماہ دور کہ اولاد کے عوض کونسل کی ممبری کے لیے اوٹ چاہے گی

تعلیم مغربی ہے بہت جرات کشیں پہلا سبق ہے پیٹھ کے کالج میں مار ڈینک
 بستے ہیں ہند میں جو خسیہ ارپی فقط اغابھی کے آتے ہیں اپنے وطن سے پینک
 میرا یہ حال، بوٹ کی ٹو چاٹا ہوں میں اُن کا یہ حکم، دیکھ! مرے فرس پر نہ رینک

کہنے لگے کہ اوٹ ہے بھڑاسا جانور
 اچھی ہے گلے، رکھتی ہے کیا نول واریہ

کچھ غم نہیں جو حضرت اعظمت ہیں تنگ دست تہذیب کے سامنے سر اپنا حتم کریں
 روجہ ساد میں تو بہت کچھ لکھا لیا ترویج حج میں کوئی رسالہ رستم کریں

تہذیب کے مرض کو گولی سے فائدہ! دفع مرض کے واسطے پل پیش کیجیے

۳۱۶
 بانگ سے روا
 ۳۰۰

تھے وہ بھی ان کہ خدمتِ استاذ کے عوض دل چاہتا تھا ہدیہ دل پیش کیجیے

بدلا زمانہ ایسا کہ لڑکا پس از سبق
کتابے ماشر سے کہ دل پیش کیجیے



انتہا بھی اس کی ہے آخر خریدیں کیت تک
اپنی غفلت کی یہی حالت اورت تم ہی
چھتر مایں، نوماں، منفلر، پیروں جاپان سے
اس کے غفلت قابل سے لفظن جاپان سے



ہم مشرق کے مسکینوں کا دل مغرب میں جا چکا ہے
اس فور میں سب بٹ جائیں ہاں باقویہ جانے کا
ایشیخ و برہمن، سنتے ہو کیا اہل بصیرت کہتے ہیں
وان لشریب تلومری ہریاں ایک پرانا مشکا ہے
جو قائم اپنی راہ سے اور پکا اپنی نیت کا ہے
گرووں کے کتنی بلندی کے قوموں کو دے چکا ہے

یاما ہم پیار کے جلسے تھے دستورِ محبت قائم تھا

یاجت میں اردو ہندی کے بریا قرمانی یا شکا ہے



”اصل شہود و شاہد و شہود ایک ہے“
غالب کا قول سچ ہے تو پھر ذکرِ غیر کیا

۳۱۷
بانگِ درا
۳۰۱

کیوں اے جناب شیخ! سنا اپنے بھی کچھ
کہتے تھے کعبے لوں سے کل اہل دیر کیا
ہم پوچھتے ہیں سلم عاشق مزاج سے
الفت بتوں کے تو برہمن سے بھر کیا!

ہاتھوں سے اپنے دہن و نیا نکل گیا
قانون وقت کے لیے لڑتے تھے شیخ جی
رخصت ہو اولوں سے خیال معاویہ بھی
پوچھو تو وقت کے لیے جا تا وہ بھی!

وہ سن بولی ارادہ خود کشی کا جب کیا میں نے
نہ جرات نہ خیر ہے تو قصہ خود کشی کیا
کہا میں نے کہ اے جان جہاں کچھ نقد و لوٹو
مہذبے تو اے عاشق! قدم باہر دھر سے
یہ مانا درونا کامی کیا تیرا لڑھکے سے
کراتے پر سنگالوں کا کوئی افغان سر سے

ناواں تھے اس قدر کہ نہ جانی عرب کی قدر
مغرب میں ہے جہاز بیاباں شتر کا نام
حاصل ہوا یہی نہ بچے مار پیٹ سے
شکروں نے کام کچھ نہ لیا اس فلیٹ سے

ہندوستان میں خیر حکومت ہیں کونسلیں
آغاز ہے ہمارے سیاسی سال کا

۳۱۸
بانگے ردا
۳۰۲

ہم تو فقیر تھے ہی ہمارا تو کام تھا
یکھیں سلیقہ اس امر بھی سوال کا

ممبری اسپیرٹل نسل کی کچھ شکل نہیں
وٹ تو مل جائیں گے پیسے بھی لو انہیں کیا؟
میرا غالب خدا بخشتے، بجا فرمائے
”ہم نے یہ مالہ ولی میں ہیں لھائیں کیا“

دلیل مہر و فاسک بڑھ کے کیا ہوگی
نہ ہر حضور سے اُلفت تو یہ ستم نہ ہمیں
نہصرت حلقہ کمپٹی میں کچھ کہیں ہم بھی
مگر رضائے ظلمت کو بھانپ لیں تو ہمیں
سند تو لیجئے لڑکوں کے کام آتے گی
وہ مہربان ہیں اب پھر رہیں ہم نہ رہیں
زمین پر تو نہیں ہندویوں کو جا ملتی
مگر جہاں میں ہیں خالی سمندروں کی تہیں

مشاکشتی بے طبع فرماں ہیں

کہو تو بستیہ سال ہیں کہو تو ہمیں

فرما ہے تھے شیخ طریق عمل یہ وعظ
لغار ہند کے ہیں تجارت میں سخت کوش
مشرک ہیں جو کہتے ہیں شرک سے لین دین
لیکن ہماری قوم ہے محروم تسل و ہوش

ناپاک چیز ہوتی ہے کافر کے ہاتھ کی
 اک باوہ لکش بھی وعظ کی محفل میں تھا شریک
 سن لے کر ہے کوشش مسلمان کا حق نبوت
 جس کے لیے نصیحت و اعظ تھی بار کوشش
 کہنے کا ستم ہے کہ ایسے قیود کی
 پابند ہو تجارت سامان خورد و نوش
 میں لے لہا کہ اس کو مشکل نہیں کوئی
 ہندوستان میں ہیں جگہ کو بھی سے فروش

ویسے چلتی ہے مشرق کی تجارت تک
 ہے مداوائے جنوں شہر تعلیم جدید
 شیشہ ویں کے عوض جام و سبولیتا ہم
 میرا سر جن ریل ملت سے لہولیتا ہم

گائے ال روز ہوتی اونٹ سے یوں کہ سخن
 میں تو بدنام ہوتی توڑ کے رسی اپنی
 نہیں اک حال یہ دنیا میں کسی شے کو قرار
 سنتی ہوں اپنے بھی توڑ کے لکھ دی گھما
 ریل چلنے سے مگردشت عرب میں سیکھا
 تھی لٹکتے ہوتے ہونٹوں پہ چھداتے زہما
 آج یہ کیا ہے کہ ہم پر ہے عنایت اتنی
 نہ رہا اتنے دل میں وہ دیرینہ غبا

۳۲۰
 بانگِ ردا
 ۳۰۲

جب یہ تیر سنی اونٹ نے شرب کے کہا
 رشک صد غمزه اشتر ہے تیری ایک کلیل
 ترے ہنگاموں کی تاثیر یہ پھیلی بن میں
 ایک ہی بن میں ہے مدت سے سیر اپنا
 کہ سفد و شتر و کاو و پلنگ و خرنند
 باغبان ہو سبق آموز جو لیرنگی کا
 دے ہی جام ہمیں بھی کہ مناسب ہے یہی

ہے تر چائے والوں میں ہمارا بھی شہما
 ہم تو ہیں ایسی کلیوں کے پرانے سیا
 بے بانوں میں بھی پیدا ہے اق لفسار
 کچھ کچھ پاس نہیں چارا بھی کھاتے ہیں اوصا
 ایک ہی رنگ میں نکھیں تو ہے اپنا وقا
 ہمزباں ہو کے رہیں کیوں نہ طیر گلزار
 تو بھی شہر ہو تیرے رُفقا بھی شہر

”دلوق حافظ بچہ ارزو بہ شیش رنگیں کن
 وانگش مست و خراب از رہ بازار سیا“



رات پھرنے کہہ یا مجھ سے
 مجھ کو دیتے ہیں ایک نوبند لہو
 جبر اپنی ناتسامی کا
 جلد شب بھر کی تشنہ کامی کا

اور یہ بسوہ دار نے زحمت
 پی کیا سب لہو اسامی کا

یہ آئیہ نوجیل سے نازل ہوئی مجھ پر
 لیتا میں ہے قرآن تو قرآن میں کیتا
 کیا خوب ہوئی اشقی شیخ و برہمن
 اس جنک میں آخر نہ یہ ہارا نہ وہ چیتا

مندر سے تو بیزار تھا پہلے ہی نے بدری
 مسجد سے نکلتا نہیں ضدی نے سیتا

جان جاتے ہاتھ سے جاتے زرت
 ہے یہی اک بات ہر مذہب کا ثمت
 چھبے ایک سہی تھیل کے ہیں
 ساہوکاری بسوہ داری، سلطنت

محنت و سزا دینا میں صفا ہو گئے
 دیکھیے ہوتا ہے کس کس کی تباہوں کا خون
 حکمت و تدبیر سے فیتنہ اسٹون خیز
 نل نہیں کتاؤ قد کٹن شتم یہ سٹون
 کھل گئے یا جوج اور با جوج کے کٹن تمام
 چشم مسلم دیکھ کے تفسیر حرف نسلون

شام کی سرحد رخصت ہو وہ زندلم نزل
 رکھ کے میخانے کے قاعد بالائے طاق

۳۲۲
 بانگے را
 ۳۰۶

یہ اگر سچ ہے تو ہے کس درجہ عبرت کا مقام
 حضرت کرن لو اب سن کر عداوت ہے ضرور
 رنگ ال پل میں ان جاتا ہے یہ سیلی واق
 حکم بڑا ہی کے معنی میں ہے بولا لاطلاق
 وفد ہندستان کے کرتے ہیں سر آغا خان طلب
 کیا یہ چورن ہے پے ہضم فلسطین عراق؟

تکرات تھی مزارع و مالک میں ایک روز
 کتا تھا وہ کے جو زراعت اس کی فطرت
 دونوں یہ کہہ رہے تھے مرا مال ہے نہیں
 کہتا تھا یہ کہ عقل ٹھکانے ترمی نہیں
 پوچھا میں سے میں نے کہ ہے کس مال تو
 بولی مجھے تو ہے فقط اس بات کا یقین
 مالک ہے یا مزارع شوریدہ حال ہے
 جو زیر آسمان ہے وہ دھرتی کا مال ہے

اٹھا کر پھینک دو باہر گلی میں
 انکشن مہربانی، کونسل صدارت
 نئی تہذیب کے انڈے ہیں نئے
 بنائے خوب ازاد ہی نے پھینکے
 میان نجار بھی پیلے گئے ساتھ
 نہایت تیز ہیں یورپ کے رندے

کارخانے کا ہے مالکِ مَرُوقِ نادرہ کا
عیش کا پتلا ہے محنت ہے اسے سازگارا
حکیم حق ہے لیس لدا نسانِ الاماسی
کھلے کیوں مزدور کی محنت کا چل سڑیا

سنا ہے میں نے کل لیتا تھی کارخانے میں
پرانے جھونپڑوں میں ہے ٹھکانا دست کاروں کا
مگر کرنے کیا خوب نسل ان بنوایا
کوئی اس شہر میں نہ تھا سڑیہ داروں کا

مسجد توبنادی شب بھر میں سماں کی حرارت اونس
من اپنا پرانا پاپی ہے برسوں میں نمازی بن سکا
کیا خوب افسوس کوسٹوس نے پیغام دیا
تو نام اوس کا جہاز سے پر دل کا جہاز بن سکا
ترا نکھیں تو چاہتی ہیں پر کیا لذت اس نے
جب جن جگر کی امیرش سے شک پیازی بن سکا

اقبال بڑا پیشک ہے من باتوں میں موہ لیتا ہے
گفتار کا عینازی تو بنا کردار کا عنازی بن سکا

۳۲۲
بانگِ درا
۳۰۸



بالی جبریل

۳۲۵
بالی جبریل

اقبال

بال جبریل
نفس نازہ

اللہ اکبر خورشید کاس ماہینِ سفر نازہ کریں
نفس کو خیرۂ شام و سحر نازہ کریں

ابتد

۳۲۶
بال جبریل
۲

اُٹھ کہ خورشید کا سامانِ سخن تازہ کریں
نفسِ سوختہ شام و سحر تازہ کریں

۳۲۷
بالِ جبریل

۳

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

۱

میری نوا سے شوق سے شور و جہیم ذات میں!

مفلحان سے اللہ ماں بستکرہ صفاست میں!

حور و زوشتنہ میں اسیر مر سے تخیلت میں

میری نگاہ سے خصل تبری تکیات میں!

گرچہ ہے میری جستجو دیر و جہم کی نقشبند

میری مفاہ سے استخیر کعبہ و سونات میں!

گاہ مری نگاہ تیز چیر گئی دل وجود

گاہ الجھنے رہ گئی سے تو بجات میں!

تو نے یہ کیا عجب کیا! محبو بھی غاگر کر دیا

میں ہی تو ایک راز تھا سیدہ کائنات میں!

۳۲۸
بال جبریل

۲

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

فہرست

غزلیات (حصہ اول)

۳۴۵/۲۱	میری نوائے شوق سے شورِ حریمِ ذات میں	۱
۳۴۶/۲۲	الرجز رو ہیں اخبم، آسماں تیرا ہے یا میرا؟	۲
۳۴۷/۲۳	کیسوتے تابدار کو اور بھی تابدار کر	۳
۳۴۸/۲۴	اثر کرے نہ کرے، بسن تو لے مری فریاد	۴
۳۴۹/۲۵	کیا عشق ایک زندگی ستعار کا	۵
۳۵۰/۲۶	پریشاں ہو کے میری خاکِ اخرویل نہ بن جائے	۶
۳۵۰/۲۶	دلگروں ہے جہاں تاروں کی کروشس تیز ہے ساقی	۷
۳۵۱/۲۷	لاچسراک بار وپی باوہ وجام لے ساقی!	۸

- ۳۵۲/۲۸ ۹ مٹا دیا میرے ساتی نے عالم سن تو
- ۳۵۲/۲۸ ۱۰ ستاع بے بسا ہے درد و سوزِ آرزو مندی
- ۳۵۳/۲۹ ۱۱ تجھے یاد کیا نہیں ہے میرے دل کا وہ زمانہ
- ۳۵۲/۳۰ ۱۲ خمیہ بر لالہ مے غسل سے ہوا لب ریز
- ۳۵۲/۳۰ ۱۳ وہی میری کم نصیبی، وہی تیری بے نیازی
- ۳۵۵/۳۱ ۱۴ اپنی جولاں گاہ زیرِ آسماں سمجھا تھا میں
- ۳۵۶/۳۲ ۱۵ اک دانش نورانی، اک دانشِ بربانی
- ۳۵۶/۳۲ ۱۶ یارب! یہ جہاں کزراں خوب ہے لیکن

غزلیات (حصہ دوم)

- ۳۵۹/۳۵ ۱ سا سکتا نہیں پیناے فطرت میں مرا سودا
- ۳۶۳/۳۹ ۲ یہ کون غزلِ خواں ہے پر سوز و نشاطِ انجیز
- ۳۶۴/۴۰ ۳ وہ حرفِ راز کہ مجھ کو سکھا لیا ہے جنوں
- ۳۶۵/۴۱ ۴ عالمِ آب و خال و باد، سترِ عیاں ہے تو کہ میں
- ۳۶۵/۴۱ ۵ تو ابھی رہ کزراں میں ہے، قیدِ مستام سے کزرا

۳۳۰
بالِ ہبریل

- ۳۶۶/۲۲ امین راز ہے مردانِ حشر کی درویشی ۶
- ۳۶۷/۲۳ پھر چراغِ لالہ سے روشن ہونے کو وہ دامن ۷
- ۳۶۸/۲۴ مسلمان کے لہو میں ہے سیدیقہ دل نوازی کا ۸
- ۳۶۸/۲۴ عشق سے پیدا ہوا ہے زندگی میں زیرِ بوم ۹
- ۳۶۹/۲۵ دل سوز سے خالی ہے بلکہ پال نہیں ہے ۱۰
- ۳۶۹/۲۵ ہزار خوف ہو لیکن زباں جو دل کی رسیق ۱۱
- ۳۷۰/۲۶ پوچھ اس سے کہ مقبول ہے فطرت کی گواہی ۱۲
- ۳۷۱/۲۷ یہ حوریانِ سنرنگی، دلِ نطنس کا حجاب ۱۳
- ۳۷۱/۲۷ دل بیدار و نروقی، دل بیدار کڑی ۱۴
- ۳۷۲/۲۸ خودی کی شوخیِ ثمندی میں کب سزا نہیں ۱۵
- ۳۷۳/۲۹ میر سپاہِ ناسزا، لشکریاں شکستہ تصف ۱۶
- ۳۷۳/۲۹ زیستانی ہوا میں گرچہ تھی شیر کی تیزی ۱۷
- ۳۷۴/۵۰ یہ دیر کنہن کیا ہے؛ انبارِ خس و خاشاک ۱۸
- ۳۷۵/۵۱ کمالِ ترک نہیں اسبِ گل سے مجوری ۱۹

۳۳۱
بالِ جبیل

۳۷۵/۵۱	عمتل کو آستان سے دُور نہیں	۲۰
۳۷۶/۵۲	خودی وہ کسر ہے جس کا کوئی کنارہ نہیں	۲۱
۳۷۷/۵۳	یہ پیام دے گئی ہے مجھے بادِ صبح کا ہی	۲۲
۳۷۷/۵۳	تری نگاہِ مندر و مایہ، ہاتھ ہے کوتاہ	۲۳
۳۷۸/۵۴	خرد کے پاس خبر کے سوا کچھ اور نہیں	۲۴
۳۷۹/۵۵	نگاہِ فہم میں شانِ سکندری کیا ہے	۲۵
۳۷۹/۵۵	نہ تو زمیں کے لیے ہے نہ آسماں کے لیے	۲۶
۳۸۰/۵۶	تو اے اسیرِ مہکاں! لاسکاں سے دُور نہیں	۲۷
۳۸۱/۵۷	حسد نے مجھ کو عطا کی نظرِ حکیمانہ	۲۸
۳۸۱/۵۷	انلاک سے آتا ہے نالوں کا جوابِ آخر	۲۹
۳۸۲/۵۸	ہر شے مسافر، ہر چیز راہی	۳۰
۳۸۳/۵۹	ہر چیز ہے مجھِ خود نشانی	۳۱
۳۸۳/۵۹	عجیب ہے کسی کا یا گردشِ زمانہ	۳۲
۳۸۴/۶۰	خرد مندوں سے کیا پوچھوں کہ میری ابتدا کیا ہے	۳۳

۳۸۵/۴۱	جب عشق سکھاتا ہے اداسِ خود آکاہی	۳۲
۳۸۶/۴۲	مجھے آہِ فغانِ نیم شب کا پھر پیام آیا	۳۵
۳۸۶/۴۲	نہ جو طغیانِ شتاقی تو میں رہتا نہیں باقی	۳۶
۳۸۷/۴۳	فطرت کو حسد کے زور پر	۳۷
۳۸۸/۴۴	یہ پیرانِ کلیسا و حرم اے واہے مجبوری	۳۸
۳۸۹/۴۵	تازہ پھر دانش حاضر نے کیا سحرِ قدیم	۳۹
۳۸۹/۴۵	ستاروں سے آگے جہاں اور بھی ہیں	۴۰
۳۹۰/۴۶	ڈھونڈ رہا ہے فرنگِ عیش جہاں کا دوام	۴۱
۳۹۱/۴۷	خودی جو علم سے محکم تو غیرتِ جبریل	۴۲
۳۹۲/۴۸	مکتبوں میں کہیں رعنائی افکار بھی ہے؟	۴۳
۳۹۲/۴۸	سادتہ وہ جو ابھی پرودہ افلاک میں ہے	۴۴
۳۹۳/۴۹	رہا نہ حلفتِ صوفی میں سوزِ شتاقی	۴۵
۳۹۳/۴۹	چوانہ زور سے اس کے کوئی کریساں چاک	۴۶
۳۹۴/۵۰	یوں ہاتھ نہیں آتا وہ کو پریاں دانہ	۴۷

۳۹۵/۱	زہ تخت و تاج میں نے لشکر و سپاہ میں ہے	۴۸
۳۹۵/۱	فطرت نے نہ بخشا مجھے اندیشہ چالاک	۴۹
۳۹۶/۲	کریں گے اہل نطنز تازہ بستیاں آباد	۵۰
۳۹۶/۲	کی حق سے فرشتوں نے اقبال کی عمازی	۵۱
۳۹۷/۳	نے مہر باقی، نے مہر بازی	۵۲
۳۹۷/۳	کرم نماں ہے جس، اٹھ کر گیا قافلہ	۵۳
۳۹۸/۲	ہری نوا سے ہوئے زندہ عارف و عامی	۵۴
۳۹۹/۵	ہر اک معتم سے آگے کز لیا نہ نو	۵۵
۳۹۹/۵	کھونہ جا اس سحر و شام میں اے صاحب پوش	۵۶
۴۰۰/۴	تھا جہاں مدرسہ شیریں شاہنشاہی	۵۷
۴۰۱/۷	ہے یاد مجھے نکتہ سلمان خوش آہنگ	۵۸
۴۰۱/۷	فقر کے ہیں معجزات تاج و سریر و سپاہ	۵۹
۴۰۲/۸	کمال جوش جنوں میں رہا میں کرم طواف	۶۰
۴۰۲/۸	شعور و ہوش و خرد کا معاملہ ہے عجیب	۶۱

۳۳۳۲
بال جبریل

قطعہ (اندازِ بیاں کرچہ بہت شوخ نہیں ہے) ۲۰۳/۷۹

زبایعات

- | | | |
|--------|----|----------------------------------|
| ۳۳۶/۲۲ | ۱ | ترے شیشے میں بے باقی نہیں ہے |
| ۳۳۹/۲۵ | ۲ | دلوں کو مرکزِ مہر و وفا کر |
| ۲۰۵/۸۱ | ۳ | رہ و رسمِ حرمِ نامحسب مانہ |
| ۲۰۵/۸۱ | ۴ | ظلامِ بحر میں کھو کر کسبِ جلا جا |
| ۲۰۶/۸۲ | ۵ | سکائی ہوں کہ آزادِ مسکاں ہوں |
| ۲۰۶/۸۲ | ۶ | خودی کی حسدوتوں میں گم رہا میں |
| ۲۰۶/۸۲ | ۷ | پیشاں کا روبرو بارِ آشنائی |
| ۲۰۶/۸۲ | ۸ | یقینِ مشعلِ خلیلِ آتشِ شینی |
| ۲۰۶/۸۳ | ۹ | عرب کے سوز میں سازِ عجم ہے |
| ۲۰۶/۸۳ | ۱۰ | کوئی دیکھے تو میری نے نوازی |
| ۲۰۶/۸۳ | ۱۱ | ہر اک وترے میں ہے شاید مکھیں دل |

۳۳۵
بالِ جبریل
۱۱

۲۰۶/۸۳	ترا اندیشہ افلاکی نہیں ہے	۱۲
۲۰۸/۸۲	نہ مومن ہے نہ مومن کی اسیری	۱۳
۲۰۸/۸۲	خودی کی جستجو میں مصطحنائی	۱۴
۲۰۸/۸۲	نگہ ابھی ہوتی ہے رنک و بومیں	۱۵
۲۰۸/۸۲	جمالِ عشق و مستی نئے نوازی	۱۶
۲۰۹/۸۵	وہ سیرا رونقِ محسن کجاں ہے	۱۷
۲۰۹/۸۵	سوارِ ناستہ و محسن نہیں میں	۱۸
۲۰۹/۸۵	ترے سینے میں دم ہے دل نہیں ہے	۱۹
۲۰۹/۸۵	ترا جو چہر ہے نوری، پاک ہے تو	۲۰
۲۱۰/۸۴	محبت کا جسٹنوں باقی نہیں ہے	۲۱
۲۱۰/۸۴	خودی کے زور سے دنیا پہ چھا جا	۲۲
۲۱۰/۸۴	چمن میں رختِ گلِ شبنم سے ہے	۲۳
۲۱۰/۸۴	جنرے سے راہِ روشن بصر ہے	۲۴
۲۱۱/۸۷	جانوں کو مری آؤ سحر وے	۲۵

۳۳۶
بالِ جبریل
۱۲

۲۱۱/۸۷	ترمی ڈنیرا جہان مرغ و ماہی	۲۶
۲۱۱/۸۷	کرم سیرالہ بے جوہر میں	۲۷
۲۱۱/۸۷	وہی اصل مسکان و لامسکان ہے	۲۸
۲۱۲/۸۸	کبھی اوارہ و بے خانماں عشق	۲۹
۲۱۲/۸۸	کبھی تنہائی کوہ و دہن عشق	۳۰
۲۱۲/۸۸	عطا اسلاف کا جذبہ دروں فر	۳۱
۲۱۲/۸۸	یہ نیکتہ نہیں نے سیکھا بوالحسن سے	۳۲
۲۱۳/۸۹	خرد واقف نہیں ہے نیا بد سے	۳۳
۲۱۳/۸۹	خدا کی آہٹ نام خشک و تر ہے	۳۴
۲۱۳/۸۹	یہی اوم ہے سلطان جبر کا	۳۵
۲۱۳/۸۹	وم عارف نیم صبح دم سے	۳۶
۲۱۴/۹۰	رگوں میں وہ لہو باقی نہیں ہے	۳۷
۲۱۴/۹۰	کھلے جاتے ہیں اسرار نہانی	۳۸
۲۱۴/۹۰	زمانے کی یہ گردش باوانہ	۳۹

۲۱۲/۹۰	۲۰	حکیمی نامہ سلمانی خودی کی
۲۱۵/۹۱	۲۱	ترا تن روح سے نا آشنا ہے
۲۱۵/۹۱	قطعہ	اقبال نے کل اہل خیاباں کو سنایا

منظومات

۲۱۶/۹۳	۱	دعا
۲۱۹/۹۵	۲	سجد شریطہ
۲۲۸/۱۰۲	۳	قید خانے میں معتد کی فریاد
۲۲۹/۱۰۵	۴	عبدالرحمن اول کا بویا ہوا کھجور کا پہلا درخت — سرزمین اندلس میں
۲۳۰/۱۰۶	۵	ہسپانیہ
۲۳۲/۱۰۸	۶	طارق کی دعا
۲۳۳/۱۰۹	۷	لینن (خدا کے حضور میں)
۲۳۶/۱۱۲	۸	فرشتوں کا لیت

۳۳۸
بالِ عبریل
۱۲

۲۳۸/۱۱۴

۲۳۲/۱۱۸

۲۳۳/۱۱۹

۲۳۲/۱۲۰

۲۳۵/۱۲۱

۲۳۵/۱۲۱

۲۳۶/۱۲۲

۲۳۶/۱۲۳

۲۳۸/۱۲۴

۲۳۸/۱۲۴

۲۵۰/۱۲۶

۲۵۸/۱۳۲

۲۶۰/۱۳۶

۹ ذوق و شوق

۱۰ پروانہ اور جنگنو

۱۱ جاوید کے نام

۱۲ کدائی

۱۳ نغلا اور بہشت

۱۴ روین و سیاست

۱۵ الارض، اللہ

۱۶ ایک نوجوان کے نام

۱۷ نصیحت

۱۸ لالہ صحرا

۱۹ ساتی نامہ

۲۰ زمانہ

۲۱ فرشتے آوم کو جنت سے رخصت کرتے ہیں

۳۳۹
بال جبیل
۱۵

۲۶۰/۱۳۶	۲۲	رُوحِ اَرْضی اَدَم کا استقبال کرتی ہے
۲۶۲/۱۳۸	۲۳	پیر و مُرید
۲۶۳/۱۳۹	۲۴	جبریل و ابلیس
۲۶۵/۱۵۱	۲۵	اذان
۲۶۶/۱۵۲	۲۶	محببت
۲۶۶/۱۵۲	۲۷	ستارے کا پیغام
۲۶۶/۱۵۳	۲۸	جاوید کے نام
۲۶۸/۱۵۳	۲۹	فانہ و مذہب
۲۶۹/۱۵۵	۳۰	یورپ کے ایک خط
۲۶۹/۱۵۵	۳۱	نیپولین کے مزار پر
۲۸۰/۱۵۶	۳۲	مسولینی
۲۸۲/۱۵۸	۳۳	سوال
۲۸۲/۱۵۸	۳۴	پنجاب کے دہقان سے
۲۸۳/۱۵۹	۳۵	نادر شاہ افغان

۳۲۰
بالِ جبریل
۱۶

۲۸۲/۱۴۰	خوشحال خاں کی وصیت	۳۶
۲۸۲/۱۴۰	تاتاری کا خواب	۳۷
۲۸۶/۱۴۲	حال و معتام	۳۸
۲۸۶/۱۴۲	ابوالعلا معری	۳۹
۲۸۸/۱۴۲	سینیا	۴۰
۲۸۸/۱۴۲	پنجاب کے پیرزادوں سے	۴۱
۲۸۹/۱۴۵	سیاست	۴۲
۲۹۰/۱۴۶	فقتہ	۴۳
۲۹۰/۱۴۶	خودی	۴۴
۲۹۱/۱۴۷	جس داتی	۴۵
۲۹۱/۱۴۷	خانفتاہ	۴۶
۲۹۲/۱۴۸	ابلیس کی عسرداشت	۴۷
۲۹۳/۱۴۹	لہو	۴۸
۲۹۳/۱۴۹	پرواز	۴۹

۲۹۲/۱۴۰	شیخ مکتبے	۵۰
۲۹۲/۱۴۰	فلسفی	۵۱
۲۹۵/۱۴۱	شاہیں	۵۲
۲۹۶/۱۴۲	بانغی مُرید	۵۳
۲۹۶/۱۴۲	ہارون کی آخری نصیحت	۵۴
۲۹۶/۱۴۳	ماہر نفسیات سے	۵۵
۲۹۶/۱۴۳	یورپ	۵۶
۲۹۸/۱۴۴	ازادوی افکار	۵۷
۲۹۸/۱۴۴	شیر اور نچتر	۵۸
۲۹۹/۱۴۵	چیونٹی اور عفتاب	۵۹
۵۰۰/۱۴۶	(فطرت مری مانسند نسیم سحری ہے)	قطعہ
۵۰۰/۱۴۶	(کل اپنے مُریدوں سے کہا پیر مُعانا نے)	قطعہ



۳۲۲
بالِ جبیل
۱۸

عزلیات

۳۴۳
بالِ جبیریل
۱۹

پُھول کی پتی سے کٹ سکتا ہے پیرے کا جل
مرد ناداں پر کلام نرم و نازک بے اثر
(بھرتوی بھری)

۳۳۳
بالِ جبریل
۲۰

حصہ اول



میری نوائے شوق سے شوہرِ عظیمِ ذات میں
 غلغلہ ہائے الاماں بت کدہ صفات میں
 حور و فرشتہ ہیں اسیر میرے نغیلات میں
 میری نگاہ سے خلل تیری تجلیات میں
 کرسی پر میری جستجو پر حرم کی نقش بند
 میری فغان سے استخیر کعبہ سونات میں
 گاہ مری نگاہ سے زچیر کنتی دل و جود
 گاہ الجھ کے رہ لسی میرے توہمات میں
 تو نے یہ کیا غضب کیا مجھ کو بھی فاش کر دیا
 میں ہی تو ایک از تھا سینہ کائنات میں!



۳۲۵
 بالِ جبریل
 ۲۱



اگر کج رو ہیں خستہ آسمان تیرا ہے یا میرا
 مجھے فکرِ جہانِ حق ہے، جہاں تیرا ہے یا میرا؟
 اگر ہنگامے شوق سے ہے لامکانِ خالی
 خطا بس کی ہو کیا بنا لامکان تیرا ہے یا میرا؟
 اُسے صبحِ ازل انکار کی خبرات ہوئی کیونکر
 مجھے معلوم کیا وہ ازوان تیرا ہے یا میرا؟
 محمد بھی ترا جبریل بھی قرآن بھی تیرا
 مگر یہ جو ششیریں تیرا جہاں تیرا ہے یا میرا؟

اسی کو لب کی تابانی سے تیرا جہاں روشن
 زوالِ اہمِ حاکم کی زیاں تیرا ہے یا میرا؟



ترے شیشے میں سے باقی نہیں ہے
 بتا، کیا تو مرا باقی نہیں ہے
 سمندر سے ملے پیلے سے کوششِ بنم
 بجنسیلی ہے یہ رزاقی نہیں ہے



۳۲۴
 بابِ ہبریل
 ۲۲



کیسے تاب دار کو اور بھی تاب دار کر
 پوش و خرد شکار، قلب و نظر شکار کر
 عشق بھی ہو حجاب میں، حسن بھی ہو حجاب میں
 یا تو خود اشکار ہو یا مجھے اشکار کر
 تو ہے محیط بے کراں میں، ہوں درسی آج
 یا مجھے ہمکنار کر یا مجھے بے کنار کر
 میں ہوں صدف تو تیرے ہاتھ میرے کمرلی ابرو
 میں ہوں خرف تو تو مجھے کو پر شاہوار کر
 نعمتہ نو بہار، اگر میرے نصیب میں نہ ہو
 اس و نم سیم سوز، لو طائر کب بہار کر
 باغ بہشت سے مجھے حکم سفر و یا تھا کیوں
 کارِ جہاں دراز ہے اب مرا منتظار کر

روز حساب جب مرا پیش ہو دستِ عمل
اپے بھی شرمسار ہو، مجھ کو بھی شرمسار کر



اثر کرے نہ کرے سن تو لے مری فریا
یہ نشتِ حال، یہ صرصر، یہ وسعتِ افلاک
ٹھہر سکا نہ ہو اے چمن خمیں یہ گل
قصور از غریب التدیار یوں کین
نہیں ہے وہ ادک طالب یہ بند آزاد
کرم ہے یا کہ ستم تیری لذت ایجا
یہی ہے فصل بہار می یہی ہے باہر مرا
ترانہ فرشتے نہ کر کے آباد
وہ دشتِ سادہ وہ تیرا جہان بے بنیا
خطر پسند طبیعت کو سازگار نہیں
وہ گلستانِ جہاں گھات میں چھوہ سیا

مقامِ شوق تے قدسیوں کے بس کا نہیں
انھی کا کام ہے یہ جن کو صلے ہیں زیا



۳۴۸
بالِ جبریل
۲۴



کیا عشق ایک زندگی ستارہ کا
وہ عشق جس کی شمع بجھانے اجل کی چھوڑ
کیا عشق پائدار سے ناپائدار کا
اُس میں مزا نہیں شش و منتظر کا
میری بساط کیلئے تبتاب یک نفس
شعلے سے بے محل ہے الجھنا شرار کا
کہ پہلے مجھ کو زندگی جاوداں عطا
پھر فوق و شوق و میھ دل بے قرار کا

کاشا وہ دے کہ جس کی لٹک لٹک لڑواں ہو
یارب! وہ درو جس کی لٹک لٹک لڑواں ہو!



دلوں کو مرکز مہر و منا کر
حریم کبیریا سے آشنا کر
جسے نام جویں بخشش سے تو نے
اُسے بانٹتے حیرت بھی عطا کر



پریشاں ہو کے میری خال آخروں نہ بن جائے
 نہ لڑیں مجھ کو مجبور نہ افراس میں خوریں
 جو مشکل ہے پار بپھر ہی مشکل نہ بن جائے
 کبھی چھوٹی ہوئی منزل بھی باقی ہے اسی کو
 مرا سوزوں پھر کرمی محسن نہ بن جائے
 بنایا عشق نے دریا سے ناپیدا کراں مجھ کو
 یہ میری خود نگہداری مرا حاصل نہ بن جائے
 وہی افسانہ ونب اکہ محسن نہ بن جائے
 کہیں اس عالم بے رنگ و بو میں بھی طلب میری

عروج اوم خالی سے انجم سمے جاتے ہیں
 کہ یہ ٹوٹا ہوا تارا مہ کامل نہ بن جائے



دل ہر ذرہ میں غوغائے رستا خیز ہے ساقی
 یکس کا فراد اکا عنسزہ خون ریز ہے ساقی
 دگرگوں ہے جہاں تاروں کی لڑش تیز ہے ساقی
 متاع دین و نشوونگہ لسی اللہ الوں کی
 وہی رینہ بیاری وہی ناسکمی دل کی
 علاج اس کا وہی آپ نشاط انگیز ہے ساقی

۳۵.
 بالِ جبریل
 ۲۶

حرم کے دل میں سوز آرزو پیدا نہیں ہوتا
 کہ پیدائی تری اب تک حجابِ نیر ہے ساقی
 نہ اٹھا پھر کوئی رومی مجھ کے لالہ اروس کے
 وہی اب گلِ ایران وہی بسیر ہے ساقی
 نہیں کیا امیدِ قبّال اپنی کشتِ ویراں سے
 ذرا تم ہو تو یہ مٹی بہت زرخیز ہے ساقی
 فقیرِ راہ کو بخش گئے اسرارِ سلطانی
 بہا میری نوالی دولت چو زین ہے ساقی



لا پھر اک بار وہی بادہ و جامِ اے ساقی
 ہاتھ آجاتے مجھے میرا مقام اے ساقی!
 تین سو سال سے ہیں ہند کے میخانے بند
 اب سب سے ترافض ہو جامِ اے ساقی
 مری سینا کے غزل میں تھی فراسی باقی
 شیخ کہتا ہے کہ ہے یہ بھی حرام اے ساقی
 شیر مردوں سے ہوا ہریشہ تحقیق تھی
 رہ گئے صوفی و ملا کے غلام اے ساقی
 عشق کی تیغِ جگر دار اڑالی کس نے
 علم کے ہاتھ میں خالی ہے نیام اے ساقی
 سینہ روشن ہو تو ہے ہر سخن عینِ حیا
 ہونہ روشن تو سخن مرگ دوام اے ساقی
 تو مری ات کو ہتھاب سے محروم نہ رکھ
 ترے پیمانے میں ہے ماہِ تمام اے ساقی!



مٹا دیا مرے ساتی نے عالم من تو
 نہ مے نہ شعر نہ ساتی نہ شور چنگ و رباب
 کداتے مے کدہ کی شان بے نیازی کچھ
 مرا سوچ غنیمت ہے اس زمانے میں
 میں تو نیاز ہوں مجھ سے حجاب ہی اولیٰ
 اگرچہ بھری موجوں میں ہے مقام اس کا
 جمیل تر ہیں گل و لاله فیض سے اس کے
 پلا کے مجھ کو مے لالا لہ لالا اھو
 سلوت کوہ و لہجے و لالہ خود روا
 پہنچ کے چشمہ حیواں پہ توڑتا ہے سبوا
 کہ خافتاہ میں خالی ہیں صوفیوں کے کدو
 کہ دل سے بٹھکے ہے میری نگاہ بے قابو
 صفائے پاک طینت سے ہے لہر کا ضبو
 نگاہ شاعر نکسین نوامیں ہے جادو



متاع بے بہا ہے درو و سوزِ آرزو مند
 ترے آرزو بندوں کی نہ یہ دنیا نہ وہ دنیا
 حجاب کسیر ہے آوارہ کوئے محبت کو
 مقام بندگی دے نہ لوں شاخِ خداوندی
 یہاں منے کی پابندی ہاں جسنے کی پابندی
 مری آتش کو بھڑکاتی ہے تیرے پیر کی پویدی

۳۵۲
 بالِ جبریل
 ۲۸

گزر اوقات کر لیتا ہے کہ یہ وہی باں میں
 کہ شاہین کے لیے وقت ہے کاراشیاں بنی
 فیضیاں نظر تھا یا لالت کی خدمت تھی
 رکھتے کس نے اسمعیل کو ادب فرزندی
 زیارت کاہ اہل عزم و ہمت سے لحد میری
 کہ خاک راہ کو میں نے بہت یار از الوند
 مری مشاطلی کی لیا ضرورت حسین فر
 کہ فطرت خود بخود کرتی ہے لالے کی جنابندی



تجھے یاد کیا نہیں ہے مے ل کا وہ زمانہ
 وہ ادب کہ محبت وہ نوحہ کا آزیانہ
 یہ بیان عصر حاضر کہ بنے ہیں مے ل میں
 نہ اوائے کافرانہ، نہ تراشش آزرانہ
 نہیں اس کھلی فضا میں کوئی گوشہ فراغت
 یہ جہاں عجب جہاں ہے نہ نقص نہ آشیانہ
 رگ تال منتظر ہے تری بارش کہ م کی
 کہ عجم کے مے لوں میں تری مے ل معنائہ
 مے ل ہم صغیر اسے بھی اثر بہار سمجھے
 انھیں کیا خبر کہ لیا ہے یہ نوائے عاشقانہ
 مے ل خاک و خون سے ٹونے یہ جہاں کیا پیدا
 تری بند پوری مے ل کے دن لڑ رہے ہیں
 جملہ شہید کیا ہے تے تے تاب جاودانہ
 نہ جگہ ہے دوستوں کا نہ شکایت زمانہ





ضمیرِ لالہ کے لعل سے ہوا بسیر
 بچھائی ہے جو کہیں عشق نے بساط اپنی
 پرانے ہیں یہ ستارے فلک بھی فرسودہ
 کسے برس ہے کہ ہنکار نہ نشو ہے کیا
 نہ چھین لذتِ استحکام کبھی مجھے
 دل غمیں کے موافق نہیں ہے موسمِ گل
 حدیثِ بے خبراں ہے تو بازمانہ بسا
 اشارہ پاتے ہی صوفی نے توڑ دی پرہیز
 کیا ہے اس نے فقیروں کو وارثِ پرویز
 جہاں وہ چلے ہے مجھ کو کہ ہوا بھی نوخیز
 تری نگاہ کی گردش ہے میری رشتائیں
 نہ لڑکھ سے تغافل کو التفات آئیں
 صدائے مرغِ چین ہے بہت نشاط آئیں
 زمانہ باتوں سازو تو بازمانہ ستیز



وہی میری کم نصیبی وہی میری بے نیازی
 میں کہاں ہوں تو کہاں ہے یہ کہاں کے لامکاں
 اسی کشمکش میں لڑیں مری زندگی کی آہیں
 مے کا مچھہ نہ آیا یہ کس آل نے نوازی
 یہ جہاں مرا جہاں ہے کہ تری کوشمہ ساری
 کبھی سوز و سازو مری کبھی ہیچ و تاب آری

۳۵۲

بالِ جبریل

۳۰

وہ فریبیہ وہ شاہیں کہ پلاہوں گرسوں میں
 اُسے کیا خبر کہ کیا ہے وہ رسم شاہی
 نہ زبان کوئی غزل کی نہ زبان کا خبر میں
 کوئی دکشا صدا ہو، عجب سی ہو یا کہ تازی
 نہ نہیں تیر سلطنت میں کوئی امتیاز آیا
 یہ سپہ کی تیغ باز ہی وہ نکہ کی تیغ باز ہی
 کوئی کاواں ٹوٹا کوئی بدکماں سرم
 کہ اسے کواں میں نہیں ٹوٹے دل نوازی



اپنی جولاں گاہ زیر آسماں سمجھا تھا میں
 اب گل کے گھیل کو اپنا جہاں سمجھا تھا میں
 بے حجابی سے تیری ٹوٹا نگاہوں کا طلسم
 اک روائے نیلوں کو آسماں سمجھا تھا میں
 کارواں تھک کر فضا کے پیچ و تنم میں گیا
 مہر ماہ و شتری کو ہم عنان سمجھا تھا میں
 عشق کی اک جست کے طے کر دیا قصہ تمام
 اس زمین آسماں کو بے لال سمجھا تھا میں
 کہ لہتیں راہ محبت پڑھ داریہاے شوق
 تھی فغان وہ بھی جسے ضبط فغان سمجھا تھا میں
 تھی کسی در ماندہ ہر کی صدائے در و مال
 جس کو اواز حسیل کارواں سمجھا تھا میں



اک نشن نورانی اک نشن برہانی
 اس پیکر خالی میں اک شے ہے سو وہ پری
 اب کیا جو فغان سرری پہنچی ہے ستاروں تک
 نقشِ الکر باطل تکرار سے کیا حاصل
 مجھ کو تو سلکھاوی ہے افزائے زندگی
 تقدیر شکن قوت باقی ہے ابھی اس میں
 تیرے بھی صنم خانے میرے بھی صنم خانے
 ہے نشن برہانی حیرت کی سوانی
 یسے لے مشکل ہے اس شے کی گھبانی
 تو نے ہی سکھائی تھی مجھ کو غیبِ نر خوانی
 کیا تجھ کو خوش آتی ہے دم کی یہ زبانی؟
 اس دور کے ملا ہیں کیوں نہابِ مسلمانا
 ناواں جسے کہتے ہیں تعسیر کا زندانی
 دونوں کے صنم خالی دونوں کے صنم فانی



یارب! یہ جہان کزراں خوب ہے لیکن
 گو اس کی خدائی میں مہاجرین کا بھی ہے ہاتھ
 تو برک گیا ہے ندی اہل حنڈرا
 کیوں غم اریں مزان صفا کیش و سنہر مند
 دنیا تو سمجھتی ہے فرنگی کو حنڈرا ند
 او کشت گل و لاله بخشد بہ خرے چند

۳۵۶
 بالِ جبریل
 ۳۲

حاضر ہیں کلیسا میں کباب کے گلاب
 احکام تم سے حق ہیں مگر اپنے منہ سے
 فردوس جو تیرے نے کسی نے نہیں دیکھا
 مدت سے ہے آوارہ اس لال مراد
 فطرت نے مجھے بختے ہیں جو ہر ملکوتی
 درویش خدا مست نہ شرقی ہے نہ غربی
 کہتا ہوں وہی بات سمجھتا ہوں جسے حق
 اپنے بھی خفا مجھ سے ہیں بے گناہی ناخوش
 مشکل ہے کہ ال بندہ حق بین حق آندیش
 ہوں آتش نرو کے شعلوں میں بھی خاموش
 پرسوز و نطن باز و نہ کو بین و لم ازار
 ہر حال میں یہ اردل بے قید سے خرم

مسجد میں دھرا لیا ہے بجز منوعہ و پند
 تاویل سے قرآن کو بنا سکتے ہیں پزند
 افزائے کا ہر قریب ہے فردوس کی مانند
 کرے اسے اب چاند کی غاروں میں نظر بند
 خالی ہوں مگر خاک سے رکھتا نہیں بیوند
 گھر میرا نہ ولی نہ صفا ہاں نہ سمرقند
 نے ابلہ سجد ہوں نہ تہذیب کا فرزند
 میں نہ ہر بلا پل کو کبھی کہہ نہ سکا قند
 خاشاک کے ٹوٹے کو کئے کوہ و ماوند
 میں بندہ مومن ہوں نہیں دانہ اسپند
 آزاد و گرفتار وہی کیسہ خورسند
 کیا چھینے کا غنچے سے کوئی ذوق شکر خند!

چپ نہ سکا حضرت یزداں میں بھی اقبال
 کرتا کوئی اس بند گستاخ کا منہ بند!

اعطفت سیدہ ام کلثومؓ اور شاہ خاندی رحمہ اللہ علیہ کے لعین و کرم سے نوبت ہوئی اور ان کے لئے نماز روزانہ
کفرہ جنتوں کی بابت برف برقی - برصہ قطار برشا تا جملہ کرم کے ایک کلمہ قیامت پر ہر روز پھر گا کہ
ہر روز سیدہ کی باتھار پر دروغ لگاتے - کما از پائے اشاکا و عطار بیدیم

1 سنا سکتا ہر پستانے نظرت میں راز کو کرا
غلط تھا ہے جنوں سنا بندہ ترا اندازہ کھرا
2 حوری سے ہر غلیم رنگ دلو کو توڑ سکتے ہیں
یہی تر قید تھی جیل کو تر سجھا نہ میر سجھا
3 نکتہ ہدایت آفاقہ قبلی عین فرست ہے
کہ اپنی مویج سے بگنہ ورہ سکتا ہر دریا
4 رتابت علم و عرفان میں باخلہ بنی ہے ہنر کا
کہ وہ حلاج کا کوئی کوسمی ہے رتبہ اپنا
بہ جا زور دریشی کہ روزگار نہ ہوں

۳۵۸
بال جبریل
۳۲

۱ نکتہ تعلیم آجرتی میرے خیر کے سخا کی
تن بسان عشقوں کو ذکر وسیع و موافق سے

۲ نظر آن نہ کون کوئی سنا کے نغمہ میں
۵۵
۳ ایک جو کور کر کے پھر سے لپووا

۴ نہ ایرال میرا ہے باقی نہ کورایا ہے باقی
۵ وہ بندے تو تھا حکما ملک قیور کس نے
۶ لدا لہ شیشہ لہنہ سنا فرہم سے لہنہ
۷ ہر ساقی کا اشرا میں ہر ساقی سے لہنہ

۸ نہ کرنا ہر غم کو رکھتی ہے ترستنا
۹ بیت دیکھے ہیں نے مشرق و مغرب کے پخانے
۱۰ پھلا سا تو ہے پھر پھلا سا ہے دور ہے جھپٹا
۱۱ کسی شیخ حرم ہے جو چرا کر بیچ کھاتا ہے
۱۲ گلیم روز و رات اور کچھ جاویر زہرا
۱۳ حضور میں ہر اکرا میں نے میری سنگت کی
۱۴ بے بندہ رشت سے بھائی رشت نہ رہے برپا

بہ جا زور دریشی کہ روزگار نہ ہوں

حصہ دوم



اعلیٰ حضرت شہید امیر المومنین نادر شاہ غازی رحمۃ اللہ علیہ کے لطف کرم سے نومبر ۱۹۳۳ء
میں مصنف کو حکیم سنائی غزنوی کے مزارِ معتمدس کی زیارت نصیب ہوئی۔ یہ چند افکار پریشاں
جن میں حلیم ہی کے ایک مشہور قصیدے کی پیروی کی گئی ہے، اُس روز سعید کی یادگار میں
پڑھتے گئے:

ما از پے سنائی و عطار مدیم

سماکتا نہیں پہناتے فطرت میں مراسوا
غلط کھتا ہے جنوں شاید ترا اندازہ صحرا
خودی سے اس طلسم رنگ و بو کو توڑ سکتے ہیں
یہی توحید تھی جس کو نہ تو سمجھانے میں سمجھا
رنگہ پیدا کر کے غافل تھی لبلی عین فطرت سے
کہ اپنی موج سے بیگانہ رہ سکتا نہیں دریا

۳۵۹
بالِ جبریل
۳۵

رقابت علم و فن میں غلط بینی ہے منبر کی
 کہ وہ حلاج کی سولی کو سمجھتا ہے قیامنا
 خدا کے پاؤں بندوں کو حکومت میں غلامی میں
 زہ کوئی الرحمن فوط رکھتی ہے تو استغنا
 نہ کرتے لید اے جبریل میرے جذبِ مستی کی
 تن آساں عرشوں کو ذکر و تسبیح و طواف اولیٰ



بہت دیکھے ہیں میں نے مشرق و مغرب کے مہمان
 یہاں ساتی نہیں پیدا، وہاں بے ذوق ہے صہبا
 نہ ایراں میں ہے باقی، نہ توراں میں رہے باقی
 وہ بندے فقر تھا جن کا ہلاک قبضہ کسری
 یہی شیخ حرم ہے جو چہرہ الریج کھاتا ہے
 گلیم بوڑو و ذوق اویسش چہرہ زہرا
 حضور حق میں اسرافیل نے میری شکایت کی
 یہ بندہ وقت سے پہلے قیامت کرنے دے پڑا

۳۶۰
 بالِ جبریل
 ۳۶

بڑا اتنی کہ اشوب قیامت سے یہ کیا کم ہے
 گرفت چینیوں احرام و ملی خفست بڑھی! *
 لبالب شیشہ تہذیب حاضر ہے مے لائے
 مگر ساقی کے ہاتھوں میں نہیں سپانہ اللہ!
 و بارگھا ہے اس کو زخمہ و رکی تیز دوستی نے
 بہت نیچے سُروں میں ہے ابھی یورپ کا و اوویلا
 اسی دریائے اٹھتی ہے وہ موج تند جولاں بھی
 ننگوں کے شیمن جس سے ہوتے ہیں تہ و بالا



غلامی کیا ہے؟ ذوقِ حسنِ زیبائی سے محرومی
 جسے زیب کہیں آزاد بندے سے وہی زیبا
 بھروسہ کر نہیں سکتے غلاموں کی بصیرت پر
 کہ دنیا میں فقط مردانِ حُر کی آنکھ سے بینا

* یہ مصرع حکیم سنائی کا ہے

وہی ہے صاحبِ امروز جس نے اپنی ہمت کے
 زلمے کے سمندر سے نکالا لوہر مندروا
 فرنگی شیشہ کر کے فن سے پتھر ہو گئے پانی
 مری بسیر نے شیشے کو بخشتی سختی حنارا
 رہے ہیں اور ہیں نعرہ مری گھات میں اب تک
 مگر کیا نسیم کہ میری استیں میں ہے بدبھیا
 وہ چنگاری خس و خاشاک کے کس طرح دے جاتے
 جسے حق نے کیا ہونمستاں کے واسطے پیدا
 محبتِ خویش تن بینی، محبتِ خویش تن داری
 محبتِ استانِ قصید و کسر می سے بے پروا
 عجب کیا کر مرہ و پرویں کے پنجہ ہو جائیں
 کہ گرفتار صاحبِ دولت بستم سر خود را

• یہ مصرع مرزا صاحب کا ہے جس میں صرف ایک لفظ تغیر کیا گیا

۳۶۲
بالِ جبریل
۳۸

وہ دانستے سبیل ختم الرسل، مولائے کل جس نے
 غبارِ راہ کو بخشا و فرخ وادی سینا
 نگاہِ عشق و ہستی میں وہی اول وہی آخر
 وہی شکرانہ وہی شرفان، وہی سین وہی طہ
 سنانی کے ادب سے میں نے غواصی کی ورنہ
 ابھی اس بحر میں باقی ہیں لاکھوں لوگوں لالا



یہ کون غزل خواں ہے پر سوز و نشاط انگیز
 گرفتار بھی رکھتا ہے اندازِ ملوکانہ
 اچھے قصوں میں وہ فقر نہیں ہوتا
 اچھے سلفہ درویشان وہ مرخدا ایسا
 جو ذل کی گرمی سے شعلے کی طرح روشن
 کرتی ہے ملوکیت تارِ حسنون بیدا
 اندیشہ و انما لو کرتا ہے حسنون آئینہ
 ناپختہ ہے پرویزی بے سلطنت پرور
 خون دل شیران جو جس فقر کی دستاویز
 ہو جس کے گریباں میں ہنگامہ رستاخیز
 جو فکر کی سرعت میں بجلی سے زیادہ تیز
 اللہ کے شتر ہیں تیمور ہو یا چنگیز

۳۶۳
 بالِ جبریل
 ۳۹

یوں اوسخن مجھ کو تے ہر اوق پائرس
یہ کافر ہندی کے تے سناں سخن پڑ



وہ حرفِ از کہ مجھ کو سلکا لیا ہے جنوں
ستارہ کیا مری تقدیر کی خبر دے گا
حیات کیا ہے خیال و نظر کی مجذوبی
عجب مزاج ہے مجھے لذتِ خودی دے کر
ضمیر مال و نگاہ بند دوستی شوق
سبق ملا ہے یہ معراجِ مصطفیٰ سے مجھے
یہ کائنات ابھی ناتمام ہے شاید
علاجِ آتشِ رومی کے سوز میں ہے ترا

خدا مجھے نفسِ جبریل دے تو کہوں
وہ خود فراخیِ افلاک میں ہے خوار و زبون
خومی کی موت ہے اندیشہ ہائے لونا لوں
وہ چاہتے ہیں کہ میں اپنے آپ میں رہوں
نہ مال و دولتِ قارون نہ فکرِ افلاطون
کہ عالمِ بشریت کی زد میں ہے گمراہوں
کہ اسی ہے نامِ صدائے کن فیکون
تری خروپے ہے غالبِ سرخیوں کا فوں

اُسی کے فیض سے میری نگاہ ہے روشن

اُسی کے فیض سے میرے لبوں میں ہے جھول

۳۶۲
بالِ جبریل
۲۰



عالمِ آبِ خال و بادِ استرجیاں ہے تو کہ میں
 وہ جو نظر سے ہے نہاں اُس کا جہاں ہے تو کہ میں
 وہ شبِ در و سوزِ غم کہتے ہیں زندگی جسے
 اُس کی سحر ہے تو کہ میں اُس کی ازاں ہے تو کہ میں
 کس کی نمود کے لیے شام و سحر ہیں گرم یہ
 شانہ روزگار پر بارِ کراں سے تو کہ میں
 تو کفِ حال و بصر، میں کفِ حال و خود بلر
 کشتِ جو کے لیے اِس رواں ہے تو کہ میں



(لندن میں لکھے گئے)

تو ابھی رہ کوز میں ہے قیدِ معتام سے کوز
 مصر و حجاز سے کوزِ پارس و شام سے کوز

۳۶۵
 بالِ جبریل
 ۴۱

جس کا عمل سے بے غرض اُس کی جزا کچھ اور ہے
 حورِ چہ پیام سے لوز، باوہ و جام سے لوز
 گرچہ سے دلکش بہت حُسنِ فرناک کی بہار
 طائرِ بلبلِ بانِ دانہ و دام سے لوز
 کوہِ شکافِ تیری ضربِ تھبے کشادِ شروق و غرب
 تیغِ ہلال کی طرح عیشِ نیام سے لوز
 تیرا امام بے حضور تیری نماز بے سرور
 ایسی نماز سے لوز، ایسے امام سے لوز!



امینِ ازل ہے مرانِ حُر کی رویشی
 کہ خبر کہ سفینے ڈبو چکی کتنے
 فقیرِ صوفی و شاعر کی ناخوش اندیشی
 نہ اہِ سُر کہ ہے کو سفندی ویشی
 طیبِ عشق نے ویجا مجھے تو فرمایا
 ترا مرض ہے فقط آرزو کی بے نشی

۳۶۶
 بالِ ہبریل
 ۲۲

وہ شے کچھ اور ہے کہتے ہیں جان مال جسے
یہ نیک و نیک یہ لہو آب و نال کی ہے ہستی



پھر چراغِ لالہ سے روشن ہوتے کوہ و دامن
پھول ہیں صحرا میں یا پر پان قطار اندر قطا
برگ گل پر رکھ گئی شبنم کا موتی با صبح
حُسن بے پروا کو اپنی بے نعتابی کے لیے
اپنے من میں ڈوب کر پاجا سرخِ زندلی
من کی دنیا! من کی دنیا سوستی جذب و شوق
من کی دولت ہاتھ آتی ہے تو پھر جاتی نہیں
من کی دنیا میں نہ پایا میں نے افریقی کاراج

مجھ کو پھر نعروں پہ اُکسائے لگا مرغِ حنین
اُور اُور اُور نئے نئے سیدے سیدے پیرین
اور چمکتی ہے اس موتی کو سوچ کی کرن
ہوں اگر شہر کے بن سارے تو شہر اچھے کہ بن
تو اگر میرا نہیں بنانا نہ بن اپنا تو بن
تن کی دنیا! تن کی دنیا سو دو سو اُمل و فن
تن کی دولت چھاؤں کی آٹا ہے دھن جاتا دھن
من کی دنیا میں نہ دیکھے میں نے شیخ و برہن

پانی پانی کر لیتی مجھ کو قلندر کی یہ بات
تو جھکا جب غمیرے آگے زمین تیرا نہ تن



(کابل میں لکھے گئے)

مسلمان کے لہو میں ہر سلیقہ دل نوازی کا
مروتِ حُسنِ عالم لیر ہے مروانِ غازی کا
شکایت ہے مجھے یارب! خداوندِ مکتب سے
سبقِ شاہینِ بچوں کو ہے ہے میں خالِ غازی کا
بہت تہمت کے پنچیروں کا اندازِ نگہ بدلا
کہ میں نے فاش کر ڈالا طرقتِ شہِ غازی کا
قلندرِ جزو و حرفِ لا الہ کچھ بھی نہیں لھتا
فقیرِ شہرِ قاروں ہے لغتِ بلتے حجازی کا
حدیثِ بادہ و سنا و جامِ الی نہیں مجھ کو
نہ کر خارا شکافوں سے تقاضا شیشہ سازی کا

کہاں سے تونے لے اقبالِ سلیمی سے درویشی
کہ چرچا پاؤں شاہوں میں تیری بے نیازی کا



عشق سے پیدا نوالے زندگی میں بُریم
عشق سے مٹی کی تصویروں میں عزومِ ہوم
اومی کے ریشے ریشے میں سما جاتا ہے عشق
سرخ گل میں جس طرح باوہی گلہری کا نم
اپنے رازق کو نہ پہچانے تو محتاجِ ملوک
اور پہچانے تو ہیں تیرے کہ دارا و جسم

۳۶۸
بالِ جبریل
۲۲

دل کی ازاد می شناسی شکم سامان تو
اے سلمان! اپنے دل سے پوچھ لے نہ پوچھ

فیصلہ تیرے ہاتھ سے دل یا شکم
ہو لیا اتنے بندوں سے میں خالی حرم



دل سوئے خالی ہے نیک پاک نہیں ہے
بے وق تکتی بھی اسی خال میں سپا
وہ اٹکھ کہ ہے سہرا فرنگ کے روشن
کیا صوفی و ملا کو خبر میرے جنوں کی
کت تک رہے محکومی اہم میں مرخی خال
بجلی ہوں نطن فرہ بیاباں ہے میری
عالم ہے فقط مومن جاں باز کی سیرا

پھر اس میں عجب کیا کہ تو بے مال نہیں ہے
خافل! تو بڑا صاحب اور مال نہیں ہے
پُرکار و سخن ساز ہے نم مال نہیں ہے
اُن کا سوا سن بھی ابھی چال نہیں ہے
یائیں نہیں یا لکروشرا فلال نہیں ہے
میرے لیے شایاں خس و خاشاک نہیں ہے
مومن نہیں جو صاحب لال نہیں ہے!



ہزار خوف ہو لیکن زبان ہو دل کی رسیق
یہی ہے ازل سے قلندروں کا طریق

ہجوم کیوں کے زیادہ شراب خانے میں
 علاج ضعفیت میں ان کے نہیں سکتا
 مرید ساوہ تو رو کے پو کیے تائب
 اسی طلسم لہن میں اس کے آدم
 مے لیے تو ہے تار باللساں بھی بہت
 اگر چہ عشق تو ہے کھن بھی سلمانی
 فقط یہ بات کہ پیر میں سے حسیق
 غریب اگر چہ ہیں رازی کے نکلتے تھے وقت
 خدا کے حکم سے شیخ کو بھی تو حسیق
 بغل میں اس کی ہیں بات تکتا عتق
 ہزار شکر کہ ملا ہیں صاحب باریق
 نہ ہو تو مرد سماں بھی کافی نزدیک



نوپچہ پاس کے کہ مقبول ہے فطرت کی کو بھی
 کافی ہے مسلمان تو نہ شایہ فقیری
 کافی ہے تو ششیر پتے بھروسا
 کافی ہے تو ہے تابع تیر مسلمان
 تو صاحب منب نزل کے کہ بھٹکا ہوا ہے
 مومن کے تو کرتا ہے فقیر میں بھی شایہ
 مومن کے تو ہے تیغ بھی لڑتا ہے سپاہی
 مومن کے تو وہ اپنے تفتیر الہی
 میں نے تو کیا پردہ اسرار کو بھی چاک
 دیرینہ تیرے رازوں کو نگاہی

۳۷۰
 بال جبریل
 ۲۶



(قرطب میں لکھے گئے)

یہ حوریاں سنسنی دل و نظر کا حجاب
 دل و نظر کا سینہ سنبھال کر لے جا
 جہاں صوت و صدا میں سانس نہیں سکتی
 سکھائیے ہیں اسے شوہا تے خانقہ
 وہ سجدہ روح زمیں جس کا نپ جاتی تھی
 سنی نہ مصر و فلسطین میں ازاں میں نے
 چوائے قرطبہ شاید یہ ہے اثر تیرا
 بہشت مغربیاں جلوہ ہا پایہ کا ب
 مہ ستارہ ہیں جسے جو میں جواب
 لطیفہ ازلی ہے فغان چنگ و رباب
 فقیہ شہر کو صوفی نے کر دیا ہے خراب
 اسی کو آج ترستے ہیں منبر و مسراہ
 دیا تھا جس نے پہاڑوں کو عیشہ سیاب
 مری نوامیس کے سوز و سحر و عہد شباب



دل بیدار فاروقی، دل بیدار لڑاری
 دل بیدار پیدا کر کہ دل خوابید ہے جب تک
 بس آدم کے حق میں کیسیا ہے دل کی بیداری
 نہ تیری ہے کارنی تیری ہے بے کاری

مشام تیرے ہلتے صحرا میں نشاں لسن کا
 اس اندیشے سے ضبط سے ہمیں کرتا رہوں کہ تک
 خدانے تیرے سادے دل سے کہہ دیا ہے
 مجھے تہذیبِ حاضر نے عطا کی ہے وہ آزادی

ظنِ تجھ سے ہاتھ آتا نہیں آہوتے تاتاری
 کہ منزاوٹے لے جاہیں ترمی قسمت کی چکاری
 کہ درویشی بھی عتبار سے، سلطانی بھی عتباری
 کہ ظاہر میں تو آزادی ہے باطن میں گرفتاری

تو اے مولائے پیرت، آپ پیر می جاہِ پسا می
 برمی اس کے افزائی، ہر ایک کے بڑائی



خودی کی شوخی و تندی میں کبر نماز نہیں
 نگاہِ عشقِ دل زندہ کی تلاش میں ہے
 برمی نوا میں نہیں ہے اواسے محبوبی
 سوال سے نہ کروں ساقی فرنا کے نہیں
 جوئی نہ عام جہاں میں کبھی حکومتِ عشق
 اک خاطر آپ سلسلِ عیاب ہو کہ حضور
 جو نماز ہو بھی تو بے لذت نیاز نہیں
 شکارِ مردہ سزاوار شاہ پار نہیں
 کہ بانگِ صورتِ افسانہ نواز نہیں
 کہ طیسرے تھوڑے زمانہ پال باز نہیں
 سب سے ہے کہ محبت زمانہ ساز نہیں
 میں خود لوں تو مری اسان دراز نہیں

۲۷۲
 بالِ جبریل
 ۲۸

اگر ہو ذوق تو خلوت میں پڑھو نور عجم
فغانِ نیم شبی بے نوائے از نہیں



میر سپاہِ ناسزا، شکریاں شکستہ تصف
تیرے محسب میں کسین ہر زندگی نہیں
عشقِ بتاں سے ہاتھ اٹھا اپنی خودی میں ڈوبا
کھول کے کیا بیاں کروں ستر تمام مرل و عشق
صحتِ پیروم سے مجھ پر یارِ از فاش
مثلِ کلیم ہو اگر مع کرا ز مالوں
خیر نہ کرے کجا مجھے جلوہ دہش فرزند
آواہ تیرے نیم شبی بس کس نہ ہو کوئی ہدف
ڈھونڈو چھکا میں موج و لہجہ چکا صد فند
نقش و نگار ویر میں غمِ جن بگر نہ کرتلف
عشقِ مکرک باشرف مکرک حیاتِ شرف
لاکھ حکیم سنجیت ایک کلیم سب حرف
اب بھی درختِ طوس سے اتنی برباناب لا
سڑے میری آنکھ کا حال مدینہ و نجف



(یورپ میں لکھے گئے)

زمستانی ہو میں کر چہ تھی شمشیر کی تیری
نہ چھوڑے مجھ سے لندن میں بھی آو اسے خیر با

۳۷۳
بالِ جبریل
۲۹

کہیں سب پریشان کر لیں میری کم آسیری
 کہیں سب پریشان کر لیں میری کم آسیری
 طریق کو بہن میں بھی جیسی جھلے ہیں پروری
 طریق کو بہن میں بھی جیسی جھلے ہیں پروری
 جڈا ہویں سیاست تو رہ جاتی ہے چنکیزی
 جڈا ہویں سیاست تو رہ جاتی ہے چنکیزی
 وہی عبرت ہی عظمت ہی شان ان آسیری
 وہی عبرت ہی عظمت ہی شان ان آسیری



یہ دیر لہن کیا ہے انبار خس و خاشاک
 یہ دیر لہن کیا ہے انبار خس و خاشاک
 نچ پیر محبت کا قصہ نہ سیر طوع لانی
 نچ پیر محبت کا قصہ نہ سیر طوع لانی
 لکھو یا کیا مطلب ہفت سادو دولت میں
 لکھو یا کیا مطلب ہفت سادو دولت میں
 اک شریع مسلمان اک جذب مسلمان
 اک شریع مسلمان اک جذب مسلمان
 اے ہر و منہ نہ اے جذب مسلمان
 اے ہر و منہ نہ اے جذب مسلمان
 رمزیں ہیں محبت کی ستاخی بے باکی
 رمزیں ہیں محبت کی ستاخی بے باکی

فارغ تو نہ بیٹھے کا محشر میں بنوں میرا
 فارغ تو نہ بیٹھے کا محشر میں بنوں میرا
 یا اپنا کریں حال چاک یاد ہن بزواں حال
 یا اپنا کریں حال چاک یاد ہن بزواں حال

۳۷۴
 بال جبریل
 ۵۰



کمال ترک نہیں آسب و کل سے محبوبی
 میں ایسے سے اے اہل حلقہ باز آیا
 نہ فقہ کے لیے موزوں نہ سلطنت کے لیے
 سُننے نہ ساتی نہ شش تو اور بھی اچھا
 حکیم و عارف و ضوونی تمام ستیہ ظہور
 وہ ملتفت چوں تو کونج قفس بھی ازادی
 بُرانہ مان ذرا ازما کے دیکھ اے
 کمال ترک ہے تسخیر کی ونوری
 تمہارا فقہ ہے بڑا بولتی و رنجوری
 وہ قوم جس نے کٹوا یا ستیہ سمجھوری
 عیار کر رہی صحت ہے عربیہ زورنی
 کھنچے بکرہ تختی ہے عین ستوری
 نہ ہوں تو صحن سپرین بھی مقام محبوبوری
 فرنگ دل کی خرابی خردلی مسوری



عقل کو آستان سے فور نہیں
 دل بیسنا بھی کر خدا سے طلب
 علم میں بھی سرور ہے لیکن
 اس کی تعمیر میں حضور نہیں
 آنکھ کا نور دل کا نور نہیں
 یہ وہ جنت ہے جس میں جو نہیں

کیا غضب ہے کہ اس زمانے میں
 اک جنوں ہے کہ باشعور بھی ہے
 ہاں سبوری ہے زندگی دل کی
 بے حضوری ہے تیری موت کا راز
 پر گہر نے صدف کو توڑ دیا
 آرنی میں بھی کہہ رہا ہوں مگر
 ایک بھی صاحبِ سُرور نہیں
 اک جنوں ہے کہ باشعور نہیں
 آہ وہ دل کہ ہاں سبور نہیں
 زندہ ہو تو تو بے حضور نہیں
 تو ہی آماؤ ظہور نہیں
 یہ حدیثِ کلیم و طور نہیں



خودی وہ بھرے جس کا کوئی کنارہ نہیں
 طلسمِ سبید لہروں کو توڑ سکتے ہیں
 خودی میں ڈوبتے ہیں پھر اُبھر بھی آتے ہیں
 ترمیم نام کو خبم شناس کیا جانے
 یہین ہشت بھی ہے خور و جبریل بھی ہے
 مرے جنوں نے زمانے کو خوب چسپانا
 تو اب جو اسے سمجھا کر تو چارہ نہیں
 زجاج کی یہ عمارت سنگِ خارہ نہیں
 مگر یہ جو سدا مرد و بیچ کا رہا نہیں
 کہ خاکِ زندہ ہے تو تابعِ ستارہ نہیں
 ترمی نگر میں ابھی شوخیِ نطن دارہ نہیں
 وہ سپہنِ مجھے بخشا کہ پارہ پارہ نہیں

۳۷۶
 بالِ حبریل
 ۵۲

غضب ہے عین کرم میں نخیل سے فطرت
کہ عمل ناب میں آتش تو ہے شرار نہیں



یہ پیام دے لیتی ہے مجھے باوجود کجی
ترمی زندگی اسی سے تری ابرو اسی سے
نہ ویانسان سنزل مجھے اچھے تو نے
مے صلعت سخن میں ابھی تر بیت ہیں
یہ معلطے ہیں نازک جو تری ضرسا ہو تو
تو ہما کب ہے شکاری ابھی ابتدا ہے تیری
تو عربی یا عجم ہو ترا لا الہ الا
کہ خودی کے عارفوں کا ہے مہتمم پادشاہی
جو رہی خودی تو شاہی نہ رہی تو رویاہی
مجھے کیا کلمہ ہو تجھے شونہ رہ شین راہی
وہ کدا کہ جانتے ہیں وہ رسم کجکلاہی
کہ مجھے تو خوشن آیا یہ طریق خانقاہی
نہیں صلحت کے خالی یہ جہان مرغ واپہی
نعت عربیت کتا ترا دل سے جو اپہی



ترمی نگاہ سر مایہ ہاتھ ہے کوتاہ
گلا تو کھونٹ دیا ایل در سے ترا
ترا کنت کہ نخیل بلند کا ہے لٹاہ
کہاں سے آئے صدا لا الہ الا اللہ

خودی میں کم ہے خدائی تلاش کر غافل!
 حدیث دل کسی روشن کاری سے پوچھو
 برہنہ سے تر تو عنہم بلند پیدا کر
 نہ ہے ستارے کی گردش بازی افلاک
 اٹھامیں سر و خانقاہ عیسیٰ نامک
 یہی ہے تیرے لیے اصلاح کار کی آ
 خدا کرے تجھے تیرے مقام سے گاہ
 یہاں فقط شاہد ہیں واسطے گلاہ
 خودی کی موت ہے تیرا زوال نعمت و جاہ
 نہ زندگی نہ محبت نہ معرفت نہ نفاہ!



خون کے پاس کے سو اچھ اور نہیں
 ہر کام سے اگے مقام ہے تیرا
 کران بہا ہے تو جھنڈ خودی کے ہونے نہ
 رکوں میں گردش خون سے اتر تو کیا حاصل
 عروس لالہ مناسب نہیں مجھ سے حجاب
 جسے کسا دیتے ہیں تاج برفین ناک
 بڑا ریم ہے قبہ سال بے رنو لیکن
 ترا علاج ننگ کے سو اچھ اور نہیں
 حیات فوق ہونے کے سو اچھ اور نہیں
 گھر میں اب بس کے سو اچھ اور نہیں
 حیات سے روز جل کر کے سو اچھ اور نہیں
 کہ میں سیم کے سو اچھ اور نہیں
 وہ شے متاع ہونے کے سو اچھ اور نہیں
 عطا شدہ شے کے سو اچھ اور نہیں

۳۷۸
 بال جبریل
 ۵۴



نگاہِ مست میں شاہِ سکنڈری کیا ہے
 بتوں سے تجھ کو اُمیدیں خدا سے نو مری
 فلک کے اُن کو عطا کی ہے جو اہلی کہ جنہیں
 فقط نگاہ سے ہوتا ہے فیصلہ دل کا
 اسی خط سے عتابِ نلوک سے مجھ پر
 کسے نہیں تیرے سُرور کی لہریں
 خوش آگتی ہے جہاں کو قلندری مری

خراج کی جو کدا ہو وہ قصیری کیا ہے
 مجھے بت تو سہی اور کانگری کیا ہے
 خنہ سیریں ریش بند پوری کیا ہے
 نہ ہونگاہ میں شوخی تو لب مری کیا ہے
 کہ جانتا ہوں مالِ سکنڈری کیا ہے
 خودی کی موت ہو جس میں سُرور کیا ہے
 وگرنہ شعر مرالیا ہے شاعری کیا ہے



نہ تو زمیں کے لیے نہ آسماں کے لیے
 عیقل و دل ہیں شہِ شعلہ محبت کے
 مقامِ پُرشش آہ و نالہ ہے یہ سپن

جہاں سے تیرے لیے تو نہیں جہاں کے لیے
 وہ خار و خس کے لیے ہے یہ یہاں کے لیے
 نہ سیر گل کے لیے ہے نہ اشیاں کے لیے

رہے کاراومی وسیل وفرات میں کتک
 ترا سفینہ نہ کہ ہے بھر بے کراں کے لیے!
 نشانِ راہ دکھاتے تھے جوستاروں کو
 ترس گئے ہیں کسی مڑ راہ اس کے لیے
 زنگہ ملت سخن دل نواز جاں پر سوز
 یہی ہے رختِ سفر میر کا وہ اس کے لیے
 ذرا سی بات تھی انڈیشہ رحیم نے اسے
 بڑھایا ہے فقط زریبِ ہستاں کے لیے

میر کے جلو میں سے ال نغمہ جبریل آشوب
 سنبھال کر جسے رکھنا ہے لامکاں کے لیے



تو اے میری مکانِ لامکاں دور نہیں
 وہ جلوہ گاہ تیرے خالِ داس دور نہیں
 وہ مرغزار کہ بیم سزاں نہیں جس میں
 غمیں نہ ہو کہ تیرے اشیاں دور نہیں
 یہ ہے حنا لاصہ علم قلمِ رحیمی حیات
 خدنا جنت ہے لیکن کیاں دور نہیں
 فضا تری مرہ پر وہیں سے ہے ذرا کے
 قدم اٹھایا ہے تمام آسماں کے دور نہیں
 کہ نہ راہ سے کہ چھوٹے مجھ کو

یہ بات اپر و نکلتے داس سے دور نہیں

۳۸۰
 بالِ حبریل
 ۵۶



(یورپ میں لکھے گئے)

حسرت نے مجھ کو عطا کی نظر حلیمانہ
 نہ بادہ ہے نہ صُراحی نہ دورِ پیمانہ
 سسکھائی عشق نے مجھ کو حدیثِ رندانہ
 فقط نگاہ سے رنگیں ہے بزمِ جانانہ
 کہ میں چوں محسوسم از دورِ مہینہ
 مری نواتے پریشاں کو شاعری سمجھ
 اسی میں ہے مے دل کا تمام افسانہ
 کلی کو دیکھ کہ ہے تشنہ زینیم
 سب آشنا ہیں یہاں ایک میں چوں بیگانہ
 کوئی بتاتے مجھے یہ عیاب ہے کہ حضور
 فرنگ میں کوئی دن اور بھی ٹھہر جاؤں
 مے حُسنوں کو سنبھالے الہیہ برانہ
 مقامِ عقل سے اسان لہز لیا آبال
 مقامِ شوق میں کھویا کیا وہ فرزانہ



افلاک سے آتا ہے مالوں کا جوابِ آخر
 کرتے ہیں خطبِ آخر اٹھتے ہیں حجابِ آخر

احوال محبت میں کچھ فرق نہیں آیا
 نو و تبا اول نو و تبا آخر
 میں سمجھ کو بتاتا ہوں تقدیر اُمم لیا ہے
 شمشیر و سناں اول طاؤس و رباب آخر
 میخانہ یورپ کے دستور نزلے ہیں
 لاتے ہیں سُر اور اول دیتے ہیں شراب آخر
 کیا دیدہ نادر کیا شوکت سموری
 پوچھتے ہیں سب دفتر غرق مے تبا آخر
 خلوت لی لٹھری کز زنی جلوت لی لٹھری
 چھٹنے کو ہے پھل سے خوش سحاب آخر

تھا ضبط بہت مشکل اس سبیل معانی کا
 کہہ ڈالے قلند نے اسرار کتاب آخر



ہر شے مسافر ہر چہ سیر راہی
 کیا چاند تارے کیا مرغ و ماہی
 تو مرد میدان تو میثا شکر
 نوری حضور می تیر سپاہی
 کچھ تدر اپنی تو نے نہ جانی
 یہ بے سواومی یہ کم نساہی
 دنیا تے دُوں کی کب تک عندا می
 یار اہم سبھی کر یا پادشاہی
 چیرم کو دیکھا ہے میں نے
 کروار بے سوز، گفتار واہی

۳۸۲
 بابِ جبریل
 ۵۸



ہر چیز سے جو خود سنائی
 بے ذوق نمود زندگی، موت
 راتی زورِ خودی سے پرست
 تارے آوارہ و کلمہ آسینہ
 یہ پھیلے پھر کا زور و چہرہ
 تیری قندیل ہے ترا اول
 اک ٹوٹے کہ حق ہے اس جہاں میں
 ہیں عقدہ کشا چہنار صحرا
 ہر روزہ شہید کبریائی
 تعمیرِ خودی میں ہے حسدائی
 پرستِ ضعفِ خودی سے اتنی
 تقدیرِ وجود ہے حسدائی
 بے راز و نیازِ آشنائی
 تو اٹپکے اپنی روشنائی
 باقی ہے نمودِ سیمائی
 کلمہ کر رکھو برہنہ پائی



اعجاز ہے کسی کا یا کر وشن زماں
 تعمیریاں سے میں نے یہ از پائیا
 ٹوٹا ہے ایشیا میں سحر فرنگیانہ
 اہل نوا کے حق میں بجلی ہے ایشیانہ

یہ بندگی خدائی، وہ بندگی کدائی
 غافل نہ ہو خودی سے کراپنی پاسبانی
 یا بندۂ خدا بن یا بندۂ زمانہ!
 شاید کسی حرم کا تو بھی ہے آستانہ
 اے لالہ کے ارشاد باقی نہیں تجھ میں
 کفتارِ لبِ لہر نہ، لہر و ارتاپ نہ
 تیری نگاہ سے دل سینوں میں کانپتے تھے
 لکھو یا لکھا ہے یہ جذبِ قلندرانہ

رازِ حرم سے شاید سوالِ باخبر ہے
 ہیں اس کی گفتگو کے اندازِ محرمانہ



خرد ہندوں سے کیا پوچھوں کہ میری ابتدا کیا ہے
 کہ میں اس منکر میں رہتا ہوں میری انتہا کیا ہے
 خودی کو کر لب بند اتنا کہ تیرے تیرے پہلے
 خدا بندے سے خود تو چھے بتا تیری صفا کیا ہے
 مقامِ نفست کو کیا ہے الر میں کسمبیا کر ہوں
 یہی سوزِ نفس ہے اور میری کسمبیا کیا ہے!

۳۸۲
 بالِ جبریل
 ۶۰

نظر آئیں مجھے تفتدیر کی لہریاں اُس میں
 نہ پوچھ لے ہم شیں مجھ سے وہ چشمِ سرِ سیا لیا ہے
 اگر ہوتا وہ مجذوبِ فرنگی اس زمانے میں
 تو آسپال اس کو سمجھتا مقامِ سرِ سیا لیا ہے
 نوائے صبح کا ہی نے چکر خوں کر دیا میرا
 خدایا جس خطا کی یہ سزا ہے وہ خطا کیا ہے!



جب عشق سکھاتا ہے اور خوب کا ہی
 عطار ہو رومی ہو رازمی ہو، عزالی ہو
 نو میدانہ ہو ان سے لے رہبرِ فرزانہ!
 اے طائرِ لاہوتی! اُس رُزق سے مت اچھی
 کھلتے ہیں سلاسونِ اسرارِ شہنشاہی
 کچھ ہاتھ نہیں آتا بے آہِ سحر کا ہی
 کم کوشش تو ہیں سب کین بے وقوف نہیں رہی
 جس رُزق سے آتی جو پڑا زمینِ خوتا ہی

✽ جرمنی کا مشہور مجذوبِ فلسفی نطشہ جو اپنے قلبی واردات کا صحیح اندازہ نہ کر سکا اور
 اس لیے اس کے فلسفیانہ افکار نے اسے غلط رستے پر ڈال دیا

واراہِ سکندر سے وہ مرد فقیرِ اولیٰ
ہو جس کی فقیری میں ہوئے اسدِ الہی
آمین جو انمراں حق کوئی بے باکی
اللہ کے شیروں کو اتنی نہیں رہا ہی



مجھے آہ و فغانِ نیم شب کا پھر پیام آیا
تھمے پہر کہ شاید پھر کوئی مشکل مقام آیا
ذرا تقدیر کی لہراتیوں میں ڈوب جا تو بھی
کہ اس جنگاہ سے میں کج تیغ بے نیام آیا
یہ مصرع لکھ دیا کس شوخ نے محرابِ مسجد پر
یہ یادوں گزرتے سجدوں میں جب وقتِ قیام آیا
چل اے میری غریبی کا تاشا دیکھنے والے
وہ محفل اٹھ لے جی جس دم تو مجھ تک ورجام آیا
دیا اقبال نے ہندی مسلمانوں کو سوز اپنا
یہ ایک مرتن اسان تھا ہن اسان کے کام آیا

اسی اقبال کی میں جستجو کرتا رہا برسوں
بڑی محنت کے بعد آخر وہ شاہینِ زیوم آیا



نہ ہو طغیانِ شتاقی تو میں رہتا نہیں تہی
کہ میری زندگی کیسے یہی طغیانِ شتاقی

۳۸۶
بالِ جبریل
۶۲

مجھے فطرت نے زواریے سے مجبور کرتی ہے
 وہ آتش آج بھی میرا شہین بھونک رہی ہے
 نہ لرافرنک کا اندازہ اس کی تانبالی سے
 دلوں میں لو لے لافاق گیری کے نہیں اٹھتے
 خزاں میں بھی لکڑی سمجھتا تھا میں صیاد کی زواریے میں

ابھی محض ہیں، شاید کوئی درویشنا باقی
 طلب صبا دق نہ ہو سیری تو پھر کیا شکوہ ساقی!
 کہ بجلی کے چرخوں کے ہے اس جھری براتی
 نگاہوں میں اگر پیدائے ہو انداز آفاق
 مری عمارتھی شاخ شہین کی الم اور اقی

الٹ جائیں کی تیریں بل جاتیں کی تقدیر

حقیقت ہے نہیں میرے تختیل کی یہ خلاتی



فطرت کو خود کے زور پر کر
 تو اپنی خودی کو کھو چکا ہے
 تاروں کی فضا ہے سیکراند
 عرماں ہیں ترسے چمن کی حوریں
 بے ذوق نہیں اگرچہ فطرت

تسخیر معتام زنگ و بو کر
 کھوئی ہوئی شے کی جستجو کر
 تو بھی یہ معتام ارزو کر
 چاکل گل و لالہ کو رفو کر
 جو اس کے نہ ہو سکا وہ ٹوکر!



یہ پیران کلیسا و حرم، اے وائے مجسومی!
 صلہ ان کی لہو کاوشس کا ہے سینوں کی بے زوی
 یقین پیدا کرانے ناوان یقین سے ہاتھ آتی ہے
 وہ درویشی کہ جس کے سامنے جھکتی ہے منغوری
 کبھی حیرت، کبھی مستی، کبھی آہ و سحر ہی
 بدلتے ہے ہزاروں زمانہ میر اور مجوسی
 حد اور اسکے باہر ہیں باتیں عشق و مستی کی
 سمجھ میں اس قدر آیا کہ دل کی موت کے دوری
 وہ اپنے حسن کی مستی سے ہیں مجبور پیدائی
 مری آنکھوں کی بیستانی میں ہیں ایسا بہ توری
 کوئی تفتدیر کی منطق سمجھ سکتا نہ ورنہ
 نہ تھے ترکان عثمانی سے کم ترکانِ یسوی

۳۸۸

بالِ حبریل

۶۲

فقیرانِ حرم کے ہاتھ قبائلِ ایک کیونکر
میسٹر سیر سلطان کو نہیں شاہینِ فافوری



تازہ پھر وائش حاضر نے کیا سحرِ قلم
عقلِ عیت اپنے سوجھیں نہایتی ہے
عیشِ نسرل ہے غریبانِ محبتِ حرام
ہے کراں سیرِ غمِ راحلہ و زاوے سے تو
کوز اس عہد میں ممکن نہیں بے کلمہ سیم
عشق بے چارہ نہ ملا ہے نہ زاہد نہ حکیم
سب سفر ہیں بظاہر نظر آتے ہیں مقیم
کوہ و دریا سے کوز سکتے ہیں مانند سیم

مرد و رویش کا سر یہ ہے زاویِ مرل
ہے کسی اور کی خاطر یہ پارسیم



ستاروں سے آگے جہاں اور بھی ہیں
تھی زندگی سے نہیں فیضیائیں
ابھی عشق کے متحساں اور بھی ہیں
یہاں سیکڑوں کارواں اور بھی ہیں

قناعت نہ کر عالم زنگ بو پر
چمن اور بھی اشیاں اور بھی ہیں
الرحو لیا الشیخین تو کیا نسیم
مقاماتِ آہ و فغاں اور بھی ہیں
تو شاہیں بے پرواز سے کام تیرا
ترے سامنے سماں اور بھی ہیں
اسی روز شب میں الجھ کر نہ رہ جا
کہ تیرے زمان و مکاں اور بھی ہیں
کہتے دن کہ نہ تھا میں بسمن میں
یہاں اب کے رازواں اور بھی ہیں



(فرانس میں لکھے گئے)

ڈھونڈ رہا ہے فرنگ عیشِ حیاں کا دوام
وائے تمنا تے خام، وائے تمنا تے خام!
چشم نے لہا سن مری روتاؤ
پنختے تیرے فغان، اپنے دل میں تھام
تھا آرنی کو کلیسے میں آرنی خونہیں
اس وقت اضاوا مجھ پتہ اضاام
کہ چہ افشا تے راز اہل نظر کی فغاں
نہو سیں سکتا کبھی شیو زندانہ عام
میں بھی ہاشنہ کام، تو بھی ہاشنہ کام
حلفتِ صوفی میں فرنگی بے سوز سنا

۳۹۰
بالِ حبریل
۶۶

عشق تری آہ، عشق تری آہ
 تو بھی انجمنی نام میں بھی انجمنی نام
 آہ کہ لکھو یا لکھو تجھے فقیر کی راز
 ورنہ سے مال فقیر لطف تو م و شام



خودی ہو علم محکم تو غیرت جبریل
 عذاب و نیش حاضر ہے باخبر ہوں میں
 فریب خودہ منزل ہے کاروان ورنہ
 نظر نہیں تو مرے سلفہ سخن میں نہ بیٹھ
 مجھے وہ دوسرے نکاح یاد آتے ہیں
 اندھیری شہے جا اپنے قافلے سے ہار تو
 اگر جو عشق محکم تو صورت اس فریل
 کہ میں اس آل میں الا لیا ہوں مثل سنیل
 زیادہ احست منزل سے نیشا حریل
 کہ کج تہا نے خودی پریشاں تیج ایل
 کہاں حضور کی لذت کہاں حجاب لیل
 ترے لیے مرا شعلہ نو آہن دیل

غریب ساوہ زنجیں کاوہستانِ حرم
 نہایت اس کی حسین ابتدا ہے اس جیل





مکتبوں میں کہیں عنانی افکار بھی؟
 خانقاہوں میں کہیں لذتِ اسرار بھی ہے؟
 منزلِ اہرمانِ دُور بھی ہوشِ وار بھی ہے؟
 کوئی اس قافلے میں تافلہ سارا بھی ہے؟
 بڑھ کے خیر سے میرے گھر دینِ وطن
 اس زمانے میں فوجی حیدر لڑا بھی ہے؟
 علم کی حکایت بن قوموں کے لیے
 لذتِ شوق بھی ہے نعمتِ دیدار بھی ہے؟

پیرِ حینانہ یہ کہتا ہے کہ ایوانِ فرنگ
 سست بنیا بھی ہے، آئینہ دیوار بھی ہے؟



حادثہ وہ جو بھی پڑے منہ لاک میں ہے
 عکسِ کاسرے آئینہ اور اک میں ہے
 زیتارے میں سے گزرو شکرِ افلاک میں ہے
 تیر ہی تھی تیرے مالے بے بال میں ہے
 یا مری آہ میں فوجی شہرِ زندہ نہیں
 یا ذرا نام ابھی تیرے خوش خاشاک میں ہے
 کیا عجیب یہی نوا ہائے گلہری سے
 زندہ ہو جائے وہ تشش لہ تری خاک میں ہے؟

۳۹۲

بالِ جبریل

۶۸

توڑ ڈالے کی یہی خاک طلسم شبِ روز
گرچہ کچھ بھی ہوئی تقدیر کے پیچاک میں ہے



رہانہ حلقہ صوفی میں سوزِ مشتاقی
خراب گوشا کے سلطانِ خانقاہِ فقیر
فرے کی اور محشر کو شہسار اک روز
نہ چینی و سربلی وہ نہ رومی شامی
مے شہبانہ کی مستی تو ہو چلی بسین
چسمن میں تلخ نوائی مری لوارا کر
عزیز تر ہے متاعِ امیرِ سلطان سے
فسانہ ہائے کرامات رکھتے باقی
فغاں کہ تختِ یصوت کی سالِ اتراتی
کتابِ صوفی و ملاکی ساوہ اوراقی
سما سکانہ و جمال میں مردِ آفاقی
لکھٹا کے ٹاپے لوں میں شہمہ ساقی
کہ زہر بھی کبھی لرتا ہے کارِ تریاقی
وہ شعر جس میں ہو بسلی کا سوہ براقی



ہوانہ زور سے اس کے کوئی لریباں چاک
گرچہ مغربوں کا جسٹون بھی تھا چالاک

مے یقین نے ضمیر حیات سے پر روز
 عروجِ آدمِ حسالی کے منتظر ہیں تمام
 یہی مانہ خانہ سب کی کائنات ہے کیا
 تو بے بصر ہو تو یہ مانعِ نگاہ بھی ہے
 زمانہ کس کو سمجھا سوائے شعلِ راہ
 جہاں کام میراثِ مومن کی

نصیبِ سیرب آریب آتشِ ناک
 یہ لہستانِ ستارے یہ سیلکوں افلاک
 مانعِ روشن دل تیرو نکو ہے بے بال
 و لہزہ آگ ہے مومن جہاں خوش خاشاک
 کسے خبر کہ خبر بنوں بھی صابہ اور ال
 مے ظلمِ چھپتے ٹھکتے لولال



یوں ہاتھ نہیں آتا وہ کوہِ برکات نہ
 یا سنج و طعنِ نرل کا اتین جہاں لہری
 یا حیتِ فارابی یا تابِ تپِ رومی
 یا عمتل کی روباہی یا عشقِ یدِ الہی
 یا شرعِ سلمانی یا دیر کی دربانی
 میری میں فقیری میں شاپی میں غلامی میں

یک زنگی و ازادی لے سمت مروانہ
 یا مردِ قلندر کے اندازِ ملوکانہ
 یا نکرِ حلیمانہ یا جذبِ حلیمانہ
 یا حیلہ سنرلی یا حملہ ترکانہ
 یا نعرۂ ستانہ لہجہ بولہ بت خانہ
 کچھ کام نہیں بنتا بے جراتِ زندا

۳۹۲

بالِ جبریل

۴۰



نہ تخت و تاج میں نہ لشکر و سپاہ میں ہے
 صنم کہ ہے جہاں اور مرد حق ہے خلیل
 وہی جہاں ہے ترا جس کو تو کرے پیدا
 مہ و ستارے کے مقام ہے جس کا
 خبر ملی ہے حندایانِ محروم سے مجھے
 تلاش اس کی فضاؤں میں کون نصیب اپنا
 جو بات مردِ قلند کی بارگاہ میں ہے
 نیکت وہ ہے کہ پوشیدہ لالہ میں ہے
 یہ سنگ و خشت نہیں جو تری نگاہ میں ہے
 وہ شستِ خاک ابھی وارکانِ اہ میں ہے
 فرنگ کہ زریں بے پناہ میں ہے
 جہاں تازہ مری اہِ صبغہ میں ہے
 مے کہ دو غنیمت سمجھ کہ باوۃ ناب
 نہ مدرسے میں ہے باقی نہ خانقاہ میں ہے



فطرت نے نہ بخشا مجھے اندیشہ چالاک
 وہ خال ہے جس کا جنوں صفتیل اوراک
 رکھتی ہے ملر طاق پر از مری خال
 وہ خال کہ جبریل کی ہے جس کے قباچال

وہ خاک کے پروائے شہمن نہیں رکھتی
چھتی نہیں پہنائے چمن خستہ و خاشاک
اس خاک کو اللہ نے بخشے ہیں وہ آنسو
کرتی ہے چمک جن کی ستاروں کو عرق ناک



کریں گے اہل نظر تازہ بستیاں آباد
یہ مدرسہ جو انیسویں دور و عثمانی
یہ فلسفی سنے نہ ملا سے ہے عرض مجھ کو
یہ دل کی موت وہ ابدیت و طوفان کافور
فقیہ شہر کی تحقیق لیا مجال مری
مگر یہ بات کہ میں ٹھنڈا ہوں دل کی نشا
خرید سکتے ہیں دنیا میں عشرت پرور
خدا کی دین ہے ساری عین فرما
کیے ہیں فاسر رموز تسلیمی میں
کہنکر در و خانہ تارہ ہوا ازاد
رشی کے فاقوں کو تازہ برہمن کا طلسم
عصانہ ہو تو ظہمی ہے کار بے بنیاد



کی حق سے فرشتوں نے اقبال کی عمارت
گستاخ ہے کرتا ہے فطرت کی جانبزدی

۳۹۶
بالِ جبریل
۴۲

رومی ہے نہ شامی ہے کاشی نہ سمرقندی
اوم کو سلجھاتا ہے واجبندروندی

خالی ہے مگر اس کے انداز میں ہندو لالی
سلجھلائی فرشتوں کو اوم کی تڑپ اس نے



جیسا ہے رومی، ہاں اسے راز تھی
شاہی نہیں ہے بے شیشہ بازی
تو بھی نسا زنی میں بھی نسا زنی
جس سر کے میں مٹا ہوں غازی
صرف محبت ترک کی نہ تازی
کا خلیلاں حنا را لدا زنی
باقی ہے جو لچھ سب خال بازی

زمنے زبانی، زمنے زبازی
روشن ہے جام شیدا ب تک
دل ہے سماں میں سیرا نہ تیرا
میں جانستاپوں انجام اس کا
ترکی بھی شیریں تازی بھی شیریں
آزر کا پیشہ حنا را تراشی
تو زندگی ہے پاتندلی ہے



وہ رہے وہ رہے کہ ہے منتظرِ راحلہ!

گرم فغاں ہے جبریں اٹھ لے لیا قافلہ

تیری طبیعت ہے اور تیرا زمانہ ہے اور
تیرے موافق نہیں خالق ہی سلسلہ
دل پہ علام حسرت یا کہ امام حسرت
اُس کی خودی ہے ابھی شام بچھریں
تیرے نفس سے ہوتی آتش گل تیرے
ساکبہ ہوشیار بخت سے یہ حیلہ
گردشوں ان کا ہے جس کی باں پر کلہ
مُرخ چمن ہے یہی تیری نو کا حیلہ



مری نوا سے نئے زندہ عارف عامی
دیارے میں نے انھیں فوق آتش اشامی
حرم کے پاس کوئی ابھی ہے مزیں
کہ تار تار نئے جسامتے احرامی
حقیقتِ ابدی ہے مقامِ شبیری
بدلتے رہتے ہیں اندازِ لونی و شامی
مجھے یہ ہے مقامِ پرینِ سُختہ کار بہت
نہ رنگ لائے کہیں تیرے ہاتھ کی خامی
عجب نہیں کہ مسلمان کو پھر عطا کریں
شکوہِ سبزوختِ جنبید و بسطامی

قبائے علم و ہنر لطفِ خاص ہے ورنہ
ترمی نگاہ میں تھی میری ناخوش اندامی



۳۹۸
بالِ مہربیل
۷۲



چراگت سے اگے لڑ لیا میرا نو
 کمال کس کو میرا ہے تے تک و دو!
 نفس کے زور سے و غنچہ و انہو ابھی تو کیا
 جسے نصیب نہیں آفتاب کا پرتو
 نگاہ پاک سے تیری تو پاک ہے دل بھی
 کہ دل کو حق نے کیا ہے نگاہ کا پیہ
 پتہ سکا زنجیر باں میں لالہ دل سو
 کہ سزا کا نہیں ہے جہاں کس نام جو

سے نہ ایک غوری کے معر کے باقی

ہمیشہ تازہ و شیریں ہے نغمہ خستہ



کھونہ جا اس سحر و شام میں اے صاحب ہوش!
 اک جہاں اور بھی ہے جس میں فردا ہے نہ دوش
 کس کو معلوم ہے کس کا مہ فردا کا مقام
 مسجد و محنت و مسحت نہ ہیں تہ کے خموش

میں نے پایا ہے اُسے اشکِ کراہی میں
 جس فریبِ کالی ہے صندلیِ اغوش
 نئی تہِ زیبِ تکلف کے سوا کچھ بھی نہیں
 چہرہ روشن ہو تو کیا حاجتِ گلگونہ فروش!
 صاحبِ زکوٰۃ لازم ہے کہ عنافل نہ رہے
 گلے کا ہے عنادِ اینک بھی ہوتا ہے سروش



تھا جہاں مدرسہ شیری شاہ شاہی
 نظر آتی نہ مجھے تافلہ سالاروں میں
 لذتِ نغمہ کہاں مرغِ خوش الحان کے لیے
 ایک ستری جویرتے سے سراپا تیار
 آج آن جن انہوں میں ہے فقط زوہا ہی
 وہ شبانی کہ ہے تمہیں عظیم اللہ ہی
 اس باغ میں کرتا ہے نفسِ کواہی
 ایک ستری جویرتے سے تمام اکاہی

صفتِ برق چمکتا ہے مرا سکر بند
 کبھٹکتے نہ پھر میں طشتِ شب میں راہی

۲۰۰
 بالِ جبریل
 ۷۶



سے یاد مجھے نکلتے سلمانِ خوش اسباب
 چلتے کاجلر چائے شاہیں کا تخت بس
 کربل و طاوس کی تقلید سے توبہ
 دنیا نہیں مزانِ جنائس کے لیے تنگ
 جی سکتے ہیں بے روشنی و اشرفیہ
 بے نسل فقط آواز ہے طاوس فقط زنگ!



فقر کے ہیں معجزات تاج و سیر و سپاہ
 علم کا مقصود ہے پاکی و عفتل و خرد
 علم فقیر و حکیم، فقیر مسیح و حکیم
 فقر سمت نام نظر، علم سمت نام خبر
 علم کا موجود اور فقر کا موجود
 فقر ہے میروں کا میر فقر ہے شاہوں کا شاہ
 فقر کا مقصود ہے عفت قلب و نگاہ
 علم ہے جو بانی راہ، فقر ہے روانے راہ
 فقر میں سستی ثواب علم میں سستی کناہ
 اشہد ان لا اله الا الله، اشہد ان لا اله الا الله!

✽ سلمان بسو و سعد سلمان - غزنوی دور کا نامور ایرانی شاعر جو غالباً لاہور میں پیدا ہوا

چڑھتی ہے جب فکر کی سان پتہ تیغ خوبی
 ایک سپاہی کی ضرب تھی ہے کار سپاہ
 دل الہ اس خال میں زندہ و بیدار ہو
 تیری نکلے توڑے آسمان مہر و ماہ



کمال جو شہنشاہوں میں ہا میں کرم طواف
 خدا کا شکر سلامت ہا حرم کا خلاف
 یہ عشاق مبارک ہو مومنوں کے لیے
 کہ یک زبان ہیں فقہیان شہر میرے خلاف
 تڑپ ہے فلاطوں سیاں غیب و جنوں
 ازل سے اہل حسرت کا مقام ہے اعرف
 ترے ضمیر یہ چب تک نہ ہو نزول کتاب
 گرہ نشا ہے رازی نہ صاحب کشف

سُرور و سوز میں ناپا تدار ہے اور نہ
 مے فرنگ کا تہ جعب بھی نہیں ناصاف



شعور و ہوش و خرد کا معاملہ ہے عجیب
 مقام شوق میں ہیں سب دل و نظر کے رقیب

۲۰۲
 بال جبریل
 ۷۸

میں جانتا ہوں جماعت کا حشر کیا ہوگا
مسائل نظری میں الجھ لیا ہے خطیب
اگرچہ میرے دشمن کا کر رہا ہے طواف
مری نوا میں نہیں طسائر چین کا نصیب
سنائے میں نے سخن رس ہے ترک عثمانی
سنائے کون اسے اقبال کا یہ شعر غریب

سمجھ رہے ہیں وہ یورپ کو ہم جو اپنا
تکے جن کے دشمن ہیں زیادہ قریب!

قطعہ

اندازِ بیاں کرچہ بہت شوخ نہیں ہے
شاید کہ اتر جائے ترے دل میں مری بات
یا وسعتِ افلاک میں تجسیرِ مسلسل
یا خاک کے اغوش میں تسبیح و مناجات
وہ مذہبِ مروان خود آگاہ و خدا مست
یہ مذہبِ ملا و جماد است و نباتات



تواریخ

وہ درہم نام زمانہ!
کلیں کی ادا سودا گرانہ!
بزرگے مراہیراہن چاکر
ہیرا ہیر جنوں کا یہ زمانہ!

۲ حصہ دوم

ظہیر بحر میں عورتیں سنہل جا

بڑے جا کھانے کے عجب بیچ کھا کھا کر بدل جا

سندھ کا سران نامہ نہ سوجہ ہر سال تری گنت میں آج!

دبیر حسن عرف چاہے نکل جا!

۳۰۴
بال جبریل
۸۰

زُبا عیبت

رہ و رسم حرم نامحسب مانہ
تبرکے مرا پیرا ہن چال
کیسا کی ادا سو والرانہ
نہیں اہل خسوں کا یہ زمانہ

ظلامِ حجب میں لھو کر سنسجیل جا
نہیں ساحل ترقی قسمتیں لے موج
تڑپ جا، پیچ لھا لھا کر بدل جا
اُبھر کر جس طرف چاہے نیکل جا!

۲۰۵
بالِ عیبیل
۸۱

مکانی ہوں کہ آزاد مسکاں ہوں
جہاں بیچوں کہ خود سارا جہاں ہوں
وہ اپنی لامکانی میں ہیں مست
مجھے اتنا بتادیں میں کہاں ہوں!

خودی کی حسرتوں میں لم ہا میں
خدا کے سامنے گویا نہ تھا میں
نہ دیکھا اٹھ اٹھا حرب لکھو دو
قیامت میں کاشا بن گیا میں!

پیشاں کاروبار آشنائی
پیشاں ترمیمی رنگین نوائی
کبھی میں ٹھونڈتا ہوں لذتِ وصل
خوش آتا ہے کبھی سو خوب آئی!

یقین، یقین، اللہ مستی، خود کزینی
یقین، یقین، خلیلِ تیش نشینی
سن، اے تہذیبِ حاضر کے گرفتار
علامی سے بہتر ہے بے تیشینی

عرب کے سوز میں ساجھ سے
تھی حد تک ہے اندیشہ غم
حرم کار از توحید اُمم سے
کہ تہذیبِ نبوی ہے حرم سے

کوئی دیکھے تو سیری نوازی
رنگِ اودۂ اندازِ اس زند
نفسِ ہندی مقامِ سرتازی
طبیعتِ غمخوئی قہمتِ یاری!

ہر اک ذرے میں ہے شاید مگریں دل
اسیرِ دوش و نوا ہے بسین
اسی جلوت میں ہے خلوت نشین دل
غلامِ کروشن و انہسین دل

ترا اندیشہ اس لالی نہیں ہے
یہ مانا اصل شاہینی ہے تیری
ترمی پڑاز لولالی نہیں ہے
ترمی آنکھوں میں بکالی نہیں ہے

نہ مومن ہے نہ مومن کی امیری
رہا صوفی، لہی روشن ضمیری
خدا سے پھر ہی قلب و نظر مانگ
نہیں ممکن ایسے بے فقیری

خود ہی کی حسبِ لوگوں میں مصطفائی
خود ہی کی حسنِ لوگوں میں کبریائی
زمینِ آسمان لہی عرش
خود ہی کی زو میں ہے ساری خدائی!

ننگہ الجھی ہوئی ہے رنگِ بو میں
خرو لھوئی لہی ہے چپار سو میں
نہ چھوڑے دلِ فغانِ صبحِ جاہلی
اماں شاید ملے اللہ ٹھو میں!

جمالِ عشقِ وستی نے نوازی
جمالِ عشقِ وستی بے نیازی
کمالِ عشقِ وستی طرفِ حیدر
زوالِ عشقِ وستی حرفِ ازلی

۲۰۸
بالِ جبریل
۸۲

وہ میرا رونقِ محسن کماں ہے
مقام اس کا پئے دل کی خلوتوں میں

مرئی بسلی مرا حاصل کہاں ہے
خدا جانے مستام دل کہاں ہے!

سوارِ زماں و محمل نہیں میں
مری تقدیر ہے حنا شاکِ سوزی

نشانِ جاوہ ہوں منزل نہیں میں
فقط بجلی ہوں میں حاصل نہیں میں

ترے سینے میں دم نئے دل نہیں ہے
گورجائستل سے اکے کہ یہ نور

ترا دم کرمی محسن نہیں ہے
چراغِ راہ نئے منزل نہیں ہے

ترا جوہر ہے نور میں پاک ہے تُو
ترے صیقلیوں انفرشتہ تُو

منورغ دیدہ افلاک ہے تُو
کہ شاہین شہ لولاک ہے تُو!

محبت کا جنوں باقی نہیں ہے
 مسلمانوں میں باقی نہیں ہے
 صفیں لہجہ دل پریشان سجدے بڑے بڑے
 کہ جذب اندروں باقی نہیں ہے

خودی کے زور سے یہاں چھاپا جا
 معتم زناں بوکار از پاجا
 بڑا بکھرا سا لاشنارہ
 کہ سب اعلیٰ سے اسن لھنچیا جا

چمن میں خست گل شبنم سے رہا
 سمن ہے سبزہ نے باو سحر ہے
 لڑ بھنگا رہے ہو سکتا نہیں مضم
 یہاں کا لالہ بے سوز جگر ہے

خروسے اہر روشن ہے
 خروسے اہر روشن ہے
 ورون جانا نہ ہنگامے ہیں لیا لیا
 چرخہ لڑ کو کی خبر ہے

۲۱۰
 بال جبریل
 ۸۶

جانوں کو مری آہِ حسرتوں
خدا یا! ارزو سیری یہی ہے

پھر ان شاہین بچوں کو بال و پرے
مرانور بصیرت عام کروے

ترمی و نسیا جہان مرغ و ماہی
ترمی و نسیا میں محکوم و مجبور

مری و نسیا افغان صبح کاہی
مری و نسیا میں تیری پاؤں شاہی!

کرم یہ کہ بے جوہر نہیں میں
جہاں بونی مری فطرت سے لیکن

غلامِ نسرلِ خوب نہیں میں
کسی بیشکایداعت نہیں میں

وہی اصل مکانِ لامکاں ہے
خضرِ کنوٹر بتائے، کیا بتاتے

مکانِ کھیا شے ہے اندازِ بیاں ہے
اگر ماہی کے دریا کہاں ہے

کبھی آوارہ و بے خانماں عشق
کبھی شاہ شہماں نوشیرواں عشق
کبھی میدان میں آتائے زہ پوش
کبھی عریان و بیسنگ و سناں عشق!

کبھی تنہا آئی کوہ و دمن عشق
کبھی سوز و سُرور و انجمن عشق
کبھی ساریہ محراب و منبر
کبھی ہوا عشق و خیر شکن عشق!

عطا اسلاف کا جذبہ رُوس کر
شریکِ زمرہ لایحسبِ زُنوں کر
خردلی گتھیاں سلجھا چکا میں
مرے مولا مجھے صاحبِ جنوں کر!

نیکیت میں سیکھا بوجھن
کہ جاں تہی نہیں کب بدن سے
چما سوج میں جیا باقی ہے کلی
الربینزار ہو اپنی کرن سے!

خرد واقف نہیں ہے نیک و بد
بڑھی جاتی ہے طغیالم اپنی حد سے
خدا جانے مجھے کیا ہو کیا ہے
خرد بیزار دل سے دل خرد سے!

خدا آئی اہم شک و ترسے
بیکن بندگی استغفرا
خداوند احسان آئی در دوسرے
یہ درو سر نہیں درو جو کر ہے

یہی آدم ہے سلطان محروم کا
نہ خود بین نے خدا بین نے جہان میں
کہوں کیا جا بس اس بے بصر کا
یہی شہکار ہے تیرے ہنر کا!

وہ عارف نسیم صدم ہے
الگوئی شعیب اسے میتر
اسی سے ریشہ معنی میں نم ہے
شہانی سے کلیمی وقت دم ہے

رکوں میں وہ لہو باقی نہیں ہے وہ دل وہ آرزو باقی نہیں ہے
 نماز و روزہ و تبرانی و حج یہ باقی ہیں تو باقی نہیں ہے

کھلے جاتے ہیں اسرارِ نہانی کیا دورِ حدیثِ لمن ترانی
 ہوئی جس کی خودی پہلے نمودا وہی مدی وہی آخرِ زمانہ!

زمانے کی یہ گردشِ جاودا حقیقت ایک تو باقی فسانہ
 کسی نے دوشن و سچا ہے نہ فروا فقط امروز ہے تیرا زمانہ

حکیم ہی نہا سلمانی خودی کی حکیم ہی رمزِ نہا سلمانی خودی کی
 تجھے کفایت و شاہی کا بتا دوں غریبی میں نہجیب سلمانی خودی کی!

۴۱۴
 بالِ جبریل

۹۰

ترا تن رُوح سے نا آشنا ہے عجب کیا! اہ تیر می نار ہے
تن بے رُوح سے بیزار ہے حق خدائے زندہ زندوں کا خدا ہے

قطعہ

اقبال نے کل اہل خیبان کو سنایا
یہ شعرِ شاط اور وپرسوز و طرب ناک
میں صورتِ گل و ست صہبا کا نہیں تلج
کہتا ہے مرا جو شرس جنوں میری قبا چال

۲۱۵
بالِ ہبریل
۹۱

دعا مسجدِ قطیف میں لکھی گئی

ہے یہی میری نماز ہے یہی میرا وضو
 میری نواؤں میں ہے رُجُلِکَما لہو!
 صحبتِ اہلِ صفا نور و حضور و سرور
 سرخوش و پیرسوز ہے لالہ لبِ آنجو
 راہِ محبت میں ہے کون کسی کا رفیق
 ساتھ ہے گئی ایک میری آرزو!
 مرا نشیمن ہیں درگاہِ میر و وزیر
 میرا نشیمن بھی تو شاخِ نشیمن بھی تو!
 تجھ کے سرِ بیاں مرا مطلع صبحِ شہور
 تجھ کے سر سے سینے میں آتشِ اللہ ہو!

۲۱۶
بالِ حبریل
۹۲

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

وَعَسَا

(مسجد قطرب میں لکھی گئی)

ہے یہی میری نماز ہے یہی میرا وضو
 میری نواؤں میں ہے میرے جگر کا لہو
 صحبتِ اہلِ صفت، نور و حضور و سرور
 سرخوش و پرسوز ہے لالہ لبِ ابجد
 راہِ محبت میں ہے کون کسی کا رشتیق
 ساتھ مرے رہ گئی ایک مری آرزو
 میرا نشیمن نہیں درگاہِ میر و وزیر
 میرا نشیمن بھی تو شاخِ نشیمن بھی تو

۲۱۷
 بالِ جبریل
 ۹۳

تجھ سے کریباں مرا طبع صبح نشور
 تجھ سے مرے سینے میں آتش اُتدھو
 تجھ سے مری زندگی سوز و تب و دور و داغ
 تو ہی مری آرزو، تو ہی مری جستجو
 پاس اگر تو نہیں، شہر ہے ویراں تمام
 تو ہے تو آباد ہیں اجڑے ہوئے کان و کو
 پھر وہ شراب کُنن مجھ کو عطا کر کہ میں
 ڈھونڈ رہا ہوں اُسے توڑ کے جام و سبو
 چشم کرم سا قیام! ویرے ہیں منتظر
 جلوتیوں کے سب، جنوتیوں کے لڑو
 تیری حنائی سے ہے میرے جنوں کو گل
 اپنے لیے لامکان، میرے لیے چار سوا
 فلسفہ و شعر کی اور حقیقت ہے کیا
 عرفِ تمنا، جسے کہ نہ سکیں زو برو

۲۱۸
 بالِ ہیریل
 ۹۲

مسجد قرطبہ

(ہسپانیہ کی سرزمین، بالخصوص قرطبہ میں لکھی گئی)

سلسلہ روز و شب، نقشِ کارِ حادثات

سلسلہ روز و شب، اصلِ حیات و ممات

سلسلہ روز و شب، تارِ سرِ پروردگار

جس سے بنائی ہے ذاتِ اپنی قبلتے صفات

سلسلہ روز و شب، سازِ ازل کی فغاناں

جس سے دکھائی ہے ذاتِ زیرِ وہم و مہمکناں

تجھ کو پرکھتا ہے یہ مجھ کو پرکھتا ہے یہ

سلسلہ روز و شب، صہیرِ فی کائنات

تو ہو اگر کم عیار، میں ہوں اگر کم عیار

موتے تیری برات، موتے میری برات

۲۱۹
بالِ جبریل
۹۵

تیرے شب و روز کی اور حقیقت ہے کیا
 ایک زمانے کی رُو جس میں نہ دن ہے نہ رات
 انی و فانی تمام مجزہ ہاتے ہنس
 کار جہاں بے ثبات، کار جہاں بے ثبات!
 اول و آخر فنا، باطن و ظنہر فنا
 نقش کھن ہو کہ نو، سنزلِ آخر فنا
 مے مگر اس نقش میں زنبِ ثباتِ دوام
 جس کو کیا ہو کسی مردِ خندانے تمام
 مردِ خندا کا عمل عشق سے صاحبِ نبوغ
 عشق ہے اصل حیات، ہوت ہے اس پر حرام
 تند و سبک سیر ہے لہر چہ نہ ملنے کی رُو
 عشق خود اک سبیل ہے سبیل کو لیتا ہے تمام
 عشق کی تقویم میں عصرِ رواں کے سوا
 اور زمانے بھی ہیں جن کا نہیں کوئی نام

۲۲۰
 بالِ جبریل
 ۹۶

عشق دمِ حبرِ تریل، عشق دلِ مصطفیٰ
 عشق خدا کا رسول، عشق خدا کا کلام
 عشق کیستی سے پیکرِ گلِ تابناک
 عشق ہے صہبائے عام، عشق ہے کائناتِ کرام
 عشقِ فقیہِ حرم، عشقِ امیرِ جنود
 عشق ہے ابنِ اسبیل، اس کے ہزاروں مقام
 عشق کے مضراب سے نغمہٴ تارِ حیات
 عشق سے نورِ حیات، عشق سے نارِ حیات
 اے حرمِ قرطبہ! عشق سے تیرا وجود
 عشق سے لپا دو امِ جس میں نہیں رفت و بود
 رنگِ ہویا خشت و سنک چنک ہو یا حرف و صوت
 معجزہٴ فن کی ہے خونِ جگر سے نمود
 قطرہٴ خونِ جگرِ سل کو بناتا ہے دل
 خونِ جگر سے صد سوز و سُور و سرود

تیری فنس اول فنوز، میری نو اسپینہ سوز
 تجھ سے دلوں کا حضور مجھ سے دلوں کی کشود
 عرشِ معشئی سے کم سینتہ اوم نہیں
 لرچ کلف خال کی حد ہے سپہر کلبود
 پیکر نوری کو ہے سجدہ مہتر تو کیا
 اس کو میتر نہیں سوز و لدا ز سجدو
 کافر ہندی ہوں میں، دیکھ مرا ذوق و شوق
 دل میں صلوة و درود، لب چہ صلوة و درود
 شوق مری لے میں ہے، شوق مری نے میں ہے
 نعمتہ اللہ ہو میرے رل و پے میں ہے
 تیرا جلال و جمال، مروجند الی دلیل
 وہ بھی حسین و حیل، تو بھی حسین و حیل
 تیری بنا پادار، تیرے ستوں بے شمار
 شام کے صحرا میں ہو جیسے نجوم خلیل

۲۲۲
 بالِ جبریل
 ۹۸

تیسرے دروہام پر واوی امین کا نور
 تیرا مندر بن جہلوہ کہ جب تریں
 مٹ نہیں سکتا کبھی مرد مسلمان کہ ہے
 اس کی اذانوں سے فاش سپر کلیم و خلیل
 اس کی زمیں بے حدود، اس کا اُفق بے ثغور
 اس کے سمندر کی موج، و جلد و دنیوب و نیل
 اس کے زمانے عجیب، اس کے فسانے غریب
 عہد لہن کو دیا اس نے پیامِ حسیل
 ساتی اربابِ فوق، فارس میدانِ شوق
 بادہ ہے اس کا رقیق، تیغ ہے اس کی اسیل
 مردِ سپاہی ہے وہ، اس کی زرہ 'لا الہ'
 سپاہِ شمشیر میں اس کی پینہ 'لا الہ'
 تجھ سے ہوا آشکار بندہ مومن کا راز
 اس کے دنوں کی تیش، اس کی شبوں کا لہاز

۲۲۳

بالِ حبریل

۹۹

اس کا مستام بلند، اس کا خیال عظیم
 اس کا سرور اس کا شوق، اس کا نیاز اس کا ناز
 ہاتھ سے اللہ کا بندہ مومن کا ہاتھ
 غالب و کارائیں، کارشا، کار ساز
 خالی و نوری نہاد، بندہ مولا صفات
 پروہ جہاں سے غنی اس کا دل بے نیاز
 اس کی نہیں قلیل، اس کے مقاصد حلیل
 اس کی او اول فریب، اس کی نزلہ دل نواز
 نرم دم گنفتگو، گرم دم جستجو
 رزم ہو یا بزم ہو، پاک دل و پاک با
 نقطہ پر کار حق، مروجہ خدا کا یقین
 اور یہ عالم تمام وہم و طلسم و مجاز
 عقل کی منزل ہے وہ، عشق کا حاصل ہے وہ
 حلفتہ آفاق میں گرمی محسن ہے وہ

۲۲۲
 بال جبریل
 ۱۰۰

کعبہ اربابِ فنِ اسطوتِ دینِ نبیین
 تجھے جسے حرمِ مرتبتِ اندسیوں کی زمیں
 ہے تہِ کمرؤوںِ الحسن میں تیری نظیر
 قلبِ سلماں میں ہے اور نہیں ہے کہیں
 آہ وہ مروانِ حق! وہ عربی شہسوار
 حاملِ حُسنِ عظیم، صاحبِ صدقِ یقین
 جن کی حکومت ہے فاشس یہ رمزِ غریب
 سلطنتِ ایلِ دلِ فخر ہے، شاہی نہیں
 جن کی نگاہوں نے کی تربیتِ شرق و غرب
 ظلمتِ یورپ میں تھی جن کی حُسنِ راہ ہیں
 جن کے لہو کی طفیل آج بھی ہیں اندسی
 خوش ڈل و کرمِ اختلاط، ساوہ و روشن جبیں
 آج بھی اس دیس میں عام ہے چشمِ غزال
 اور نگاہوں کے تیر آج بھی ہیں دل نشین

۲۲۵
 بالِ جبریل
 ۱۰۱

نوستے میں آج بھی اس کی ہواؤں میں ہے
 زنگِ حجاز آج بھی اس کی نواؤں میں ہے

ویدۂ انجسَم میں ہے تیری زمیں، آسماں
 اہ کہ صدیوں سے ہے تیری فضا بے ازاں
 کون سی وادی میں ہے کون سی منزل میں ہے
 عشقِ بلاخیز کا فتانِ سخت جاں!
 دیکھ چکا المنی، شورشِ صہلارح ویں
 جس نے نہ چھوٹے کہیں شش لہن کے نشاں
 عرفِ غلط بن گئی عصمتِ پیرِ کُنشت
 اور ہوئی نگر کی کشتیِ نازکِ رواں
 چشمِ فرارِ سپس بھی ویٹھ چلی نہتِ لاب
 جس سے دل لروں ہو معنا سر بیوں کا جہاں
 ملتِ رومی تراؤ کہن سر پرستی سے پیر
 لذتِ تجدید سے وہ بھی ہوئی چھپ جہاں

۲۲۶
 بالِ جبریل
 ۱۰۲

رُوحِ سُلَمٰں میں ہے آج وہی اُضطرب
 رازِ حِند اتنی ہے یہ، کہ نہیں سکتی زباں
 دیکھیے اس بھر کی تیرے اُچھلتے سے کیا
 گنبدِ نیلوفنری رنگ بدلتا ہے کیا
 واہی کہسار میں غمِ شوق ہے سحاب
 نعلِ بدخشاں کے ڈھیر چھوڑ لیا فستاب
 ساوہ و نرسوز ہے ڈختر و ہتاس کالیت
 کشتیِ دل کے لیے سبیل ہے عہدِ شباب
 اُسب و ان کلبسیر اتیرے لنگے کوئی
 دیکھ رہا ہے کسی اور زلمنے کا خواب
 عالمِ نو ہے ابھی پروۃِ تقدیر میں
 میری نکاہوں میں ہے اس کی سحر بے حجاب

• وادِ اُکلبسیر، قُربہ کا مشہور دریا جس کے قریب ہی مسجدِ شُربہ واقع ہے

پروہ اٹھتا دوں اگر چہ سیرۃ افکار سے
 لائن کے کاغذ نام میری نواؤں کی تاب
 جس میں نہ ہو نہت سلاب موت سے وہ زندگی
 رُوح اُمم کی حیات کیشکشاں انقلاب
 صورتِ شمشیر ہے سب قضا میں وہ قوم
 کرتی ہے جو ہر زمان اپنے عمل کا حساب
 نقش ہیں سب نام تمام خونِ جگر کے بغیر
 نغمہ ہے سوادے خام خونِ جگر کے بغیر

قید خانے میں معتمد کی فریاد

معتمد شبلیہ کا بادشاہ اور عربی شاعر تھا۔ سپانہ کے ایک حکمران نے اس کو شکست دے کر قید میں
 ڈال دیا تھا۔ معتمد کی نظمیں انگریزی میں ترجمہ ہو کر روز ٹائم آف دی ایسٹ سیریز میں شائع ہو چکی ہیں۔
 ال فن ان بے شرسینے میں باقی رہ گئی
 سوز بھی رخصت ہوا، جاتی رہی تاشیر بھی

۲۲۸
 بالِ جبریل
 ۱۰۴۰

مردِ سرزنداں میں ہے بے نیزہ و شمشیر آج
 میں شیاں ہوں شیاں ہے مری تدبیر بھی
 خود بخود زنجیر کی جانب کھنچا جاتا ہے دل
 تھی اسی فولاد سے شاید مری شمشیر بھی
 جو مری تیغ و دو دم تھی، اب مری زنجیر ہے
 شوخ و بے پروا ہے کتنا خالقِ تفتدیر بھی!
 عبدالرحمن اول کا بویا بویا لکھجور کا پہلا درخت

سرزین اندلس میں

یہ اشعار جو عبدالرحمن اول کی تصنیف سے ہیں تاریخِ اقصیٰ میں راج ہیں۔ مندرجہ ذیل
 اردو نظم ان کا آزاد ترجمہ ہے (درخت مذکور مدینۃ الزہراء میں بویا لیا تھا)

میری آنکھوں کا نور ہے تو میرے دل کا سرور ہے تو
 اپنی وادی سے دور ہوں میں میرے لیے نخلِ طور ہے تو
 مغرب کی ہوائ نے تجھ کو پالا صحرائے عرب کی حور ہے تو

پرویس میں ناصبور ہوں میں پرویس میں ناصبور ہے تو

عُربت کی ہوا میں بارور ہو

ساتی تیرا نمِ حَسر ہو

عالم کا عجیب سے نظارہ دامانِ شک سے پارہ پارہ

ہمت کو شناور می مبارک! پیدا نہیں حَسر کا کنارہ

ہے سوزِ دروں سے زندگانی اٹھتا نہیں خاک سے شرارہ

صُبحِ عُربت میں اور چمکا ٹوٹا ہوا شام کا ستارہ

مومن کے جہاں کی حد نہیں ہے

مومن کا مقام ہر کہیں ہے

ہسپانیہ

(ہسپانیہ کی سرزمین میں لکھتے گئے)

(واپس آتے ہوئے)

ہسپانیہ تو خونِ مسلمان کا امیں ہے

مانندِ حرمِ پاک ہے تو میری نطنس میں

۲۳۰
بالِ عبریل
۱۰۶

پوشیدہ تری خاک میں سجدوں کے نشاں ہیں
 خاموشس اذانیں ہیں تری باوجودِ سحر میں
 روشن تھیں ستاروں کی طرح ان کی سناہیں
 نیمے تھے کبھی جن کے ترے کوہ و کمر میں
 پھر تیرے سینوں کو ضرورت سے جنا کی؟
 باقی ہے ابھی رنکے کے خونِ جگر میں!
 کیونکر خس و خاشاک سے دب جائے مسلمان
 مانا، وہ تب و تاب نہیں اس کے شر میں
 عن نراطہ بھی دیکھا مری آنکھوں نے و لیکن
 تکین مسافر نہ سفر میں نہ حضر میں
 دیکھا بھی دکھایا بھی، سنا یا بھی سنا بھی
 ہے دل کی تسلی نہ نطن میں نہ خبر میں!



طارق کی دعا (اندلس کے میدان جنگ میں)

یہ لازمی تیرے پر ابرار بندے
جنہیں تو نے بخشا ہے ذوقِ خدائی
دونہم ان کی ٹھوکر سے صحرا و دریا
بسمٹ کر پہاڑ ان کی سمیت سے آئی
دو عالم سے کرتی ہے بیگانہ دل کو
عجب چیز ہے لذتِ آشنائی
شہادت ہے مطلوب و مقصودِ مومن
نہ مالِ عنیمت نہ کشورِ شائی

خیاباں میں ہے منتظر لالہ کب سے

قبا چاہیے اس کو خونِ عرب سے

کیا تو نے صحرا شینوں کو ملکیت
خبر میں لظنِ سر میں اذانِ سحر میں
طلب جس کی صدیوں سے تھی زندگی کو
وہ سوز اس نے پایا انھی کے جگر میں
کشا و درِ دل سب جتے ہیں اس کو
ہلاکت نہیں موتان کی لظنِ سر میں
دل مردِ مومن میں پھر زندہ کر دے
وہ جہلی کہ تھی قہر لا تذر میں
عزائم کو سینوں میں بیدار کر دے
نگاہِ سماں کو تلوار کر دے!

۲۳۲
بالِ ہبیریل
۱۰۸

لینین (خدا کے حضور میں)

اے نفسِ آفاق میں پیدا ترے آیات
حق یہ ہے کہ ہے زندہ و پائندہ تیری فریاد
میں کیسے سمجھتا کہ تو ہے یا کہ نہیں ہے
ہر دم متغیر تھے حسرت کے نظریات
محرم نہیں فطرت کے سر و اذلی سے
بیلتے کو الگ ہو کہ دانا سے نباتات
آج آنکھ نے دیکھا تو وہ عالم چوا ثابت
میں جس کو سمجھتا تھا کلیسا کے خرافات
ہم بندِ شب و روز میں جلیڑے ہوئے بندے
تو حنا لیں اعصار و نگارندہ آفات!

۲۳۳
بالِ جبریل
۱۰۹

اک بات اگر مجھ کو اجازت ہو تو پوچھوں
 حل کرنے کے جس کو حکیموں کے مقالات
 جب تک میں جیائیم فلاں کے نیچے
 کانٹے کی طرح دل میں کھٹکتی رہی یہ بات
 گفتار کے اسلوب یہ قابو نہیں رہتا
 جب رُوح کے اندر مستلاطم ہوں خیالات
 وہ کون سا آدم ہے کہ تو جس کا ہے سبب
 وہ آدم حنائی کہ ہے زیرِ سماوات؟
 مشرق کے خداوند سفیدانِ مندرلی
 مغرب کے خداوند خورشندہ فلذات
 یورپ میں بہت روشنی علم و ہنر ہے
 حق یہ ہے کہ بے چشمہ حیواں ہے ظلمات
 رحمتِ انبی تمہیں میں رونق میں صفا میں
 اگر جس سے ہمیں بڑھ کے ہیں نیکوں کی عمارات

۲۳۲
 بالِ ہبریل
 ۱۱۰

ظاہر میں تجارت ہے، حقیقت میں جو ہے
 سو ایک کا لاکھوں کے لیے مرلِ مفاجات
 یہ علم، یہ حکمت، یہ تدبیر، یہ حکومت
 پتے ہیں لہو، دیتے ہیں تسلیم مساوات
 بے کاری و عُربانی و مے خواری و افلاس
 کیا کم ہیں منہنگی مذہبیت کے مستوحات
 وہ قوم کہ فیضانِ سماوی سے چومسروم
 حد اس کے کمالات کی ہے برق و بخارا
 ہے دل کے لیے موتِ شینوں کی حکومت
 احساسِ مروت کو نچل دیتے ہیں آلات
 آثار تو کچھ کچھ نظر آتے ہیں کہ اس
 تدبیر کو تقدیر کے شاطرنے کیامات
 مہمان کی بنیاد میں آیا ہے تزلزل
 بیٹھے ہیں اسی فکر میں پیرانِ خرابات

چہروں پر جو سُرخِ نطن آتی ہے شرم
 یا عنازہ ہے یا ساعتِ روینا کی کرامات
 توفت اور وعاول ہے طر تیرے جہاں میں
 ہیں تلخ بہت بندہٴ مزدور کے اوقات
 کب ڈوبے گا سیریا پرستی کا سینہ؟
 دنیا ہے تری منتظرِ روزِ مکافات!

فرشتوں کا کیت

عقل ہے بے زمام ابھی عشق ہے بے مقام ابھی
 نقشِ کبر ازل! ترا نقش ہے نام ابھی
 خلقِ خدا کی لحات میں رند و فقیر و مہر پریر
 تیرے جہاں میں ہے وہی گردشِ صبح و شام ابھی
 تیرے مہر مال مست تیرے فقیرِ حال مست
 بندہ ہے کوچہ گرو ابھی خواجہ بلند بام ابھی

۲۳۶
 بالِ جبریل
 ۱۱۲

دانش دین و علم و فن بندگی ہو ستم
 عشق کرہ نشاے کافض نہیں ہے عام ابھی
 جو ہر زندگی ہے عشق جو ہر عشق ہے خودی
 اہ کہ ہے یہ تیغ تیز پردی نیام ابھی!

فرمانِ خدا (فرشتوں سے)

اٹھو! مری دنیا کے غریبوں کو جلا دو
 کرنا و غلاموں کا لہو سوز یقیں سے
 سلطانِ بسہور کا آتہ ہے زمانہ
 جس کھیت سے ہمتاں کو میسر نہیں روزی
 کیوں خالق و مخلوق میں حامل رہیں پردے
 حق را بسجودے نہماں را بطولانی
 میں ناخوش و بیزار ہوں مہر کی سلوں سے
 تہذیبِ فہمی کا رلہ شیشہ کراں ہے

کاخِ امرا کے در و دیوار پلا دو
 کنجشک فرومایہ کو شاہیں سے لڑا دو
 جو نقشِ کفن تم کو نظر آتے تہا دو
 اس کھیت کے ہر خوشہ لندم کو جلا دو
 پیرانِ کلیسا کو کلیسا سے اٹھا دو
 بہتر ہے چراغِ حرم و دیر بجا دو
 میرے لیے مٹی کا حرم اور بنا دو
 آدابِ جنوں شاعرِ مشرق کو بکھا دو!

۲۳۷
 بالِ جبریل
 ۱۱۳

ذوق و شوق

(ان اشعار میں سے اکثر فلسطین میں لکھے گئے)

’در بیخ آدم زراں ہمہ بوستاناں تھی دست رفتن سوئے بوستاناں‘

قلبِ نطنز کی زندگی وشت میں صبح کا سہاں

چشمہ آفتاب سے نور کی تداں رواں

حسنِ ازل کی ہے نمود، چاک ہے پرۂ وجود

دل کے لیے ہزار سواد ایک نگاہ کا زیاں

سرخ و لہو و بدلیاں چھوڑ کیا سحابِ شب

کوہِ اہم کو دے کیا زنگِ بزنکِ طلساں

گرد سے پاک ہے ہوا، برکِ نخیل وصل گئے

ریاں نواح کا طنزِ زم سے شلِ پریاں

اک بچھی ہوتی ادھر، ٹوٹی ہوتی طنابِ ادھر

کیا خبر اس مقام سے کوزے ہیں کتنے کارواں

۲۳۸
بالِ جبریل
۱۱۲

اتنی صدا ہے جبریل تیرا ہمت نام ہے یہی
 اہل سراق کے لیے عیش و دام ہے یہی
 کس سے کہوں کہ زہر ہے میرے لیے مے حیات
 گنہ ہے بزم کائنات، تازہ ہیں میرے وار و آ
 کیا نہیں اور غمِ زنوی کا کہ حیات میں
 بیٹھے ہیں کب سے منتظر اہل حرم کے سونٹا
 ذکرِ عرب کے سوز میں فنِ عمرِ عجم کے ساز میں
 نے عربی مشاہدات نے عجمی تختِ کلا
 قافلہ حجاز میں ایک حسین بھی نہیں
 کرچہ ہے تاب دار ابھی کیسے و جلد و فرا
 عقل و دل و نگاہ کا مرشد اولیٰ ہے عشق
 عشق نہ ہو تو شرع و دین بُت کدہ تصور ات
 صدقِ خلیل بھی ہے عشق، جبریل بھی ہے عشق
 مسرکہ وجود میں بدر و حسین بھی ہے عشق

ایہ کائنات کا معنی دیرپا ہے تو
 نکلے تری تلاش میں قافلہ ہائے رنگ و بو
 جلو تیان مدرسہ کو رنگاہ و مردہ ذوق
 جلو تیان سے کہہ لم طلب و تمہی لڑو
 میں کہ مری غزل میں ہے آتش رفتہ کا سراغ
 میری تمام سرگزشت کھوئے ہوؤں کی جستجو
 باوجود سبالی موج سے نشوونما کے خار و خس
 میرے نفس کی موج سے نشوونما کے آرزو
 خون دل جو بکھر سے ہے میری نوالی پرورش
 ہے ریل ساریں رواں صاحب ساز کا لہو
 فرصتِ شمشاد مدہ این دل بے قرار را
 یک دو شکن زیادہ کن کیسویے تابدار را
 نوح بھی تو، تو مسلم بھی تو، تیرا وجود الکتاب
 گنبدِ اہلبیت نہ رنگ تیرے محیط میں حباب

۲۲۰
 بالِ جبریل
 ۱۱۶

عالم آب و خاک میں تیرے ظہور سے فروغ
 ڈرہ ریک کو دیا تو نے طلوع آفتاب
 شوکتِ سحر و سلیم تیرے حلال کی نمود
 فقہرِ حنیف و بایزید تیرے اجمال بے نقاب
 شوق ترا اگر نہ ہو میری نماز کا امام
 میرا قیام بھی حجاب میرا سجد بھی حجاب
 تیرے نگاہ ناز سے دونوں مراد پا گئے
 عقل غیاب و جستجو، عشق حضور و اضطراب
 تیرے وتار سے جہاں کرو شش آفتاب کے
 طبع زمانہ تازہ کر بلاؤ بے حجاب کے
 تیری نظر میں ہیں تمام میرے کزشتہ روز و شب
 مجھ کو خبر نہ تھی کہ ہے علم نخیل بے رطب
 تازہ مرے ضمیر میں مسرکہ کھن ہوا
 عشق تمام مصطفیٰ عقل تمام بولہب

گاہ بچیدلہ می برد، گاہ بزور می کشد
 عشق کی ابتدا عجب، عشق کی انتہا عجب
 عالم سوز و ساز میں وصل سے بڑھ کے ہے فراق
 وصل میں مرگے آرزو، حجب میں لذت طلب
 عینِ وصل میں مجھے جو صدمہ نظر نہ تھا
 کچھ بہانہ جو رہی میری نگاہے ادب
 گرمی آرزو فراق، شورشیں ہلے وہ فراق
 موج کی جستجو فراق، قطرے کی آبرو فراق!

پروانہ اور جنگنو

پروانے کی منزل سے بہت دور ہے جنگنو
 پروانہ کیوں آتشیں بے سوز پہ مغرور ہے جنگنو
 جنگنو

اشد کا سوشکر کہ پروانہ نہیں میں
 درِ یوزہ کبر آتشیں بیگانہ نہیں میں

۲۲۲
 یالِ جبریل
 ۱۱۸

جاوید کے نام

خودی کے ساز میں ہے غم سر جاویدان کا سُراغ
 خودی کے سوز سے روشن ہیں اُمتوں کے چراغ
 یہ ایک بات کہ اوم سے صاحب مقصود
 ہزار کونہ منسروغ و ہزار کونہ منسراغ!

ہوتی نہ زراغ میں پیدا بلند پروازی
 خراب کر لیتی شاہیں نیچے کو صحبتِ زراغ
 چنانہیں ہے زمانے کی آنکھ میں باقی
 خدا کرے کہ جوانی تری رہے بے واغ
 ٹھہر سکا نہ کسی حنا نقاہ میں اقبال
 کہ ہے ظریف و خوش اندیشہ و شکفتہ و مانغ



کداتی

مے کدے میں ایک دن اک زبیر نے کہا
 ہے ہمارے شہر کا والی کداتے بے حیا
 تاج پہنایا ہے کس کی بے گلاہی نے اسے
 کس کی عزت بانی نے بخش ہے اسے زریں قبا
 اس کے لب لالہ لوں کی خون بہت اس کشید
 تیرے کھیت کی مٹی ہے اس کی لیمیا
 اس نے نعت خانے کی ہر چہ مانگی ہوئی
 وینے والا لون ہے، مردِ غریب و بے نوا
 ماننے والا کد ہے صدقہ ماننے یا خراج
 کوئی ماننے یا نہ مانے، میر و سلطان سب کد!

(ماخوذ از انور سی)

۲۲۲
بالِ جبریل
۱۲۰

ملا اور بہشت

نہیں بھی حاضر تھا وہاں ضبطِ سخن کرنے کا
 حق ہے جب حضرت ملا کو ملا حکم بہشت
 عرض کی میں نے، الہی! مری تقصیر صرف
 خوش نہ آتیں گے اسے حور و شراب و لب کشت
 نہیں فرودوس مقامِ جہنم و تال و اقول
 بحث و تکرار اس اللہ کے بندے کی شہادت
 ہے بد آموزی اقوام و ملل کام اس کا
 اور جنت میں نہ مسجد نہ کلیسا، نہ گنشت!

دین و ستیا

کلیسا کی بنیاد و رہبانیت تھی سما کی کہاں اس فقیری میں میری
 خصوصیت تھی سلطانی و راہبی میں کہ وہ سر بلند ہی ہے یہ سب بزرگی

سیاست نے مذہب سے سچا ٹھٹھرایا
 چلی کچھ نہ پیر کھلیا کی پیری
 ہوتی دین دولت میں جس دم جدائی
 ہوس کی اسیری ہوس کی وزیری
 دوتی ملک دوس کے لیے نامرادی
 دوتی چشم تہذیب کی نابھیری
 یہ عجز ہے ایک صحرا ششیر کا
 بشیری ہے اسینہ دار ندیری!

اسی میں حفاظت ہے انسانیت کی
 کہ ہوں ایک خستیدی اور شیری

الارض رتد!

پلست ہے بیج کو مٹی کی تاریکی میں کون
 کون دریاؤں کی موجوں سے اٹھاتا ہے سحاب؟
 کون لایا کھینچ کر پختہ سے باور سا زکار
 خال یہ کس کی ہے کس سے یہ نور آفتاب؟
 کس نے بھروی موتیوں سے خوشہ کندم کی جیب
 موسموں کو کس نے سکھلاتی ہے ٹھوٹے انقلاب؟

۲۲۶
 بالِ حبریل
 ۱۲۲

وہ خدا یا! یہ زمین سیرمی نہیں تیرمی نہیں
تیرے ابا کی نہیں تیرمی نہیں تیرمی نہیں

ایک نوجوان کے نام

ترے صوفے ہیں افزگی، ترے تالین ہیں ایرانی
لہو مجھ کو زلاتی ہے جانوں کی تن آسانی
امارت کیا، شکوہ خسرو می بھی ہو تو کیا حاصل

نہ زورِ سیدی تجھ میں نہ استغنائے سلطانی
نہ ڈھونڈ اس پینر کو تہذیبِ خضر کی جستلی میں
کہ پایا میں نے استغنائے میں سراجِ سلطانی

عقابی رُوح جب بیدار ہوتی ہے جانوں میں
نظر آتی ہے اس کو اپنی منزل آسمانوں میں
نہ جو نوہید، نوہید سیدی نوال علم و فن ہے
انہی سردِ مومن ہے خدا کے رازدانوں میں

۲۲۷
بالِ جبریل
۱۲۳

نہیں تیرا دشمن قصرِ سلطان کی گنبد پر
تو شاہیں ہے بسیرا لہر پہاڑوں کی چٹانوں میں

نصیحت

بچہ شاہیں سے کہتا تھا عقاب سا بخورد
اے ترشہ سپر ایساں نصیحت چرخ بریں
ہے شب اپنے لہو کی آگ میں جلنے کا نام
سخت کوشی سے ہے تلخ زندگانی انجیس
جو کبوتر چھوٹنے میں مزا سے اسے پسر!
وہ مزا شاید کبوتر کے لہو میں بھی نہیں

لالہ صحرا

یہ گنبدِ مینائی، عین عالمِ تنہائی
مجھ کو تو ڈراتی ہے اس شکی مہنہائی

۴۴۸
بالِ جبریل
۱۲۴

بھٹکا ہوا راہی میں بھٹکا ہوا راہی تو
 منزل ہے کہاں تیری اے لاکھ سرائی!
 حنائی ہے ظہیموں سے یہ لوہ و لمر ورنہ
 تو شعلہ سینائی میں شعلہ سینائی!
 تو شاخ سے کیوں چھوٹا میں شاخ سے کیوں ٹوٹا
 اک جذبہ پیدائی ال لذتِ یحتمائی!
 نعمتِ احسن محبت کا اللہ نیکسب ہوا
 چر قطرہ دریا میں دریا کی ہے کس لرائی
 اس موج کے ماتم میں روتی ہے بھٹورلی انکھ
 دریا سے اٹھی لیکن ساحل سے نہ ٹکرائی
 ہے کرمی آدم سے ہر سنگا تر عنالم کرم
 سورج بھی تماشائی، تارے بھی تماشائی
 اے باوہیابانی! مجھ کو بھی عنایت ہو
 حنا موشی و دل سوزی، سرستی و رعنائی!

۲۲۹
 بالِ جبریل
 ۱۲۵

ساقی نامہ

ہوا خمیر زن کاروان بہار
 گل و زرسن سوسن و سترن
 جہاں چھپ چھپ کیا پردہ رنگ میں
 فضا نیلی نیلی، ہوا میں سرور
 وہ جوئے کستاں اچھلتی ہوتی
 اچھلتی، پھلتی، سنھلتی ہوتی
 رُکے جب تو سہل چیروتی ہے یہ
 ذرا دیکھ اے ساقی لالہ فام!
 پلاوے مجھے وہ ہے پردہ سوز
 وہ ہے جس سے روشن ضمیر حیات
 وہ ہے جس میں ہے سوز و سازِ ازل
 ازم بن گیا دامن کو بہار
 شہیدِ ازل لالہ خونیں کفن
 لہو کی ہے گردشِ رگِ سنگ میں
 ٹھہرتے نہیں اشیاں میں طیور
 اُٹکتی، لچکتی، سرکتی ہوتی
 بڑے پیچ کھاکر نکلتی ہوتی
 پہاڑوں کے دل چیروتی ہے یہ
 سناتی ہے یہ زندگی کا پیام
 کہ اتنی نہیں فصلِ گل روزِ روز
 وہ ہے جس سے ہے مستی کائنات
 وہ ہے جس سے کھلتے ہیں رازِ ازل

۲۵۰
بالِ ہبریل
۱۲۶

اٹھا سا قیامِ برودہ اس راز سے
لڑا دے مموئے کوششِ راز سے

زمانے کے انداز بدلے گئے
ہوا اس طرح فاش رازِ فرنگ
نیرا ال سے ساز بدلے گئے
کہ حیرت میں ہے شیشہ بازِ فرنگ
زمین میر و سلطان سے بیزار ہے
تماشا دلہا کر مدار می کیا
گراں خوابِ چینی سنہلنے لگے
ہمالہ کے چشمے ایلنے لگے
تجلی کا پھر منتظر ہے کلیم
مگر دل ابھی تاس کے زقار پوش
دل طور سینا و فناراں و نیم
مسلمان ہے توحید میں کرم جوش
تمدن، تصوف، شریعت، کلام
حقیقت خرافات میں کھولتی
بھاتا ہے دل کو کلامِ خطیب
بیاں اس کا منطق سے سلجھا ہوا
وہ صوفی کہ تھا خدستِ حق میں مرد
بیاں عجب بسم کے چاری تمام
یہ اُمت روایات میں کھولتی
مگر لذتِ شوق سے بے نصیب
نعت کے بھٹیروں میں ابھار ہوا
محبت میں سکتا، حمیت میں فرو

۲۵۱
بالِ جبریل
۱۲۶

عجم کے خیالات میں گھوٹا یہ سالک مقامات میں گھوٹا

بُجھی عشق کی آگ اندھیر ہے

مسلمان نہیں، راکھ کا ڈھیر ہے

شراب کُنن پھر پلا ساقیا وہی جام گردش میں لاساقیا!

مجھے عشق کے پر لگا کر اڑا مری حال کج بنو بنا کر اڑا

حسد کو غلامی سے ازاو کر جانوں کو پیروں کا استادا کر

ہری شاخ ملت تیرے نم سے ہے نفس اس بدن میں تیرے نم سے ہے

ترپنے پھر کئے کی تو نسیق دے دل مر تضحیٰ، سوزِ صحتِ دین دے

جلد سے وہی تیر پھر پار کر تمنا کو سینوں میں بیدار کر

تیرے آسمانوں کے تاروں کی خیر زمینوں کے شبِ زندہ داروں کی خیر

جانوں کو سوزِ جگر بخش دے مرا عشق ہی سہی نظر بخش دے

مری ناؤ کو رو اب سے پار کر یہ ثابت ہے تو اس کو ستیا کر

بتا مجھ کو اسرارِ مرگ و حیات کہ تیری نگاہوں میں ہے کائنات

میرے دیدہ ترکی بے خوابیاں مرے دل کی پوشیدہ بے تابیاں

۲۵۲
بالِ جبریل
۱۲۸

مرے مالہ نیم شب کانسیاز
 مری حسوت و انجمن کالداز
 امسنگیں مری، آرزو میں مری
 امیدیں مری؛ جستجو میں مری
 مری فطرت آئینہ روزگار
 غزالان افکار کامرغزار
 مرادول، مری رزم کاہجیات
 گمانوں کے لشکر، یقیں کا شہت
 یہی کچھ ہے ساقی مستی فقیر
 اسی سے فقیری میں ہوں میں امیر

مرے قافلے میں لٹوے اسے

لٹاؤے، ٹھکانے لگاؤے اسے!

دوام رواں ہے یہم زندگی
 ہر اک شے سے پیدا رہم زندگی
 اسی سے ہوتی ہے بدن کی نمود
 کہ شعلے میں پوشیدہ ہے موج وود
 گراں کرچہ ہے صحبت آب و گل
 خوش آئی اسے محنت آب و گل
 یہ ثابت بھی ہے اور سیار بھی
 عناصر کے پھندوں سے بیزار بھی
 یہ وحدت ہے کثرت میں ہر دم امیر
 مگر ہر کہیں بے چلوں بے نظیر
 یہ عالم، یہ بیت خانہ شش جہات
 اسی نے تراشا ہے یہ سومنات
 پسند اس کو تکرار کی خونہیں
 کہ تو نہیں نہیں، اور میں تو نہیں

۲۵۳
 بال جبریل
 ۱۲۹

من و تو سے ہے انجمنِ فاسدیں
 مگر عینِ محسنِ نسل میں خلوتِ نشیں
 چمکاس کی بجلی میں تارے ہیں
 یہ چاندی میں سونے میں پارے ہیں
 اسی کے بیابان اسی کے بیول
 اسی کے ہیں کانٹے، اسی کے ہیں ٹھول
 کہیں اس کی طاقت کے گہسار چور
 کہیں اس کے پھندے ہیں بے بریل و حور
 کہیں بسترِ شاہین سیابِ بند
 لہو سے چکوروں کے اٹوہ چنک

کہو تو کہیں اشیانے سے دور

پھڑکتا ہوا حبال میں نا صبرِ بُو

فریظیہ ہے سکون و ثبات
 تڑپتا ہے ہر ذرۃ کا سنات
 ٹھہرتا نہیں کا روانِ وجود
 کہ ہر لحظہ ہے تازہ شانِ وجود
 سمجھتا ہے ثوراز ہے زندگی
 فقط ذوقِ پرواز ہے زندگی
 بہت اس نے دیکھے ہیں پست و بلند
 سفر اس کو منزل سے بڑھ کر پسند
 سفرِ زندگی کے لیے برک و سائے
 سفر ہے حقیقت، حضر ہے محبان
 الجھ کر سلجھنے میں لذت اسے
 تڑپنے پھڑکنے میں راحت اسے
 نپو اجب اسے سامنا موت کا
 کشن تھا بڑا تھا مناموت کا

۲۵۴
 بالِ جبریل
 ۱۳۰

اگر کہ جس ان مکافات میں
 مذاق دوئی سے بنی زوج زوج
 گل اس شاخ سے ٹٹے بھی ہے
 سمجھتے ہیں ناواں اسے بے ثبات
 بڑھی سینہ جولان بڑی زود رس
 ازل سے ابد تک ہم یک نفس
 رپی زندگی موت کی لحاظ میں
 اٹھی دشت کھسار سے فوج فوج
 اسی شاخ سے ٹھوٹے بھی رہے
 ابھرتا ہے مٹ مٹ کے نقش حیات
 ازل سے ابد تک ہم یک نفس

زمانہ کہ زنجیر ایام ہے
 دموں کے الٹ پھیر کا نام ہے

یہ موج نفس کیا ہے تلوار ہے
 خودی کیا ہے، تلوار کی دھار ہے
 خودی کیا ہے، راز و رُون حیات
 خودی کیا ہے، بیداری کائنات
 خودی جلوہ بدست و خلوت پسند
 سمندر ہے ال بوند پانی میں بند
 اندھیرے اُجالے میں ہے تابناک
 من و ثومیں پیدا، من و ثومے پاک
 ازل اس کے پیچھے ابد سمنے
 نہ حد اس کے پیچھے نہ حد سمنے
 زمانے کے دریا میں بہتی ہوتی
 بستم اس کی موجوں کے سہتی ہوتی
 تجسس کی راہیں بدلتی ہوتی
 دما دم نکا ہیں بدلتی ہوتی

سبک اس کے ہاتھوں میں سبک لرا
 سفر اس کا انجام آفتناز ہے
 لکرن چاند میں ہے شرر سناک میں
 اسے واسطہ کیا کم و بیش سے
 پہاڑ اس کی ضربوں سے ریک روپ
 یہی اس کی تقویم کا راز ہے
 یہ بے رنگ ہے ڈوب کر رنگ میں
 نشیب و فراز و پس و پیش سے
 ہوتی خاک آدم میں صورت پذیر

خودی کا شہین تھے دل میں ہے

فلک جس طرح آنکھ کے تل میں ہے

خودی کے نگہبیاں کو ہے زہر زہاب
 وہی ناں ہے اس کے لیے ارجمند
 فروغ نال محسوس سے درگزر
 وہی سجدہ ہے لائق آہتمام
 یہ عالم، یہ منگامہ رنگ و صوت
 یہ عالم، یہ بیت خانہ چشم و کوش
 خودی کی یہ ہے منزل اولیں
 وہ ناں جس سے جاتی ہے اس کی آب
 رہے جس سے دنیا میں لرون بلند
 خودی کو نگہ رکھ، ایازمی نہ کر
 کہ ہو جس سے ہر سجدہ تجھ پر حرام
 یہ عالم کہ ہے زیر فرمان موت
 جہاں زندگی ہے فقط خورد و نوش
 مساند! یہ تیرا شہین نہیں

۲۵۶
 بال جبریل
 ۱۳۲

ترمی آگ اس خاک و ان سے نہیں
 بڑھے جسا یہ کوہ کراں توڑ کر
 خودی شیر مولا، جہاں اس کا صید
 جہاں اور بھی ہیں ابھی بے نمود
 ہر اک منتظ تری یلغار کا
 یہ مقصد گردش روزگار
 تو ہے فاتح عالم خوب و زشت
 حقیقت پہ ہے جامہ حرف تنگ
 فروزاں ہے سینے میں شمع نفس
 گمراہی گفتار کہتی ہے بس!

الکریم کے برتر پریم
 منورغ تجلی بسوز پریم



زمانہ

جو تھا نہیں ہے جو ہے نہ ہو گا یہی ہے اک حرفِ مہرمانہ
 قریب تر ہے نمود جس کی، اسی کا شتاق ہے زمانہ
 مری صراحی سے قطرہ قطرہ تھے عواشِ ٹپک رہے ہیں
 میں اپنی تسبیحِ روز و شب کا شمار کرتا ہوں زمانہ و آن
 ہر ایک سے آشنا ہوں، لیکن جدا جدا رسمِ راہ میری
 کسی کا رالِب، کسی کا مَرکِب، کسی کو عبرت کا تازیانہ
 نہ تھا اگر تو شرابِ محض، قصور میرا ہے یا کہ تیرا
 ہر اطرحیت نہیں کہ رلہ لوں کسی کی خاطر سے شبانہ
 میرے حسن و بیچ کو نجومی کی آنکھ چھپانتی نہیں ہے
 ہدف سے بیگانہ تیرا کس کا نظر نہیں جس کی عارفانہ

۲۵۸
 بالِ جبریل
 ۱۳۴۲

شفق نہیں سہری افق پر یہ جھٹے خوں ہے یہ جھٹے خوں ہے
 طلوع منور کا منتظر رہ کہ دوشن امروز سے فنا
 وہ منگرتاں جس نے عزماں کیا ہے فطرت کی طاقتوں کو
 اسی کی بیتاب بھلیوں سے خطر میں ہے اس کا آشیانہ
 جو امیں ان کی فضائیں ان کی ہمندر ان کے جہاز ان کے
 کرہ بھنور کی کھلے تو کیونکر بھنور ہے تفتدیر کا بہانہ

جہاں تو چور ہے پیدا، وہ عالم سپر مر رہا ہے
 جسے مندر نئی نعمت بروں نے بنا دیا ہے قمار خانہ
 ہوا ہے کوشن تیز لکین چرخ اپنا جلا رہا ہے
 وہ مرد درویش جس کو حق نے دیے ہیں انداز خسروا



فرشتے اوم کو جنت سے رخصت کرتے ہیں

عطا ہوتی ہے تجھے روزِ شب کی بیتابی
خبر نہیں کہ ٹوٹنا کی ہے یا کہ سیلابی
سنا ہے خاک سے تیری نمود ہے، لیکن
ترمی ہر رشت میں ہے کو کبھی ورتابی
جمال اپنا الرخواب میں بھی تو دیکھے
ہزار پوشش سے خوشتر ترمی شکرِ خوابی
کہ ان بسے ترا لریہ سحر کا ہی
اسی سے ہے تر نخل لہن کی شاہابی

ترمی تو اسے ہے پر وہ زندگی کا ضمیر

کہ تیرے ساز کی فطرت نے کی ہے مرضی

روح ارضی اوم کا استقبال کرتی ہے

کھول آنکھ زمین دیکھ، فلک دیکھ، فضا دیکھ
مشرق سے ابھرتے سوتے سورج کو ذرا دیکھ
اس جلوہ بے پردہ کو پروں میں چھپا دیکھ
ایامِ جدائی کے ستم دیکھ، جفا دیکھ
بے تاب نہ ہو کہ کہہ دیم ورجا دیکھ!

۲۶۰
بالِ جبریل
۱۳۶

ہیں تری تصرف میں بادل کھٹتے ہیں
 کیسے بد فداک یہ خاموش فضا میں
 یہ کوہِ صحرا یہ سندر یہ ہوا میں
 تھیں شین نظر کل تو فرشتوں کی ادا میں

اسی دنہ ایام میں آج اپنی ادا دیکھو!

سمجھے کا زمانہ تری آنکھوں کے اشارے
 دیکھیں گے تجھے دُور سے کروں کے سناکے
 ناپید ترے بحرِ تخیل کے کنارے
 پہنچیں گے فلک تک ہی ہوں گے شراکے
 تمہیں خودی کرا اثر آہ رسا دیکھو!

خوشید جہاں تاب کی ضو تیرے شہر میں
 آباد ہے اک تازہ جہاں تیرے ہنر میں
 چھتے نہیں نکتے ہوتے فردوسِ نظر میں
 جنت تری نہاں ہے ترے خونِ جگر میں
 اے پیرِ گل کوششِ سہیم کی جزا دیکھو!

نالندہ ترے غم کا پرتا رازل سے
 تو جنسِ محبت کا سریدار ازل سے
 تو پیرِ ستم خانہ اسرار ازل سے
 محنت کش و خون ریز و لم ازار ازل سے
 ہے راکبِ تبتدیر جہاں تیری ضما دیکھو!



پیر و مرید

مرید پسندی

چشم بینک سے جاری جوتے ٹوں علم حاضر سے ہے دیں زار و زبوں!

پیر رومی

علم را بر تن زنی مارے بود
علم را بر دل زنی یارے بود

مرید پسندی

اے امام عاشقان درو سنند! یا وہ ہے مجھ کو ترا حرف بلند
نخک مغز و خشک تار و خشک پوست
از کب سامی آید این آواز دوست

دور حاضر مست چنگ و بے سوز بے ثبات و بے یستین و بے حضور

۲۶۲
بالِ حبریل
۱۳۸

کیا خبر اس کو کہ ہے یراز کیا دوست کیا ہے، دوست کی آواز کیا

آہ، یورپ با فروغ و تاس مال
نغمہ اس کو کھینچتا ہے سوتے خال

پیر رومی

برسماع راست ہر کس چیر نیست
طعمہ ہر مرعنے کے انجیر نیست

مرید ہندی

پڑھ لیے میں نے علوم شرق و غرب روح میں باقی ہے اب تک درو کر ب

پیر رومی

دست ہر نا اہل بیمار ت کند
سوتے ماوراک تیمار ت کند

مرید ہندی

اے بختیاری کے دل کی کشاد کھول مجھ پر نکستہ حکم جہاد

پیر رومی
 نقش حق را ہم بہ امر حق شکن
 بزر جاج دوست گنبد دوست زن

مرید ہندی

ہے نکاوٹ اور ان مسخو غیب
 خوجنت کے نوشتہ جو غیب

پیر رومی

ظاہر تہ کرا سپید است و نو
 دست جامہ ہم سید کرد و ازو

مرید ہندی

اہ مکتب کا جوان گرم خون
 ساحر افزنگ کا صید زبوں!

پیر رومی

مربغ پر نار دستہ چوں پراں شود
 طعنتہ ہر کربتہ و تراں شود

۴۶۴
 بال جبریل
 ۱۲۰

مرید ہندی

تاجک آویزش دین و وطن جو ہر جہاں پر مقدم ہے بدن!

پیر رومی

قلب پہلومی زند بازر بشب

انتظار روز می وارد ڈھیب

مرید ہندی

سیر آدم سے مجھے آگاہ کر خال کے ڈرے کو مہر و ماہ کرا!

پیر رومی

ظاہر شس را پیشہ آربو چرخ

ہنیش آمد محیٹ ہفت چرخ

مرید ہندی

خال تیرے نور سے روشن بصر غایت آدم خبر ہے یا نظر؟

۲۶۵
بال جبریل
۱۲۱

پیر رومی

آدمی دید است، باقی پوست است
دید آن باشد کہ دید دوست است

مرید ہندی

زندہ ہے مشرق تری گفتار سے اہمتیں مرقی ہیں کس آزار سے؟

پیر رومی

ہر ملک اہمت پیشیں کہ بود
زانکہ جہند لہاں برون نمود

مرید ہندی

اب مسلمان میں نہیں وہ رنگ و بو
سرو کیونکر ہو گیا اس کا لہو؟

پیر رومی

تا دل صہا جب دے نامد بہ درد
بہیج قومے را حنہ از سوانہ کرد

۲۶۶
بالِ حبریل
۱۲۲

مرید ہندی

گرچہ بے رونق ہے بازارِ وجود کون سے سوئے میں ہے مڑوں کا سوو؟

پیر رومی

زیر کی بعنروش حیرانی سخن
زیر کی ظن است حیرانی نظر

مرید ہندی

ہم نفس میرے سلاطین کے ندیم میں فقیر بے گلاہ و بے کلیم!

پیر رومی

بندہ یک مرد روشن دل شوی
بہ کہ برفرق سہر شاہاں روی

مرید ہندی

اے شریکِ مستی خاصانِ بد میں نہیں سمجھا حدیثِ جبر و قدر!

۲۶۷
بالِ جبریل
۱۲۳

پیر رومی

بال بازاں راسوے سلطان برد
بال زاغاں رابورستان برد

مرید ہندی

کاروبار خسرومی یا راجہ سبھی کیا ہے آخر غایت دین نبی؟

پیر رومی

مصلحت در دین ماجنک و شکوہ
مصلحت در دین عیسیٰ غار و لوه

مرید ہندی

کس طرح قابو میں آئے اب و گل کس طرح بیدار ہوئے سینے میں دل؟

پیر رومی

بندہ باش و بر زمین زوچوں سمند
چوں جنازہ نے کہ برگردن برند

۲۶۸
بال جبریل
۱۲۲

مرید ہندی

سُتروں اور اک میں آتا نہیں کس طرح آئے قیامت کا یقین؟

پیر رومی

پس قیامت شو قیامت ابسیر

دیدن پر چیز را شرط است اسیر

مرید ہندی

آسماں میں راہ کرتی ہے خودی صید مہر و ماہ کرتی ہے خودی

بے حضور و با فروغ و بے فراغ اپنے پنچھیروں کے ہاتھوں داغ داغ!

پیر رومی

اں کہ ارز و صید را عشق است و بس

لیکن او کے لہجہ اندر و اہم کس!

مرید ہندی

تجھ پہ روشن ہے ضمیر کائنات کس طرح محکم ہو ملت کی حیات؟

پیر رومی

دانہ باشی مرغھکانست برچسند

غنچہ باشی کو دکانت برکسند

دانہ پنہاں کن سراپا دام شو

غنچہ پنہاں کن سیاہ بام شو

مرید ہندی

تو یہ کہتا ہے کہ دل کی کڑ تلاش
طالب دل باشی و پیکار باشی

جو مراد دل ہے، مے سینے میں ہے
میرا جو میری کسے نہیں ہے

پیر رومی

تو ہمیں کوئی مراد دل نیس نہت

دل فرار عرش باشد نے بہ پست

تو دل خود را ولے پنداشتی

جستجوے اہل دل بگداشتی!

۲۶۰
بال جبریل
۱۲۶

مرید ہندی

آسمانوں پر مرا فکربند
 زمین پر خوار و زار و درمند
 کار دنیا میں ہا جاتا ہوں میں
 ٹھوکریں اس آہ میں کھاتا ہوں میں
 کیوں مریے بس کا نہیں کار زمین
 ابلہ دنیا ہے کیوں دانتے ہیں؟

پیر رومی

اس کہ برافس لال رفتارش بود
 بر زمین رستن چہ دشوارش بود

مرید ہندی

علم و حکمت کا ملے کیونکر سراغ
 کس طرح ہاتھ آئے سوز و درد و داغ؟

پیر رومی

علم و حکمت زیاد از نان حلال
 عشق و وقت آید از نان حلال

۴۷۱
 بابِ حبریل
 ۱۲۷

مرید ہندی

ہے زمانے کا تفت اضحابنجن اور بے خلوت نہیں سوز سخن!

پیر رومی

خلوت از اغیار بایئے زیاد

پوستیں بہر دے آمد نے بہار

مرید ہندی

ہند میں اب نور ہے باقی نہ سوز اہل دل اس دس میں ہیں تیر روز!

پیر رومی

کار مرداں روشنی و کرمی است

کار دونان حیلہ و بے شرمی است



۲۴۲
بال جبریل
۱۲۸

جبریل و ابلیس

جبریل

ہمدرد و پرینہ کیسا ہے چہ بیان رنگ و نوب؟

ابلیس

سوز و ساز و درد و داغ و جستجوے و آرزو

جبریل

ہر گھڑی اندلاک پر رہتی ہے تیری گفتگو
کیا نہیں ممکن کہ تیرا چاکہ امن ہو فو؟

ابلیس

آہ اے جبریل! تو واقف نہیں اس آرزو سے
کہ کیا سرست مجھ کو ٹوٹ کر میرا سب جو
اب یہاں میری کوزہ ممکن نہیں ممکن نہیں
کس قدر خاموش ہے یہ عالم بے کلمہ و کلام!

۲۷۳
بال جبریل
۱۲۹

جس کی نو سیدی سے ہو سوزِ درون کا سنت
اُس کے حق میں تَقْنَطُوا اچھلے یا لا تَقْنَطُوا؟

حبریل

کھو دیے انکار سے ٹوٹنے مقاماتِ بلند
چشمِ یزواں میں فرشتوں کی رہی کیا بروا

ابلیس

پے مری جرات کے مشتِ خال میں ذوقِ نو
میرے فتنے جاہل و حسد کا تار و پو
دیکھتا ہے توفیقِ حاصل سے زخمِ شہر
کون طوفاں کے طمانچے لھا رہا ہے، میں کہ تو؟
خضر بھی بے دستِ پاء، الیا کس بھی بے دستِ پاء
میرے طوفاں میں بہیم، دریا بہ دریا، جو بہ جو
گر کبھی سنو ت ستر ہو تو پوچھ اللہ سے
قصۂ آدم کو زنجیں کر کس کا لہو!

۲۷۲
بالِ حبریل
۵۰

میں لکھ سکتا ہوں دل بزواں میں کانٹے کی طرح
توقط اللہھو، اللہھو، اللہھو!

اوان

اک رات ستاروں سے کہا نجمِ سخن نے
اوم کو بھی دیکھا ہے کسی نے کبھی بیدار؟
کہنے لگا مزینؔ، اوانم سے تفتدیر
ہے نیند ہی اس چھوٹے سے فتنے کو سزاوار
زہرہ نے کہا اور کوئی بات نہیں کیا؟
اس لڑکے کو شب کو سے کیا چم کو سزاوار
بولا مہ کابل کہ وہ لو کب ہے زینسی
تم شب کو نمودار ہو، وہ دن کو نمودار
واقف ہو الرلذت بیداری شب کے
اونچی ہے تریسے بھی یہ حال پر اسرا

۲۷۵
بالِ جبریل
۱۵۱

انگوٹش میں اس کی وہ تختی ہے کہ جس میں
 لکھو جائیں گے افلاک کے سب ثابت و سید
 ناکاہِ فضیلت بانگِ اذان سے پڑھنی لیں
 وہ نعرہ کہ پل جانتے جس سے دل کھسارے

محبت

شہیدِ محبت نہ کا فخرِ غازی
 محبت کی رسمیں نہ ترکی نہ تازی
 وہ کچھ اوشے ہے محبت نہیں ہے
 سکھاتی ہے جو غمِ نومی کو ایازی
 یہ جو ہر کارِ فخر مانہیں ہے
 تو ہیں علم و حکمت فقط شیشہ بازی
 نہ محتاجِ سلطان نہ مرعوبِ سلطان
 محبت ہے آزادی و بے نیازی

میرا فخر بہتر ہے اکندری سے
 یہ آدم لری ہے وہ آئینہ سازی



۲۷۶

بالِ جبریل

۱۵۲

ستارے کا پیغام

مجھے ڈرانہیں سکتی فضائی تاریکی مری سرشت میں ہے چمکی و درخشانی
 تو اے مسافر شبِ انوار چرخِ بن اپنا کرا اپنی رات کو داغِ جگر سے نورانی

جاوید کے نام

(لندن میں اُس کے ہاتھ کا لکھا ہوا پسلا خط آنے پر)

ویارِ عشق میں اپنا مستام پیدا کر نیازِ زمانے سے صبح و شام پیدا کر
 خدا اگر ولِ فطرت شناس ہے تجھ کو سلوتِ لالہ و گل سے کلام پیدا کر
 اٹھانہ شیشہ لہرانِ فرناک کے احساں سفالِ ہند سے یسنا و جام پیدا کر
 میں شاخِ تال ہوں سیریِ نل ہے میرا شمرے شمرے سے لالہ و نام پیدا کر

مرا طریقِ اسیری نہیں فقیری ہے

خودی نہ بیچِ غنہ سیری میں نام پیدا کر!



۲۷۷
 بالِ جبریل
 ۱۵۳

فلسفہ و مذہب

یہ آفتاب کیا، یہ سپہر میں سے کیا!
 سمجھا نہیں سلسلِ شام و سحر کو میں
 اپنے وطن میں ہوں کہ عنبریںِ الدیار ہوں
 ڈرتا ہوں دیکھ دیکھ کے اس دشتِ ودر کو میں
 کھلتا نہیں مرے سخنِ زندگی کا راز
 لاؤں کہاں سے بندۂ صہابِ نطن کو میں
 حیراں ہے بوعلی کہ میں آیا کہاں سے ہوں
 رومی یہ سوچتا ہے کہ جاؤں کہہ کر میں
 ”جاتا ہوں تھوڑی دُور ہراک راہرو کے ساتھ
 چپاٹتا نہیں ہوں ابھی راہِ بر کو میں“



۲۶۸
 بالِ جبریل
 ۱۵۲

یورپ کے ایک خط

ہم جو کہ محسوس میں ساحل کے خریدار
 اک بھر پر آشوب و پراسرار ہے رومی
 تو بھی ہے اسی قافلہ شوق میں اقبال
 جس قافلہ شوق کا سالار ہے رومی
 اس عصر کو بھی اس نے کیا ہے کوئی پیغام؟
 کہتے ہیں چراغ رہا سر ہے رومی

جواب

کہ گنبد بید خورد و جو بچوں خراں
 آہوانہ درختن چراغواں
 ہر کہ گاہ و جو خورد تیرباں شود
 ہر کہ نور حق خورد و شران شود

نیولین کے مزار پر

راز ہے، راز ہے تفتدیر جہان تک و تاز
 جوش کروزار سے گھل جاتے ہیں تفتدیر کے راز

جوشِ کروار سے شمشیرِ سکندر کا طلوع
 کوہِ الوند ہوا جس کی حرارت سے کداز
 جوشِ کروار سے تیمور کا سیلِ ہمگیر
 سیل کے سامنے کیا شے ہے نشیب اور فراز
 صدفِ جنگاہ میں مروانِ حندالی تجیر
 جوشِ کروار سے بنتی ہے حندالی آواز
 ہے مکر و فرصتِ کروار نفسِ مایوس
 عوضِ یکِ نفسِ قبر کی شبِ ٹائے و راز
 ”عاقبت منزلِ ماوا وہی خاموشان است
 حالیہ اعلیٰ و کسبِ افعال انداز“

مسوینی

ندرتِ فکر و عمل کیا شے ہے ذوقِ انقلاب
 ندرتِ فکر و عمل کیا شے ہے ملتِ کاشاب

۲۸۰
 بالِ جبریل
 ۱۵۶

نڈرت فکر و عمل سے معجز است زندگی
 نڈرت فکر و عمل سے سنب خار اہل ناب
 رومتہ الکتب سے بولہ لوں ہو گیا تیرا ضمیر
 اینکہ می بینم یہ بیدار است یارب یا یہ خواب
 چشم سپیران لہن میں زندگانی کا فروغ
 نوجوان تیرے ہیں سوز آرزو سے سینہ تاب
 محبت کی حرارت تیرا، یہ نمود
 فصل گل میں پھول رہ سکتے نہیں زیر حجاب
 نغمہ ہائے شوق سے تیری فضا مسور ہے
 زخمہ ور کا منتظر تھا تیری فطرت کا رباب
 فیض کیس کی نظر کا ہے کرامت کس کی ہے؟
 وہ کہ ہے جس کی ننگہ شعل شعاع آفتاب



سوال

اک مجلسِ خودِ دار یہ کہتا تھا خدا سے
میں کہ نہیں سکتا کلمہ درودِ تیری
لیکن یہ بتا تیری اجازت سے فرشتے
کہ تے ہیں عظامِ درودِ مایہ کو میری؟

پنجاب کے درہان سے

بتا کی تری زندگی کا ہے از
ہزاروں برس سے تو خاک باز
اسی خاک میں وہ کئی تیری آگ
سحر کی ازاں چولتی اب تو جاگ!
زمین میں ہے کو خالیوں کی برات
نہیں اس اندھیرے میں آپ حیات
زمانے میں جھوٹا ہے اس کا نگین
جو اپنی خودی کو پرکھت انہیں
بتانِ شعوب و قبائل کو توڑ
رسومِ کٹن کے سلاسل کو توڑ
یہی دینِ محکم، یہی منتحِ باب
کہ دنیا میں توحید ہو بے حجاب

سجاکِ بدنِ دانہِ دل نشاں
کہ اس دانہ واروزِ حاصلِ نشاں

۲۸۲
بالِ جبریل
۱۵۸

ناور شاہ افغان

خضورتی سے حلالے کے نولوتے لالا

وہ ابرجس سے رک گل سے مشیل تار نفس

بہشت راہ میں دیکھا تو چوکیا بیتاب

عجب مقام ہے جی چاہتا ہے جاؤں برس

صدا بہشت سے آئی کہ منتظر ہے ترا

ہرات و کابل و غزنی کا سبزہ نورس

سرسک ویدہ ناور بہ داغ لالہ فشاں

چناں کہ استیش اورا دل فرزند نشان



خوشحال خاں کی وصیت

قبائل ہوں ملت کی وحدت میں گم کہ چو نام فہن نیوں کا بلند
 محبت مجھے ان جوانوں سے ہے ستاروں پہ چوڑا لگتے ہیں کسند
 مغل سے کسی طرح کست نہیں قہستان کا یہ بچہ ارجمند
 کہوں تجھ سے ہم نشین دل کی بات وہ مدفن ہے خوشحال خاں کو پسند
 اڑا کر نہ لائے جہاں باد کوہ
 مغل شہسواروں کی گروہ مست!

تاتاری کا جواب

کہیں جتا وہ عمتا مہ ہرن کہیں ترسا بچوں کی چشم بے بال!

خوشحال خاں خٹک پشتو زبان کا مشہور وطن دوست شاعر تھا جس نے افغانستان کو مغلوں سے آزاد کرانے کے لیے سرحد کے افغانی قبائل کی ایک جمعیت قائم کی۔ قبائل میں صرف فریدیوں نے آخر دم تک اس کا ساتھ دیا۔ اس کی قریباً ایک سو نظموں کا انگریزی ترجمہ ۱۸۶۲ء میں لندن میں شائع ہوا تھا۔

۲۸۲
 بال جبریل
 ۱۶۰

روائے دین و ملت پارہ پارہ
 مرا ایماں تو ہے باقی و بس کن
 قبا تے ملک و دولت چاک و چاک!
 نہ لکھا جاتے کہیں شعلے کو خاشاک!
 ہوائے تہذیب کی موجوں میں محصور
 سمرقند و بخارا کی کھنڈ خاکی!

بلد الروم و خود چنڈ رائے کب سے نم
 بلا انگشتری و سنیر کب سے نم

یسا یک پہل گئی حنا کی سمرقند
 شفق آمیز تھی انس کی سفیدی
 اٹھا تیمور کی تربت سے اک نور
 صدا آئی کہ میں ہوں رُوح تیمور
 اگر محصور ہیں مردان تاتار
 تقاضا زندگی کا کیا یہی ہے
 نہیں اللہ کی تعذیر محصور
 کہ تورانی ہو تورانی سے مجبور؟

’خودی راسوز و تاپے دیکرے وہ‘

’جہاں را انعتابے دیکرے وہ‘

* یہ شعر معلوم نہیں کس کا ہے، نصیر الدین طوسی نے غالبؔ

’شرح اشارات‘ میں اسے نقل کیا ہے

حال و مقام

دل زندہ و بیدار اگر چہ تو بتدیج
 بندے کو عطا کرتے ہیں چشمِ نگران اور
 احوال و مقامات یہ موقوف ہے سب کچھ
 ہر لحظہ ہے سالک کا زمان اور مکان اور
 الفاظ و معانی میں تعناوت نہیں لیکن
 عطا کی ازاں اور، مجاہد کی ازاں اور
 پرواز ہے دونوں کی اسی ایک فضا میں
 گرس کا جہاں اور ہے شاہین کا جہاں اور

ابوالعلا معری

کہتے ہیں کبھی گوشت نہ کھاتا تھا معری
 پھل پھول یہ کرتا تھا ہمیشہ کزراوقات

✽ ابوالعلا معری، عربی زبان کا مشہور شاعر

۲۸۶
 بابِ ہبریل
 ۱۶۲

اک دوست نے مٹھونا چواتی تھی اُسے بھیجا
 شاید کہ وہ شاطر اسی ترکیب سے چومات
 یہ خوان ترو تازہ معری نے جو دیکھا
 کہنے لگا وہ صاحبِ عنفران* و لزومات*
 اے مرغابِ حیا رہ! ذرا یہ تو بتاؤ
 تیرا وہ کُنہ کیا تھا یہ ہے جس کی مکافات؟
 افسوس، صد افسوس کہ شاہین نہ بناؤ
 دیکھے نہ تری آنکھ نے فطرت کے اشارات
 تقدیر کے قاضی کا یہ فتویٰ ہے ازل سے
 ہے خُبرِ ضعیفی کی سزا مرگِ مفاجات!



* عنفران — رسالۃ العنفران، معری کی ایک مشہور کتاب کا نام ہے

* لزومات — اس کے قصائد کا مجموعہ ہے

سنیما

وہی بُت فروشی، وہی بُت کرمی ہے
سنیما ہے یا صنعتِ آزری ہے
وہ صنعت نہ تھی، شیوہ کافر ہی تھا
یہ صنعت نہیں، شیوہ ساحری ہے
وہ مذہب تھا اقوامِ عہدِ کائن کا
یہ مذہب حاضر کی سودا کرمی ہے

وہ دُنیا کی مٹی، یہ دُنخ کی مٹی
وہ بُت خانہ خالی، یہ خاکستری ہے

پنجاب کے پیرا دوں سے

خانہ بہانوں میں شیخ مجتہد کی لحد پر
وہ خاک کہ ہے زیرِ فلکِ مطلعِ انوار
اس خاک کے دُروں سے ہیں سرمنڈہ ستارے
اس خاک میں پوشیدہ ہے وہ صاحبِ اسرار
گردن نہ جھکی جس کی جہانگیر کے لئے
جس کے نفسِ کرم سے ہے کرمی اصرار

۲۸۸
بالِ جبریل
۱۶۲

وہ ہند میں سرمایہ قلت کا نگہباں
 اللہ نے بروقت کیا جس کو خبردار
 کی عرض یہ میں نے کہ عطا فہتر ہو مجھ کو
 آنکھیں مری سینا ہیں، لیکن نہیں بیدار
 اتنی یہ صد اسلہ فقر ہوا بند
 ہیں اہل نطنہ کشور پنجاب سے بیزار
 عارف کا ٹھکانا نہیں وہ خطہ کہ جس میں
 سدا کلمہ فقر سے ہو طرہ دستار
 باقی کلمہ فقر سے مہتا ولولہ حق
 طُروں نے چڑھایا نشتر خدمت سرکار

سیاست

اس کھیل میں تعین مراتب کی ضروری
 شاطر کی عنایت سے تو فرزین میں پیادہ
 بیچارہ پیادہ تو ہے اک غمراہ چہیز
 فرزین سے بھی پوشیدہ ہے شاطر کا ارادہ

فقر

اک فقر سلھاتا ہے صر سیا و کو پنخیری
 اک فقر سے کھلتے ہیں اسرار جہاں لیری
 اک فقر سے قوموں میں سکینی و دلیری
 اک فقر سے مٹی میں خاصیت اسیری
 اک فقر ہے شہیری اس فقر میں ہے میری
 میرا شمس انی ہا یہ شہیری!

خودی

خودی کو نہ دے سیم و زر کے عوض نہیں شعلہ دیتے شرک کے عوض
 یہ کہتا ہے منہ دوسری دیدہ وور عجم جس کے سر سے روشن صبر
 ”زبہر درم نہ دے دو بد خو باش
 تو باید کہ باشی درم کو مباحش“

۲۹۰
 بال جبریل
 ۱۶۶

جُدائی

سُورج بُنت ہے تارِ زر سے دُنیا کے لیے روائے نوری
عالم ہے خموش و مست گویا ہر شے کو نصیب ہے حضوری
دریا، کُسا، چاند، تارے کیا جانیں فسراق و ناصبوری

شایاں ہے مجھے عنہم جُدائی
یہ ناک ہے محرم جُدائی

خانقاہ

رمز و ایسا اس زمانے کے لیے مٹوں نہیں
اور آتا بھی نہیں مجھ کو سخن سازی کا فن
تُم باذن اللہ کہہ سکتے تھے جو رخصت ہوتے
خانقاہوں میں مجھ اور رہ گئے یا لورکن!



ابلیس کی عرضداشت

کہتا تھا عزازیل خداوندِ جہاں سے
 پر کالہ آتش ہوئی آدم کی کھنڈ خال!
 جاں لاغرو تن منسربہ و ملبوس بدن زیب
 دل نزع کی حالت میں، خرد و نختہ و چالاک!
 ناپاک جسے کہتی تھی مشرق کی شریعت
 مغرب کے فقہوں کا یہ فتویٰ ہے کہ ہے پال!
 تجھ کو نہیں معلوم کہ حورانِ بہشتی
 ویرانیِ جنت کے تصور سے ہیں عنسہ ناک؟
 جہنم کے ابلیس ہیں اربابِ سیاست
 باقی نہیں اب سیری ضرورت تہ افلال!



۲۹۲
 بالِ جبریل
 ۱۶۸

لہو

اگر لہو ہے بدن میں تو خوف ہے نہ ہراس
اگر لہو ہے بدن میں تو دل ہے بے وسواس
جسے بلا یہ مستاع کراں بسا، اُس کو
نہ سیم و زر سے محبت ہے نہ عنیم افلاس

پرواز

کہا درخت نے اک روز مرغِ صحرا سے
بستم یہ عنیم کدہ رنگ و بولی ہے بنیاد
خدا مجھے بھی الٰہی مال و پر عطا کرتا
شگفتہ اور بھی ہوتا یہ عالمِ احباب
و یا جواب اُسے خوب مرغِ صحرا نے
غضب ہے واو کو سمجھا اُٹھو اسے تو سداوا
جہاں میں لذتِ پرواز حق نہیں اُس کا
وجود جس کا نہیں جذبِ خال سے آزاد

شیخ مکتبے

شیخ مکتبے ہے اک عمارت گہ جس کی صنعت ہے رُوح انسانی
نگلتہ و پذیرتیرے لیے کہہ گیا ہے حکیم و ست آئی
”پیش خورشید برکش یوا
خواہی ار سخن حسانہ نورانی“

فلسفی

بلند بال تھا، لیکن نہ تھا جسور و غیور
حکیم سے محبت سے بے نصیب ہوا
پھر افضاؤں میں لڑس اگرچہ شاہین و ار
شکار زندہ کی لذت سے بے نصیب ہوا



۲۹۲
بالِ حیریل
۱۴۰

شاہیں

کیا میں نے اُس خالِ اِس سے کنار
 بیاباں کی خلوتِ خوش آتی ہے مجھ کو
 نہ بادِ باری نہ گلچینِ نلبیل
 خیابانیوں سے ہے پر یہی لازم
 ہوئے بیاباں سے ہوتی ہے کاری
 حمام و کبوتر کا بھوکا نہیں میں
 جھپٹنا، پلٹنا، پلٹ کر جھپٹنا
 یہ پورب یہ پچھیم جلووں کی دنیا
 جہاں رُزق کا نام ہے اسبِ دن
 ازل سے ہے فطرتِ مری رہبنا
 نہ بیاری نغمہِ عاشقتانہ
 ادائیں ہیں ان کی بہت دلبرانہ
 جواں مرد کی ضربتِ عنازیانہ
 کہ ہے زندگی باز کی زاہدانہ
 لہو گرم رکھنے کا ہے اک بہانہ
 مرا نیگلوں آسماں بیکراںہ

پرندوں کی دنیا کا درویش ہوں میں
 کہ شاہیں بنانا نہیں اشیانہ



باغی مُرید

ہم کو تو میسٹر نہیں مٹی کا دیا بھی
 گھر پیر کا بجلی کے چراغوں سے ہے روشن
 شہری ہو، دیہاتی ہو، مسلمان ہے سادہ
 مانند بتاں چُختے ہیں کعبے کے برہمن
 نذرانہ نہیں، سووے پیرانِ حرم کا
 ہر حرفتہ سالو سس کے اندر ہے مہاجن
 میراث میں آئی ہے انھیں سندِ ارثا
 زاغوں کے تصرف میں عقابوں کے نشمن!

ہارون کی آخری نصیحت

ہارون نے کہا وقتِ رحیل اپنے پسرے
 جاتے گا کبھی تو بھی اسی راہ کزر سے

۲۹۴
 بالِ حبریل
 ۱۴۲

پوشیدہ ہے کافر کی نظر سے ملک الموت
لیکن نہیں پوشیدہ مسلمان کی نظر سے

ماہر نفسیات سے

جُرأت ہے تو افکار کی دنیا سے لزر جا
ہیں محسوس خودی میں ابھی پوشیدہ جزیرے
کھلتے نہیں اس قلزمِ خاموش کے سرا
جب تک تو اسے ضربِ کلیمی سے نہ چھیے

یورپ

تاک میں بیٹھے ہیں ہڈتے کے یہودی سُود خوا
جن کی رُو باہی کے آگے ہیج ہے زور پلنگ
خود بخود کرنے کو ہے پتے ہوتے پھل کی طرح
دیکھیے پڑتا ہے آگر کس کی جھولی میں فرنگ!

(ماخوذ از نطشہ)

۲۹۷
بالِ ہبیلی
۱۷۳

آزادی افکار

جو دُوبنی فطرت سے نہیں لائق پرواز
 اُس مُرخاب بیچارہ کا انجم سے افتاد
 ہر سینہ نشین نہیں جب ریل امیں کا
 ہر فنک نہیں طائر فردوس کا صیاد
 اُس قوم میں ہے شوخی اندیشہ خطرناک
 جس قوم کے اندر ہوں ہر بند آزاد
 کونکر خدا داد سے روشن ہے زمانہ
 آزادی انکار ہے ایسی کی ایجاد

شیر اور چمچ

شیر
 ساکنانِ دشت و صحرا میں ہے تو سب سے لگ
 کون ہیں تیرے آب و جد کس قبیلے سے ہے تو؟

۲۹۸
 بالِ ہبریل
 ۱۶۲

خچر

میرے ماموں کو نہیں پہچانتے شاید حضور
وہ صبار فقار، شاہی اہل کسب کی ابرو!

(ماخوذ از جرمن)

پیونٹی اور عقاب

پیونٹی

نہیں پاتھ سال و نوار و پریشان درو مند
تیرا مست کام کیوں ہے ستاروں سے بھی بلند؟

عقاب

تو رزق اپنا ڈھونڈتی ہے خاکِ راہ میں
نہیں نہ سپر کو نہیں لاتا نگاہ میں!

۲۹۹
بالِ مہربان
۱۴۵

قطعہ

فطرت مری مانند سیم سحری ہے
 رفتار ہے میری کبھی آہستہ کبھی تیز
 پہناتا ہوں اسلس کی قبلا لالہ و گل کو
 کرتا ہوں سحر سحر کو سوزن کی طرح تیز

قطعہ

گل اپنے مُردوں سے کہا پیر معاں نے
 قیمت میں یہ عیسیٰ ہاؤر ناس سے چند
 زہر اے اُس قوم کے حق میں سے افرنگ
 جس قوم کے بچے نہیں خود دار و بے سند



۵۰۰
 بالِ جبریل
 ۱۶۶

ضربِ کلیم

یعنی

اعلانِ جنگ، دورِ حاضر کے خلاف

اقبال

۵۰۱
ضربِ کلیم

ضرب کلیم

افکار نامہ

اعلیٰ ترین خیال زمانہ ہر کاغذ
(پیشکش)

۵۰۲
ضرب کلیم

۲



نہیں متام کی خوگر طبیعت آزاد
ہوا سے سیرِ مشال نسیم پیدا کر
ہزار چشمہ تیرے سناں اسے چھوٹے
خووی میں ڈوب کے ضربِ کلیم پیدا کر



۵۰۳
ضربِ کلیم

۲



حیدر نے جو زندگی گزارنا چاہا وہ اللہ
بے ادب و بے ایمان اور کفر کا گھر بنا لیا۔

صفحہ اول

جس نے اپنے لیے جہنم کا بیج بکھیرا
وہ خود جہنم میں جائے گا۔

سیدنا خلیفہ نے طلبِ علم کے لیے
میں دل دیا اور علم کے لیے
نظر دیا اور علم کے لیے

نظر دیا اور علم کے لیے
نظر دیا اور علم کے لیے

۵۰۴
ضربِ کلیم
۲

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

فہرست

- * اعلیٰ حضرت نواب رحیمیہ اللہ خاں
فرماں روا تے بھوپال کی خدمت میں
۵۲۱/۲۱
- * ناظرین سے
۵۲۲/۲۲
- * تہیہ
۵۲۳/۲۳

اسلام اور سلمان

۵۲۵/۲۵

صبح

۵۲۶/۲۶

لا الہ الا اللہ

۵۲۷/۲۷

۳ تن بہ تفسیر

۵۲۸/۲۸

۵۰۵
ضرب کلیم

۵۲۹/۲۹	معراج	۴
۵۳۰/۳۰	ایک فلسفہ زدہ سیدزاوے کے نام	۵
۵۳۱/۳۱	زمین و آسمان	۶
۵۳۲/۳۲	مسلمان کا زوال	۷
۵۳۲/۳۲	علم و عشق	۸
۵۳۲/۳۲	حقیقت و حجب	۹
۵۳۲/۳۲	شکر و شکایت	۱۰
۵۳۵/۳۵	ذکر و نکر	۱۱
۵۳۶/۳۶	ملائے حسم	۱۲
۵۳۶/۳۶	تقدیر	۱۳
۵۳۶/۳۶	توحید	۱۴
۵۳۸/۳۸	علم اور دین	۱۵
۵۳۸/۳۸	ہندی مسلمان	۱۶
۵۳۹/۳۹	ازادہ شمشیر کے اعلان پر	۱۷

۵۰۶
ضرب کلیم
۶

۵۴۰/۴۰

۵۴۱/۴۱

۵۴۲/۴۲

۵۴۳/۴۳

۵۴۳/۴۳

۵۴۴/۴۴

۵۴۵/۴۵

۵۴۶/۴۶

۵۴۷/۴۷

۵۴۸/۴۸

۵۴۹/۴۹

۵۵۰/۵۰

۵۵۰/۵۰

۵۵۱/۵۱

۱۸ جہاد

۱۹ قوت اور دین

۲۰ فقہ و ملکیت

۲۱ اسلام

۲۲ حیاتِ ابدی

۲۳ سلطانی

۲۴ صوفی سے

۲۵ افرنا زوہ

۲۶ تصوف

۲۷ چندی اسلام

۲۸ غزل (دل مُردہ دل نہیں ہے اسے زندہ کرو بارہ)

۲۹ ہنسیا

۳۰ نسا

۳۱ وحی

۵۰۷
ضربِ کلیم

۵۵۱/۵۱	شکت	۳۲
۵۵۲/۵۲	عمتِ رسول و اول	۳۳
۵۵۲/۵۲	مستی کروار	۳۴
۵۵۳/۵۳	قبر	۳۵
۵۵۴/۵۴	فتنہ کی چھپان	۳۶
۵۵۵/۵۵	فتنہ	۳۷
۵۵۶/۵۶	مردانِ حُندا	۳۸
۵۵۶/۵۶	کافر و مومن	۳۹
۵۵۶/۵۶	مہدی برحق	۴۰
۵۵۸/۵۸	مومن	۴۱
۵۵۹/۵۹	محمد علی باب	۴۲
۵۵۹/۵۹	تقدیر	۴۳
۵۶۱/۶۱	اے روحِ محمد ﷺ	۴۴
۵۶۱/۶۱	مذہبیتِ اسلام	۴۵

۵۰۸
ضربِ کلیم

۸

۵۶۲/۴۲	امامت	۴۶
۵۶۳/۴۳	ففترو راہی	۴۷
۵۶۴/۴۴	غزل (تیری متاع حیات علم پھنس کر نور)	۴۸
۵۶۵/۴۵	تسلیم و رضا	۴۹
۵۶۶/۴۶	منگت تہ توحید	۵۰
۵۶۷/۴۷	الہام اور ازادی	۵۱
۵۶۸/۴۸	جان و تن	۵۲
۵۶۸/۴۸	لاہور و کراچی	۵۳
۵۶۹/۴۹	نبوت	۵۴
۵۷۰/۵۰	اوم	۵۵
۵۷۰/۵۰	گلد اور جنیوا	۵۶
۵۷۱/۵۱	ایسے پیر حرم	۵۷
۵۷۲/۵۲	مہدی	۵۸
۵۷۳/۵۳	مروسلماں	۵۹

۵۰۹
ضرب کلیم

۹

۵۷۲/۲۲	پنجابی مسلمان	۶۰
۵۷۵/۲۵	آزادی	۶۱
۵۷۵/۲۵	اشاعتِ اسلام فرنگستان میں	۶۲
۵۷۶/۲۶	لا و الا	۶۳
۵۷۷/۲۷	اُمراءِ عرب سے	۶۴
۵۷۷/۲۷	احکامِ الہی	۶۵
۵۷۸/۲۸	موت	۶۶
۵۷۹/۲۹	فِشْمِ بَاذِنِ اللہ	۶۷

تعلیم و تربیت

۵۸۱/۳۱		
۵۸۲/۳۲	مقصود	۱
۵۸۳/۳۳	زمانہ حاضر کا انسان	۲
۵۸۳/۳۳	اقوامِ شرق	۳
۵۸۳/۳۳	آگاہی	۴

۵۱۰
ضربِ کلیم
۱۰

۵۸۲/۸۲	۵	مصلحین مشرق
۵۸۵/۸۵	۶	مغربی تہذیب
۵۸۵/۸۵	۷	اسرارِ پتہ
۵۸۶/۸۶	۸	سلطان ٹیپو کی وصیت
۵۸۷/۸۷	۹	غزل (نہ میں اچھی نہ ہندی، نہ عراقی و حجازی)
۵۸۸/۸۸	۱۰	بیسداری
۵۸۸/۸۸	۱۱	خودی کی تربیت
۵۸۹/۸۹	۱۲	آزادی منکر
۵۸۹/۸۹	۱۳	خودی کی زندگی
۵۹۰/۹۰	۱۴	حکومت
۵۹۱/۹۱	۱۵	ہندی مکتب
۵۹۲/۹۲	۱۶	تربیت
۵۹۳/۹۳	۱۷	خوب و زشت
۵۹۳/۹۳	۱۸	مرکبِ خودی

۵۹۴/۹۴	مہمان عزیز	۱۹
۵۹۴/۹۴	عصر حاضر	۲۰
۵۹۵/۹۵	طالب علم	۲۱
۵۹۵/۹۵	آتحان	۲۲
۵۹۶/۹۶	مدرسہ	۲۳
۵۹۷/۹۷	حکیم نطشہ	۲۴
۵۹۷/۹۷	اساتذہ	۲۵
۵۹۸/۹۸	غزل (بے گامنزل مقصود کا اسی کو سراغ)	۲۶
۵۹۹/۹۹	دین و تعلیم	۲۷
۶۰۰/۱۰۰	جاوید سے	۲۸
۶۰۳/۱۰۳	عورت	
۶۰۴/۱۰۴	مرد و فرزند	۱
۶۰۴/۱۰۴	ایک سوال	۲

۵۱۲
ضرب کلیم
۱۲

۶۰۵/۱۰۵	۳	پرودہ
۶۰۵/۱۰۵	۴	حشوت
۶۰۶/۱۰۶	۵	عورت
۶۰۶/۱۰۶	۶	ازادہ نسواں
۶۰۶/۱۰۶	۷	عورت کی حفاظت
۶۰۸/۱۰۸	۸	عورت اور تعلیم
۶۰۹/۱۰۹	۹	عورت

ادبیات، فنون لطیفہ

۶۱۱/۱۱۱	۱	دین و ہنر
۶۱۲/۱۱۲	۲	تخلیق
۶۱۳/۱۱۳	۳	جسٹس
۶۱۴/۱۱۴	۴	اپنے شہر سے
۶۱۵/۱۱۵	۵	پیرس کی مسجد

۵۱۳
ضرب کلیم
۱۳

۶۱۵/۱۱۵	۶	ادبیات
۶۱۶/۱۱۶	۷	نگاہ
۶۱۷/۱۱۷	۸	مسجدِ قوتِ الاسلام
۶۱۸/۱۱۸	۹	تیار
۶۱۹/۱۱۹	۱۰	شعاعِ اُمید
۶۲۲/۱۲۲	۱۱	اُمید
۶۲۳/۱۲۳	۱۲	نگاہِ شوق
۶۲۴/۱۲۴	۱۳	اہلِ شہرے
۶۲۵/۱۲۵	۱۴	غزل (دریا میں موتی، اے موج بے باک!)
۶۲۶/۱۲۶	۱۵	وجود
۶۲۶/۱۲۶	۱۶	سرود
۶۲۷/۱۲۷	۱۷	نسیم و شبنم
۶۲۸/۱۲۸	۱۸	احرامِ مصر
۶۲۹/۱۲۹	۱۹	مخلوقاتِ شہر

۵۱۲
ضربِ کلیم
۱۲

۶۳۰/۱۳۰	۲۰	اقبال
۶۳۰/۱۳۰	۲۱	فنون لطیفہ
۶۳۱/۱۳۱	۲۲	صبح حسن
۶۳۲/۱۳۲	۲۳	حناقانی
۶۳۳/۱۳۳	۲۴	رومی
۶۳۳/۱۳۳	۲۵	جست
۶۳۴/۱۳۴	۲۶	مرزا بیگل
۶۳۵/۱۳۵	۲۷	جلال و جمال
۶۳۵/۱۳۵	۲۸	مصوّر
۶۳۶/۱۳۶	۲۹	سرو و حلال
۶۳۷/۱۳۷	۳۰	سرو و حرام
۶۳۸/۱۳۸	۳۱	فقارہ
۶۳۸/۱۳۸	۳۲	شاعر
۶۳۹/۱۳۹	۳۳	شعر عجب

۵۱۵
ضرب کلیم
۱۵

۶۴۰/۱۴۰	۳۴	نہن سروران چند
۶۴۱/۱۴۱	۳۵	مرد بزرگ
۶۴۲/۱۴۲	۳۶	عالم نو
۶۴۲/۱۴۲	۳۷	ایجاب و معانی
۶۴۳/۱۴۳	۳۸	موسیقی
۶۴۳/۱۴۳	۳۹	ذوق نظم
۶۴۴/۱۴۴	۴۰	شعر
۶۴۴/۱۴۴	۴۱	رقص و موسیقی
۶۴۵/۱۴۵	۴۲	ضابطہ
۶۴۵/۱۴۵	۴۳	رقص

سیاسیات مشرق و مغرب

۶۴۶/۱۴۶

۶۴۸/۱۴۸

۶۴۹/۱۴۹

۱	اشترکیت
۲	کارل مارکس کی آواز

۵۱۶
ضرب کلیم
۱۶

۶۴۹/۱۴۹	انتخاب	۴
۶۵۰/۱۵۰	خوشامد	۴
۶۵۰/۱۵۰	مناصب	۵
۶۵۱/۱۵۱	یورپ اور یہود	۶
۶۵۲/۱۵۲	نفسیاتِ اسلامی	۷
۶۵۳/۱۵۳	بلشویک روس	۸
۶۵۳/۱۵۳	اج اور کل	۹
۶۵۴/۱۵۴	شرق	۱۰
۶۵۴/۱۵۴	سیاستِ افغانک	۱۱
۶۵۵/۱۵۵	خواجگی	۱۲
۶۵۵/۱۵۵	عسلاہوں کے لیے	۱۳
۶۵۶/۱۵۶	اہل مصر کے	۱۴
۶۵۷/۱۵۷	ابی سینیا	۱۵
۶۵۸/۱۵۸	ابیس کا فرمان اپنے سیاسی فرزندوں کے نام	۱۶

۵۱۷
ضربِ کلیم
۱۷

۶۵۹/۱۵۹	جمعیت اقوام مشرق	۱۷
۶۶۰/۱۶۰	سلطانی جاوید	۱۸
۶۶۰/۱۶۰	جمہوریت	۱۹
۶۶۱/۱۶۱	یورپ اور شوریا	۲۰
۶۶۱/۱۶۱	سولینی	۲۱
۶۶۳/۱۶۳	گد	۲۲
۶۶۳/۱۶۳	انتداب	۲۳
۶۶۴/۱۶۴	لاوین سیاست	۲۴
۶۶۵/۱۶۵	وام تہذیب	۲۵
۶۶۶/۱۶۶	نصیحت	۲۶
۶۶۷/۱۶۷	ایک نگرہی قزاق اور سکندر	۲۷
۶۶۸/۱۶۸	جمعیت اقوام	۲۸
۶۶۸/۱۶۸	شام و فلسطین	۲۹
۶۶۹/۱۶۹	سیاسی میٹوا	۳۰

۵۱۸
ضرب کلیم
۱۸

۶۶۹/۱۶۹	نفسیاتِ خلاصی	۳۱
۶۷۰/۱۷۰	عسلاصوں کی نسا	۳۲
۶۷۱/۱۷۱	فلسطینی عرب سے	۳۳
۶۷۲/۱۷۲	شرق و مغرب	۳۴
۶۷۲/۱۷۲	نفسیاتِ عالمی	۳۵
۶۷۳/۱۷۳	محراب گل افغان کے افکار	
۶۷۴/۱۷۴	میرے کستاں! تجھے چھوڑ کے جاؤں کساں	۱
۶۷۵/۱۷۵	حقیقتِ ازلی ہے رقابتِ اقوام	۲
۶۷۶/۱۷۶	ترمی و عاصی قضیے سا تو بدل نہیں سکتی	۳
۶۷۶/۱۷۶	کیا چسرخ کج رو، کیا مسز کیا ماہ	۴
۶۷۸/۱۷۸	یہ بدر یہ لکھنیل، یہ غوغائے روارو	۵
۶۷۹/۱۷۹	جو عالم ایجاد میں ہے صاحبِ ایجاد	۶
۶۸۰/۱۸۰	رومی بدلے، شامی بدلے، بدلا ہندستان	۷

- ۶۸۱/۱۸۱ زراغ کست ہے نہایت بد نما ہیں تیرے پر ۸
- ۶۸۲/۱۸۲ عشق طہینت میں مندر و مایہ نہیں شل ہوس ۹
- ۶۸۳/۱۸۳ وہی جواں ہے قبیلے کی اٹھ کا تارا ۱۰
- ۶۸۴/۱۸۴ جس کے پر تو سے منور رہی تیری شب ووش ۱۱
- ۶۸۴/۱۸۴ لا دینی و لاطینی، کس پیچ میں الجھاٹو! ۱۲
- ۶۸۵/۱۸۵ مجھ کو تو یہ دنیا نظر آتی ہے دلوں ۱۳
- ۶۸۶/۱۸۶ بے جبر آستینہ اندازہ عرش ہے باہی ۱۴
- ۶۸۶/۱۸۶ ادم کا ضمیر اس کی حقیقت پہ شاہ ۱۵
- ۶۸۶/۱۸۶ قوموں کے لیے موت ہے مرکز سے جدائی ۱۶
- ۶۸۸/۱۸۸ آگ اس کی پھونک دیتی ہے برنا و پیر کو ۱۷
- ۶۸۹/۱۸۹ پینکت خوب کہا شیر شاہ سُوری نے ۱۸
- ۶۹۰/۱۹۰ نگاہ وہ نہیں جو سرخ و زر و پھانے ۱۹
- ۶۹۱/۱۹۱ فطرت کے مقاصد کی کرتا ہے نجبانی ۲۰



۵۲۰
ضربِ کلیم

اعلیٰ حضرت نواب محمد اللہ خاں خانہ بہار
کی خدمت میں

زمانہ با اُمم ایشیا چہ کر دو گند

کسے نہ بود کہ اسیں داستان فرو خواند

تو صاحب نظر می آنچه در سیرین است

دل تو بسند و اندیشہ تو می داند

بگمراں ہمہ ساریہ سار از من

کہ گل بدست تو از شاخ تازہ بر ماند

۵۲۱
ضرب کلیمہ
۲۱

ناظرین سے

جب تک نہ زندگی کے حقائق پہ چوڑی نظر
تیرا زُجاج ہونے کے گاہر عینِ سنگ
یہ زورِ دست و ضربتِ کاری کل سے مقام
میدانِ جنگ میں نہ طلب کرو اسے چنگ
خونِ دل و جگر سے ہے ملتا یہ حیات
فطرتِ لہو ترنگ ہے عن فلانہ حل ترنگ



۵۲۲
ضربِ کلیم
۲۲

تہیہ



نہ دیر میں نہ حرم میں خودی کی بیداری
 کہ حاوراں میں ہے قوموں کی رُوح تریاکی
 اگر نہ سہل ہوں تجھ پر زمین کے ہنگامے
 بُری ہے سستی اندیشہ ہائے افلاکی
 تری نجات عنہم مرگ سے نہیں ممکن
 کہ تو خودی کو سمجھتا ہے سیکر خاکی
 زمانہ اپنے حواوش چھپا نہیں سکتا
 ترا حجاب ہے قلب و نظر کی ناپاکی

۵۲۳
 ضربِ کلیمہ
 ۲۳

عطا ہوا حسن و خاشاکِ ایشیا مجھ کو
کہ میرے شعلے میں ہے سرکشِ و بے باکی!



ترکِ نساہ ہے قبیلِ اہلس آرائی
اگرچہ تو ہے مثالِ زمانہ کم پیوند
جو لوگ نساہ کے ٹوکر تھے ان عنسیوں کو
ترمی نوا نے دیا ذوقِ بندہ ہلے بلند
تڑپ سے ہیں فضا ہلے سیکوں کے لیے
وہ پر شکستہ کہ صحنِ سار میں تھے خورند
ترمی سزا ہے نوا کے سحر سے محرومی
مقامِ شوق و سرور و نطن سے محرومی

۵۲۲

ضربِ کلیم

۲۲

اسلام اور مسلمان

۵۲۵
ضربِ کلیم
۲۵

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

صُحُب

یہ سب جو کبھی فرواے کبھی ہے امروز
نہیں معلوم کہ ہوتی ہے کہاں سے پیدا
وہ سحر جس سے لرزتا ہے شبستانِ جو
ہوتی ہے بندۂ مومن کی ازاں سے پیدا

* بھوپال (شیش محل) میں بکتے گئے

۵۲۶
ضربِ کلیم
۲۶

لا اِلهَ اِلَّا اللهُ

خودی کا سِرِّ نہاں لا اِلهَ اِلَّا اللهُ
 خودی ہے تیغ، فساں لا اِلهَ اِلَّا اللهُ
 یہ دور اپنے براہِ سیم کی تلاش میں ہے
 صنم کدہ ہے جہاں، لا اِلهَ اِلَّا اللهُ
 کیا ہے تُو نے متاعِ عنبرور کا سودا
 فریبِ سود و زیاں، لا اِلهَ اِلَّا اللهُ
 یہ مال و دولتِ دنیا، یہ رشتہ و پیوند
 بُتانِ وہم و گمان، لا اِلهَ اِلَّا اللهُ
 خرد ہوتی ہے زمان و مکاں کی زنجاری
 نہ ہے زماں نہ مکاں، لا اِلهَ اِلَّا اللهُ

یہ عنہ فصلِ گل و لالہ کا نہیں پاسبند
 بہار ہو کہ خیزاں، لا الہ الا اللہ
 اگرچہ بُت ہیں جماعت کی استینوں میں
 مجھے ہے حکمِ ازاں، لا الہ الا اللہ

تن بہ تقدیر

اسی قرآن میں ہے اب ترکِ جہاں کی تسلیم
 جس نے مومن کو بنایا مسہ و پرویں کا ایسر
 تن بہ تقدیر ہے آج ان کے عمل کا انداز
 تھی نہاں جن کے ارادوں میں خدا کی تقدیر
 تھا جو تا خوب بتدیج وہی خوب نہوا
 کہ غلامی میں بدل جاتا ہے قوموں کا ایسر



۵۲۸
 ضربِ کلیم
 ۲۸

معراج

دے ولولہ شوق جسے لذت پرواز
 کر سکتا ہے وہ ذرہ مرہو سر کو تاراج
 مشکل نہیں یارانِ حسنِ معراج
 پوز اگر چہ نفسِ سیدِ معراج
 ناول سے سلمان برف اس کا شہ تیا
 ہے سرِ سر ابروہ جان نکلتے معراج
 تو معنی و انجسب نہ سمجھا تو عجیب کیا
 تے تیر اند و جزا بھی چاند کا مستاج



ایک فلسفہ زدہ سید اوسے کے نام

تو اپنی خودی اگر نہ کھوتا
 ہنگام کا صدف گہرے خالی
 محکم کیسے ہو زندگانی
 آدم کو ثبات کی طلب ہے
 دنیا کی عشا چوبیس اشراق
 میں اصل کا خاص سوسناتی
 تو سید ہاشمی کی اولاد
 نے فلسفہ میرے آب و گل میں
 اقبال اگرچہ بے ہنر ہے
 شعلہ ہے تیرے جنوں کا بے سوز
 انجام خسرو ہے بے حضوری
 افکار کے نغمہ ہائے بے صوت
 زنگاری برکساں نہ ہوتا
 ہے اس کا طلسم سب خیالی
 کس طرح خودی چو لازمانی
 دستور حیات کی طلب ہے
 مومن کی اواں نبدائے آفاق
 اب امرے لاتی و سناتی
 میری کفن خاک برہمنزاد
 پوشیدہ سے ریشہ ٹائے دل میں
 اس کی رل رل سے باخبر ہے
 سن مجھ سے نیچتہ دل افزو
 ہے فلسفہ زندگی سے فوری
 ہیں فوق عمل کے واسطے موت

۵۳۰
ضربِ کلیم
۳۰

دیں مسکابِ زندگی کی تقویم
دیں سیرِ محمدؐ و براءِ سیم

دل و سخنِ مستدی بند
اے پورِ عشقِ زبوعلی چند

چوں دیدۂ راہ ہیں نداری
قایدِ شری بہ از بخاری

زمین و آسماں

ممکن ہے کہ تُو جس کو سمجھتا ہے بہاراں
اوروں کی نگاہوں میں وہ موسمِ ہونخراں کا
ہے سلسلہ احوال کا ہر لحظہ سرور و لڑکوں
اے سالک رہ بانگ نہ کر سو و و زیاں کا
شاید کہ زمین ہے یہ کسی اور جہاں کی
تُو جس کو سمجھتا ہے فلک اپنے جہاں کا!

* فارسی اشعارِ حکیم خاقتانی کی تحفۃ العراقرین سے ہیں

۵۳۱
ضربِ کلیم
۳۱

مسلمان کا زوال

اگرچہ زر بھی جہاں میں ہے قاضی الحاجات
 جو فقر سے ہے میسر، تو نکری سے نہیں
 اگر جواں ہوں مری قوم کے جنور و غنیور
 قلندری مری کچھ کم سکندری سے نہیں
 سب کچھ اور ہے، تو جس کو خود سمجھتا ہے
 زوال بندہ مومن کا بے زری سے نہیں
 اگر جہاں میں مرا جوہر اسٹکار ہوا
 قلندری سے ہوا ہے، تو نکری سے نہیں

علم و عشق

علم نے مجھ سے کہا عشق ہے دیوانہ پن
 عشق نے مجھ سے کہا علم ہے تخمین وطن

۵۳۲

ضرب کلیم

۳۲

بندۂ نغمین وطن! اکرم کتابی نہ بن
 عشق سراپا حضور، علم سراپا حجاب!
 عشق کی گرمی سے ہے سرکہ کائنات
 علم مستام صفات، عشق تماشائے فوات
 عشق سکون و ثبات، عشق حیات و ممات
 علم سے پیدا سوال، عشق سے پہاں جواب!
 عشق کے ہیں معجزات سلطنت و فقر و دین
 عشق کے ادنیٰ عن سلام صاحب تاج و نگیں
 عشق مکان و مکین، عشق زمان و زمیں
 عشق سراپا یقین، اور یقین مستحباب!
 شرع محبت میں ہے عشرت منزل حرام
 شور شر طوفاں حلال، لذت ساحل حرام
 عشق پہ جہلی حلال، عشق پہ حاصل حرام
 علم ہے ابن الکتاب، عشق ہے ام الکتاب!

۵۳۳

ضرب کلیم

۳۳

اجتہاد

ہند میں حکمت دین کوئی کہاں سے سیکھے
 نہ کہیں لذت کروار، نہ افکار عمیق
 حلقہ شوق میں وہ جرات اندیشہ کہاں
 اہ محکومی تفت لید و زوال تحقیق!
 خود بدلتے نہیں قرآن کو بدل دیتے ہیں
 ہوتے کس درجہ فقہیان حرم بے توفیق!
 ان علاموں کا یہ سلک ہے کہ ناقص ہے کتاب
 کہ کھاتی نہیں مومن کو غلامی کے طریق!

شکر و شکرگاہیت

میں بندہ نادان ہوں مگر شکر ہے تیرا
 رکھتا ہوں نہاں خانہ لاہوت سے پیوند

۵۳۲
 ضرب کلیم
 ۳۲

اک ولولہ تازہ دیا میں نے دلوں کو
 لاہور سے تا خاکِ بخارا و سمرقند
 تاثیر ہے یہ میرے نفس کی کہ خزان میں
 مرخانِ سخنِ مری صحبت میں ہیں خورسند
 لیکن مجھے پیدا کیا اُس ویس میں تو نے
 جس ویس کے بندے ہیں سلامی پہ ضامنہ!

ذکر و فکر

یہ ہیں سب ایک ہی سالک کی جستجو کے مقام
 وہ جس کی شان میں آیا ہے عظمِ الاسماء
 مقامِ ذکر، کمالاتِ رومی و عطار
 مقامِ فکر، مقالاتِ بوعلی سینا
 مقامِ فکر ہے پیمائشِ زمان و مکان
 مقامِ ذکر ہے سبحان ربی الاعلیٰ

۵۳۵
 ضربِ کلیم
 ۳۵

ملائے حرم

عجب نہیں کہ خدا تک تری رسائی ہو
 تری رنگہ سے ہے پوشیدہ آدمی کا مقام
 تری نماز میں باقی جلال ہے، نہ جمال
 تری اداں میں نہیں ہے مری خسرو کا پیام

تقدیر

نا اہل کو حاصل ہے کبھی قوت و جبروت
 ہے خوار زمانے میں کبھی جو ہر ذاتی
 شاید کوئی منطق ہو نہاں اس کے عمل میں
 تقدیر نہیں تابع منطق نظنراتی
 ہاں، ایک حقیقت ہے کہ معلوم ہے سب کو
 تاریخ اعمم جس کو نہیں ہم سے چھپاتی

۵۳۶
 ضرب کلیم
 ۳۶

مہر لخط ہے قوموں کے عمل پر نظر اس کی
بڑاں صفت تیغ دوپیکر نظر اس کی!

توحید

زندہ قوم تھی جہاں میں ہی توحید کبھی
آج کیا ہے، فقط الٰہ ستلہ علم کلام
روشن اس ضو سے الرظلمت کروار نہ ہو
خود سماں سے ہے پوشیدہ مسلمان کا مقام
نہیں نے اے میر سپہ تیری سپہ دہی ہے
نقل ہوا اللہ کی شمشیر سے خالی ہیں نیام
اے! اس از سے اقب ہے نہ تلاء، فہقتیہ
وحدت افکار کی بے وحدت لڑا ہے خام
قوم کیا چیز ہے قوموں کی امامت کیا ہے
اس کو کیا سمجھیں یہ بیچارے دور کھتے امام!

۵۲۷
ضرب کلیم
۳۷

علم اور دین

وہ علم اپنے بتوں کا ہے آپ ابراہیم
 کیا ہے جس کو خدا نے دل و نطق کا ندیم
 زمانہ ایک حیات ایک کائنات بھی ایک
 دلیل کم نطق سری قصہ جدید و قدیم
 چمن میں تربیت غنچہ چو نہیں سکتی
 نہیں ہے قطرہ شبنم اگر شرمایا نسیم
 وہ علم کم بصیرت جس میں حملنا نہیں
 تجلیات کلیم و مشاہدات کلیم!

چند میسلمان

خدا و وطن اس کو بتاتے ہیں برہمن
 انگریز سمجھتا ہے مسلمان کو کداگر

۵۳۸
 ضرب کلیم
 ۳۸

پنجاب کے اربابِ نبوت کی شریعت
 کہتی ہے کہ یہ مومنین پارسی نہ ہے کافر
 آوازِ حق اٹھتا ہے کب اور کدھر سے
 مسکین و لکم ماندہ دریں شکمش اندر!

ازادی شمشیر کے اعلان پر

سوچا بھی ہے اسے مردِ مسلمان کبھی تو نے
 کیا چیز ہے فولاد کی شمشیر حکمروار
 اُس بیت کا یہ مصرعِ اول ہے کہ جس میں
 پوشیدہ چلے آتے ہیں توحید کے اسرار
 ہے منکر مجھے مصرعِ ثانی کی زیادہ
 اللہ کرے تجھ کو عطا فقر کی تلوار
 قبضے میں یہ تلوار بھی آجاتے تو مومن
 یا حن الد جانبا ز ہے یا حیدر کزار

۵۲۹

ضربِ کلیم

۳۹

جہاد

فتویٰ ہے شیخ کا یہ زمانہ قلم کے
 دُنیا میں اب رہی نہیں تلوار کا رگ
 لیکن جناب شیخ کو معلوم کیا نہیں؟
 مسجد میں اب یہ وعظ ہے بے سو و بے اثر
 تیغ و تفتاک دستِ مسلمان میں ہے کہاں
 ہو بھی تو دل ہیں موت کی لذت سے بے خبر
 کافر کی موت سے بھی لڑتا ہو جس کا دل
 کہتا ہے کون اُسے کہ مسلمان کی موت مر
 تعلیم اُس کو چاہیے ترکِ جہاد کی
 دُنیا کو جس کے پنجہ خونیں سے ہو خطر
 باطل کے فال و فر کی حفاظت کے واسطے
 یورپ زرہ میں ڈوب گیا دوشن تا لمر

۵۲۰
 ضربِ کلیم
 ۲۰

ہم پوچھتے ہیں شیخ کلیم نواز سے
 مشرق میں جنگ شر ہے تو مغرب میں بھی ہے
 حق سے اگر عرض ہے تو زیبا سے کیا یہ بات
 اسلام کا محاسبہ یورپ سے درگزر!

قوت اور دین

اسکندر و چنگیز کے ہاتھوں سے جہاں میں
 سو بار ہوتی حضرت انساں کی قبا چاک
 تاریخ اُمم کا یہ پیام ازلی ہے
 صاحب نظراں بنیشتہ قوت سے خطرناک
 اس سیل سبک سیر و زمین کیسے کے اس کے
 عقل و نظر و علم و ہنس رہیں جس خاشاک
 لاویں جو تو ہے زہر ہلاہل سے بھی بڑھ کر
 جو دین کی حفاظت میں تو ہر زہر کا تریاک

فقر و ملوکیت

فقر جنگاہ میں بے ساز و یراق آتا ہے
 ضرب کاری ہے اگر سینے میں ہے قلب سلیم
 اس کی بڑھتی ہوتی بے بالی و بے تابلی سے
 نازہ پر عہد میں سے قصہ فرعون و کلیم
 اب ترا دور بھی اپنے کو ہے افست غیور
 کھاکتی زور و سنرنگی کو ہواتے زور و سلیم
 عشق و ہستی نے کیا ضبط نفس مجھ پر حرام
 کہ کرہ غنچے کی کھلتی نہیں بے سورج نسیم



۵۲۲
 ضرب کلیم
 ۲۲

اسلام

روح اسلام کی ہے نورِ خودی، نارِ خودی
زندگانی کے لیے نارِ خودی نور و حضور
یہی چرچہ سب کی تقویم، یہی اصل نمود
گرچہ اس روح کو فطرت نے رکھا ہے مستور
لفظِ اسلام سے یورپ کو البرکد ہے تو خیر
دوسرا نام اسی دین کا ہے فقیرِ غیبیور!

حیاتِ ابدی

زندگانی ہے صدفِ قطرہ نسیاں ہے خودی
وہ صدف لیا کہ جو قطرے کو لہر کر نہ سکے
ہو اگر خود بگر و خود کر و خود کسیرِ خودی
یہ بھی ممکن ہے کہ تو موت سے بھی مر نہ سکے

سُلطانی

کے خیر کہ ہزاروں معتمد رکھتا ہے
 وہ فخر جس میں ہے بے پردہ روح قرآنی
 خودی کو جب نطنسراتی ہے قاہری اپنی
 یہی معتمد ہے کہتے ہیں جس کو سلطان
 یہی معتمد ہے مومن کی قوتوں کا عیا
 اسی معتمد سے اوم ہے نطل سبحانی
 جب بروقہر نہیں ہے یہ عشق دوستی ہے
 کہ جب بروقہر سے ممکن نہیں جہاں بانی
 لیا لیا ہے سلامی میں بستلا تجھ کو
 کہ تجھ سے ہونہ سکی فخر کی نگہبانی

❖ ریاض منزل (دولت کدہ سر اس سعود) بھوپال میں لکھے گئے

۵۲۲
 ضرب کلیم
 ۲۲

مِثَالِ مَاہِ چمکتا تھا جس کا دِاعِ سِجود
 حَریدی لی ہے فِ سُرنگی نے وہِ سِلمانی
 ہوا حَریفِ مہ و آفتابِ تُو جس سے
 رہی نہ تیرے ستاروں میں وہ دُرِ حِشانی

صُوفی سے

ترمی نگاہ میں ہے معجزات کی دنیا
 مری نگاہ میں ہے حادثات کی دنیا
 تختیلات کی دنیا غریب ہے لیدن
 غریب تر ہے حیات و ممات کی دنیا
 عجب نہیں کہ بدل دے اسے نگاہِ ترمی
 بظاہر ہی ہے تجھے ممکنات کی دنیا



آفرینانِ زودہ



ترا وجود سراپا تجسّنی انسرنگ
 کہ تو وہاں کے عمارت کروں کی ہے تعمیر
 مگر یہ پیکر خالی خودی سے ہے حسالی
 فقط پیام ہے تو، زرنکار و بے شمشیر!



ترمی نگاہ میں ثابت نہیں خدا کا وجود
 مری نگاہ میں ثابت نہیں وجود ترا
 وجود کیا ہے، فقط جوہر خودی کی نمود
 کہ اپنی منکر کہ جوہر ہے بے نمود ترا

۵۲۶
 ضربِ کلیم
 ۲۶

تصوف *

یہ حکمت ملکوتی، یہ عظیم لائوتی
 حرم کے درد کا درماں نہیں تو کچھ بھی نہیں
 یہ ذکرِ نیم شبی، یہ مراقبے، یہ سرور
 ترمی خودی کے نگہباں نہیں تو کچھ بھی نہیں
 یہ عتسلی جو مہ و پرویں کا کھیلتی ہے شکار
 شریکِ شورشِ پناہ نہیں تو کچھ بھی نہیں
 خرد نے کہہ بھی دیا لا الہ تو کیا حاصل
 دل و نگاہِ سماں نہیں تو کچھ بھی نہیں
 عجب نہیں کہ پریشاں ہے گفتگو میری
 فروغِ صبح پریشاں نہیں تو کچھ بھی نہیں

* ریاض منزل (دولت کدہ سرسبز سعود) بھوپال میں لکھے گئے

پہندی اسلام

ہے زندہ فقط وحدت افکار سے ملت
 وحدت ہو فنا جس سے وہ الہام بھی الحاد
 وحدت کی حفاظت نہیں بے قوت بازو
 اتنی نہیں کچھ کام یہاں عقل خدا
 اے مرد خدا! تجھ کو وہ قوت نہیں حاصل
 جا بیٹھ کسی عمار میں اللہ کو یاد
 سکینی و محکومی و نویسی جاؤ
 جس کا یہ تصوف چو وہ اسلام کر ایجاد
 ملا کو جو ہے ہند میں سجدے کی اجازت
 ناواں سمجھتا ہے کہ اسلام ہے آزاد



۵۲۸
 ضرب کلیم
 ۲۸

غزل

دل مردہ دل نہیں ہے، اسے زندہ کر دو بارہ
 کہ یہی ہے امتوں کے مرضِ کهن کا چارہ
 ترا بھر پُرسکوں ہے یہ سکوں ہے یا فسوں ہے؟
 نہ نہنگ ہے نہ طُوفان، نہ خرابی کنارہ!
 تو ضمیرِ آسماں سے ابھی آشنا نہیں ہے
 نہیں بے قرار کرتا تجھے عمرہ ستارہ
 ترے نیستیاں میں ڈالا مرے نغمہ بھرنے
 مری خال پے پیر میں جو نہاں تھا اک شرارہ
 نظر آتے گا اسی کو یہ جہانِ دوش و فردا
 جسے آگئی میسر مری شوخیِ نطنارہ



دنیا

مجھ کو بھی نظر آتی ہے یہ بوقلمونی
 وہ چاند، یہ تارا ہے، وہ پتھر، یہ نکلیں ہے
 دیتی ہے مری چشم بصیرت بھی یہ فتویٰ
 وہ کوہ، یہ دریا ہے، وہ کردوں، یہ زمیں ہے
 حق بات کو لیکن میں چھپا کر نہیں رکھتا
 تو ہے، تجھے جو کچھ نظر آتا ہے، نہیں ہے!

نماز

بدل کے بھیس پھر آتے ہیں ہر زمانے میں
 اگرچہ پیرے آدم، جوان ہیں لات و منات
 یہ ایک سجدہ جسے تو کراں سمجھتا ہے
 ہزار سجدے سے دیتا ہے آدمی کو نجات!

۵۵۰
 ضرب کلیم
 ۵۰

وَحْمِي

عقل بے مایہ امامت کی سزاوار نہیں
 راہبر ہو وطن و تخلص تو زبوں کار حیات
 فکر بے نور ترا، جذبِ عمل بے بنیاد
 سخت مشکل ہے کہ روشن ہو شبِ تاری حیات
 خوب و ناخوب غسل کی ہو کرہ و اکیونکر
 گر حیات آپ نہ ہو شارح اسرار حیات!

شکست

مجاہدانہ حرارت رہی نہ صوفی میں
 بہانہ بے غسل کا بنی شرابِ است

❁ ریاض منزل (دولت کدہ سر اس سعود) بھوپال میں لکھے گئے

فقیر شہر بھی زمینیت پہ ہے مجبور
 کہ معرکے ہیں شریعت کے جناب دست بدست
 کر پیر کشمکش زندگی سے، مردوں کی
 اگر شکست نہیں ہے تو اور کیا ہے شکست!

عقل و دل

ہر خاکی و نوری پہ حکومت ہے خرد کی
 باہر نہیں کچھ عقل حسد او کی زور سے
 عالم ہے عن سلام اس کے بدل ازل کا
 ال دل ہے کہ ہر لحظہ ابھتا ہے خرد سے

مستی کردار

صوفی کی طریقت میں فقط مستی احوال
 تلا کی شریعت میں فقط مستی کفار

۵۵۲
 ضرب کلیم
 ۵۲

شاعر کی نوا مُردہ و افسردہ و بے ذوق
 افکار میں سرست، نہ خوابیدہ نہ بیدار
 وہ مردِ مجاہدِ نطنسہ را تا نہیں مجھ کو
 ہو جس کے رک و پے میں فقط سستی کروا

قبر

مرد کا شبتاں بھی اُسے کس نہ آیا
 آرامِ تلندر کو تہِ خاک نہیں ہے
 خاموشیِ انداک تو ہے قبر میں لیکن
 بے قیدی و پہنائیِ افلاک نہیں ہے



۵۵۳
 ضربِ کلیم
 ۵۲

قلندر کی پہچان

کہتا ہے زمانے سے یہ درویش جواں مرو
 جاتا ہے جدھر بندہ حق، تو بھی اُدھر جا
 ہنکامے ہیں میرے تری طاقت سے زیادہ
 بچتا ہوا ہنکاہت قلندر سے کوزر جا
 میں کشتی و ملاح کا محتاج نہ ہوں گا
 چڑھتا ہوا دریا ہے اگر تو تو اتر جا
 توڑا نہیں جاؤ و مری تکبیر نے تیرا؟
 ہے تجھ میں مگر جانے کی جرأت تو مگر جا
 مہر و مہ و انجم کا محاسب ہے قلندر
 ایام کا مرکب نہیں، راکب ہے قلندر



۵۵۲

ضربِ کلیم

۵۲

فلسفہ

افکارِ جوانوں کے نحقی ہوں کہ جلی ہوں
 پوشیدہ نہیں مروتِ سندر کی نظر سے
 معلوم ہیں مجھ کو ترے احوال کہ میں بھی
 مدت ہوئی کزرا بھتا اسی راہ کزرا سے
 افسانہ کے پتوں میں اُبھتے نہیں دانا
 غواص کو مطلب ہے صدقے کہ لہر سے!
 پیدا ہے فقط حلفتِ ارباب جنوں میں
 وہ عفتل کہ پا جاتی ہے شعلے کو شر سے
 جس معنی چھپیدہ کی تصدیق کرے دل
 قیمت میں بہت بڑھ کے ہے تابندہ لہر سے
 یا مُردہ سے یا نزع کی حالت میں گرفت
 جو فلسفہ لکھا نہ کیا خونِ جگر سے

۵۵۵

ضربِ کلیم

۵۵

مردانِ خدا

وہی ہے بندۂ خُرجس کی ضرب ہے کاری
 نہ وہ کہ ضرب ہے جس کی تمام عیاری
 ازل سے فطرتِ احرار میں ہیں پوششِ بدوش
 قلندری و قبِ پوشی و کلمہ داری
 زمانہ لے کے جسے آفتاب کرتا ہے
 انھی کی خاک میں پوشیدہ ہے وہ چنگاری
 وجود انھی کا طوائفِ بتاں سے ہے ازاد
 یہ تیرے مومن و کافر تمام زقاری!

کافر و مومن

کل ساحلِ دریا پکچھ سے خضر نے
 تو ڈھونڈ رہا ہے سہمِ فرنگ کا تریاق؟

۵۵۶

ضربِ کلیم

۵۶

انگنٹے مے پاس ہے شمشیر کی مانند
 بترندہ و صیقل زدہ و روشن و براق
 کافر کی یہ چپان کہ افق میں لم ہے
 مومن کی یہ چپان کہ لم اس میں ہیں افق!

مہدی برحق

سب اپنے بنائے سوتے زنداں میں ہیں محبوس
 خاور کے ثوابت ہوں کہ افرنگ کے سید
 پیرانِ کلیسا ہوں کہ شیخانِ حرم ہوں
 نے جدتِ گفتار ہے نے جدتِ کردار
 ہیں اہل سیاست کے وہی لہنہ خم و پیچ
 شاعر اسی افلاسِ تختیل میں گرفتار
 دنیا کو ہے اس مہدی برحق کی ضرورت
 چوبیس کی زنجیر زلزلہ عالمِ افکار

۵۵۷

ضربِ کلیم

۵۷

مومن

(دُنیا میں)

ہو علمت تریاراں تو بریشم کی طرح نرم
 رزمِ حق و باطل ہو تو فولاد ہے مومن
 افدال سے ہے اس کی حریفانہ کشاکش
 خالی سے ملر نکال سے آزا ہے مومن
 چھتے نہیں لٹچٹک و حمام اس کی نظریں
 جبریل و سرافیل کا صیاد ہے مومن
 جنت میں

کہتے ہیں فرشتے کہ دل اویر ہے مومن
 حوروں کو شکایت ہے، کم امیر ہے مومن

✽ بھوپال (شیش محل) میں لکھے گئے

۵۵۸
 ضربِ کلیم
 ۵۸

محمد علی باب

تھی خوب حضورِ علیا باب کی تفسیر
 بیچارہ غلط پڑھتا تھا اعرابِ سموات
 اُس کی غلطی پر علیؑ سے تھے مشتعل
 بولا، تمہیں معلوم نہیں میرے مقامات
 اب میری امامت کے تصدیق میں ہیں آزاد
 مجھ سے تھے اعراب میں قرآن کے آیات!

تفسیر

(ابلیس و یزداں)

ابلیس

اے خدا کے کن فکان! مجھ کو نہ تھا آدم سے سیر
 آہ! وہ زندانی نزدیک و دور و دیر و زور

حرفِ استکبار تیرے سلسلے میں ممکن نہ تھا
ہاں مگر تیری مشیت میں نہ تھا میرا سجود

یرواں

کب کھلا تجھ پر یہ راز، انکار سے پہلے کہ بعد؟

ابلیس

بعد اے تیری جہنم سے کمالا توجو!

یرواں

(فرشتوں کی طرف دیکھ کر)

پستیِ فطرت نے سیکھلائی ہے یہ حجت لے
کہتا ہے تیری مشیت میں نہ تھا میرا سجود
وے رہا ہے اپنی ازاد می کو مجسومی کا نام
ظالم اپنے شعلہ سوزاں کو خود کہتا ہے دُود!

(ماخوذ از محی الدین ابن عربیؒ)



۵۶۰
ضربِ کلیم
۶۰

اے رُوحِ مُحَمَّد

شیرازہ چواتلتِ مرحوم کا ابر
 اب تو ہی بتا، تیرا مسلمان کدھر جائے!
 وہ لذتِ آشوب نہیں بحرِ عرب میں
 پوشیدہ جوئے مجھ میں وہ طوفان کدھر جائے
 چرچند ہے بے قافلہ و راحلہ و زرا
 اس کوہ و بیاباں سے خدیٰ خاں کدھر جائے
 اس راز کو اب فاش کر اے رُوحِ مُحَمَّد
 آیاتِ الہی کا تہنّب ان کدھر جائے!

مَدَنیتِ اسلام

بتاؤں تجھ کو سماں کی زندگی کیا ہے
 یہ ہے نہایتِ اندیشہ و کمالِ جنوں

طلوع ہے صفتِ آفتاب اس کا غروب
 یگانہ اور مثالِ زمانہ گونا گوں!
 نہ اس میں عصرِ رواں کی حیا ہے بے نزاری
 نہ اس میں عسکِ کبریا کے فسانہ و افسوں
 حقتِ اتقِ ابدی پر اساس ہے اس کی
 یہ زندگی ہے، نہیں ہے طلسمِ افلاطون!
 عناصرِ اس کے ہیں رُوحِ القُدس کا ذوقِ جمال
 عجم کا حسنِ طبعیت، عرب کا سوزِ زورون!

امامت

تو نے پوچھی ہے امامت کی حقیقت مجھے
 حق تجھے میری طرح صحابہؓ کے
 ہے وہی تیرے زمانے کا امامِ برحق
 جو تجھے حاضر و موجود ہے بے نزاری کے

۵۶۲
 ضربِ کلیم
 ۶۲

موت کے آتے ہیں تجھ کو دکھا کر رنج و دست
زندگی تیرے لیے اور بھی ڈشوار کرے
وے کے احساسِ زبیاں تیرا لہو کرے
فقت کی سان چڑھا کر تجھے تلوار کرے
فیتنہ ملت بیضا ہے امانت اُس کی
جو سماں کو سلاطین کا پرستار کرے!

فقر و راہبی

کچھ اور چیز ہے شاید تری مسلمانانی
تری نگاہ میں ہے ایک فہتروں رہبانی
سکوں پرستی راہب سے فقر ہے ہرینار
فقیر کا ہے سفینہ ہمیشہ طوفانی
پسند روح و بدن کی ہے و انمو اس
کہ ہے نہایت مومن خودی کی عیسانی

۵۶۳
ضربِ کلیم

۶۳

وجودِ صیرنی کائنات ہے اُس کا
 اُسے خبر ہے یہ باقی ہے اور وہ فانی
 اسی سے پوچھ کہ پیشِ نگاہ ہے جو کچھ
 جہاں ہے یا کہ فقط زمانِ بولی طُغیانی
 یہ فترتِ مردِ مسلمان لکھو دیا جسے
 رہی نہ دولتِ سلطانی و سلیمانی

غزل

تیری متاعِ حیاتِ علم و بہتِ کارِ سرور
 میری متاعِ حیاتِ ایک دلِ جاںسوز
 معجزۂ اہلِ منکر و سلفِ پیچ پیچ
 معجزۂ اہلِ ذکر، موسیٰ و عمرانِ طور
 مصلحتِ کہہ دیا میں نے مسلمانِ تجھے
 تیرے نفس میں نہیں، گرمیِ یومِ انشور

۵۶۲
 ضربِ کلیم
 ۶۲

ایک زمانے سے ہے چاک لریباں مرا
 تو ہے ابھی ہوش میں، میرے جنوں کا قصوہ!
 فیضِ نظر کے لیے ضبطِ سخن چاہیے
 حرفِ پریشاں نہ کہہ اہلِ نظر کے حضور
 خوارِ جہاں میں کبھی ہو نہیں سکتی وہ قوم
 عشقِ جو بس کا جنور، فقرِ جو بس کا غیور

تسلیم و رضا

ہر شاخ سے یہ نکتہ پھیلتا ہے پید
 پودوں کو بھی احساس ہے بہناے فضا کا
 ظلمتِ کدہ خاکِ پشاکر نہیں رہتا
 ہر لحظہ ہے دانے کو جنوں نشوونما کا
 فطرت کے تقاضوں پہ نہ کر راہِ عمل بند
 مقصود ہے کچھ اور ہی تسلیم و رضا کا

۵۶۵

ضربِ کلیم

۶۵

جُرات ہونو کی تو فضا تک نہیں ہے
اے مردِ خدا، ملکِ خدا تک نہیں ہے!

نکستہ توحید

بیاں میں نکستہ توحید تو سکتا ہے
ترے دماغ میں بت خانہ ہو تو کیا کہیے
وہ رمزِ شوق کہ پوشیدہ لا الہ میں ہے
طریقِ شیخ فقہیہا نہ ہو تو کیا کہیے
سرورِ جو حق و باطل کی کارزار میں ہے
تو حرب و ضرب سے بیگانہ ہو تو کیا کہیے
جہاں میں بندہ خُمر کے مشاہدات ہیں کیا
ترمی نگاہ عن لایمانہ ہو تو کیا کہیے
مقامِ فقہِ تریے کتنا بلند شایہ سے
روشِ کسی کی کدایانہ ہو تو کیا کہیے!

۵۶۶

ضربِ کلیم

۶۶

الہام اور آزادی

چوبندۂ آزاد اگر صاحبِ الہام
 ہے اس کی زندہ فکر و عمل کے لیے ہمیں
 اس کے نفسِ کرم کی تاثیر سے ایسی
 ہو جاتی ہے خالِ چمنستانِ شرر امیز
 شاہیں کی ادا ہوتی ہے بسل میں نمودار
 کس درجہ بدل جاتے ہیں مرغانِ سخن خیز!
 اُس مردِ خود آگاہ و خدا مست کی صحبت
 دیتی ہے گداؤں کو شوہِ جسم و پر ویز
 محکوم کے الہام سے اللہ پکارتے
 غارت گرا قوام ہے وہ ضرورتِ چنگیز



جان و تن

عقل مدت سے ہے اس پچاک میں الجھی ہوئی
 روح کس جوہر سے خاک تیرہ کس جوہر سے ہے
 میری مشکل ہستی و شور و سرور و درد و داغ
 تیری مشکل سے ہے سانگہ و ساغر سے ہے
 اربابِ حرف و معنی، خست لاطِ جان و تن
 جس طرح آنگر قبا پوش اپنی خاکستر سے ہے!

لاہور و کراچی

نظرِ اللہ پہ رکھتا ہے مسلمانِ غیور
 موت کیا شے ہے، فقط عالمِ معنی کا سفر
 ان شہیدوں کی ویت اہلِ کلیا سے نہ مانگ
 قدر و قیمت میں ہے خون جن کا حرم سے بڑھ کر

۵۶۸

ضربِ کلیم

۶۸

آہ، اے مردِ مسلمان تجھے کیا یاد نہیں
حرفِ 'لا تَدْعُ مَعَ اللَّهِ إِلَهًا آخَرَ'

نبوت

میں نہ عارف، نہ مجتہد، نہ محدث، نہ فقیہ
مجھ کو معلوم نہیں کیا ہے نبوت کا مقام
ہاں، مگر عالمِ اسلام پر رکھتا ہوں نظر
فائنس ہے مجھ پر ضمیرِ فلکِ نیلی فام
عصرِ حاضر کی شبِ تاریں دیکھی میں نے
حقیقت کہ ہے روشن صفتِ ماہِ تمام
وہ نبوت ہے مسلمان کے لیے برکِ حشیش
جس نبوت میں نہیں قوت و شوکت کا پیام



آدم

ظالم ہوو و عدم، جس کا نام ہے آدم
 خدا کا راز ہے، قادر نہیں ہے جس پر سخن
 زمانہ صبح ازل سے رہا ہے جو سفر
 مگر یہ اس کی تک و دو سے ہو سکا نہ کہن
 اگر نہ ہو تجھے الجھن تو کھول کر کہہ دوں
 جو جو حضرت انساں نہ روح ہے نہ بدن!

ملہ اور جلیوا

اس فور میں اقوام کی صحبت بھی ہوئی عام
 پوشیدہ نگاہوں سے رہی حدتِ آدم
 تفنیریں عقل حکمت افزاں کا مقصود
 اسلام کا معنی صرف ملتِ آدم

۵۷۰
 ضربِ کلیم
 ۷۰

کئے نے دیا خال جنسیا کو یہ پینام
جمعیت اقوام کہ جمعیت اوم

اپنے پیر حرم

اپنے پیر حرم! رسم و رہ خالق ہی چھوڑ
مقصود سبجہ میری نوائے تحسری کا
اللہ رکھے تیرے جوانوں کو سلامت!
وے ان کو سبق خوشگنی، خود نگری کا
تو ان کو سکھا خارا شکافی کے طریقے
مغرب نے سکھایا انھیں فن شیشہ کرمی کا
دل توڑ گئی ان کا دوسد یوں کی غلامی
وارو کوئی سوچ ان کی پریشاں نظری کا
کہہ جاتا ہوں میں زور جنوں میں ترے اسرار
مجھ کو بھی جملہ وے مری آشفہ سری کا!

۵۷۱
ضرب کلیم

۷۱

مہدی

قوموں کی حیات ان کے تختل پہ ہے موقوف
 یہ ذوق سکھاتا ہے اوب مرغِ چمن کو
 مجذوبِ فرنگی نے بہ اندازِ سنرنگی
 مہدی کے تختل سے کیا زندہ وطن کو
 اے وہ کہ تو مہدی کے تختل سے ہے بیزار
 نو میدانہ کراہوئے منشکین سے سخن کو
 ہو زندہ کفنِ پوشش تو میت اے سمجھیں
 یا چاک کریں مردکِ ناداں کے کفن کو؟



۵۴۲
 ضربِ کلیم
 ۴۲

مردِ مسلمان

پھر لفظ ہے مومن کی نئی شان، نئی آن
 گفتار میں، کردار میں، اللہ کی برہان!
 قہقہہ غمخساری و قدوسی و جبروت
 یہ چار عناصر ہوں تو بنتا ہے مسلمان
 ہمسایہ چربیلِ امیں بسندۂ خالی
 ہے اس کا نشیمن نہ بخارا نہ بدخشان
 یہ راز کسی کو نہیں معلوم کہ مومن
 قاری نظر آتا ہے، حقیقت میں ہے قرآن
 قدرت کے مقاصد کا عیار اس کے ارادے
 دنیا میں بھی میزان، قیامت میں بھی میزان
 جس سے جبکہ لالہ میں ٹھنڈک ہو وہ شبنم
 دریاؤں کے دل جس سے ہل جائیں وہ طوفان

۵۷۳
 ضربِ کلیم
 ۷۲

فطرت کا سرودِ ازلی اس کے شب و روز
 اچانک میں کچھ صفتِ سورۃِ رحمن
 بنتے ہیں مری کارکہ منکر میں انجم
 لے اپنے مقدر کے ستارے کو تو پہچان!

پنجابی مسلمان

مذہب میں بہت تازہ پسند اس کی طبیعت
 کر لے کہیں منزل تو کوزر تہ ہے بہت جلد
 تحقیق کی بازی ہو تو شرکت نہیں کرتا
 کھیل مُریدی کا تو چہر تہ ہے بہت جلد
 تہاویل کا پھنسا کوئی صہیا و لگا وے
 یہ شاخِ نشین سے اترتا ہے بہت جلد



۵۴۲

ضربِ کلیم

۷۲

ازادى

ہے کس کی یہ خبرات کہ مسلمان کو ٹوکے
 حضرتیت افکار کی نعمت ہے خدا داد
 چاہے تو کرے کعبے کو آتش کدہ پاس
 چاہے تو کرے اس میں فرنی گھسٹا ہا
 شیران کو باز چپ تہاویل بن کر
 چاہے تو خود اک تازہ شریعت کرے ایجا
 ہے مملکت چند میں ال طرف تہاشا
 اسلام ہے محبوبس، مسلمان ہے ازاد!

اشاعت اسلام فرنگستان میں

ضمیر اس مذہبیت کا دین سے ہے خالی
 فرنگیوں میں اخوت کا ہے نسب یہ قیام

بلند تر نہیں انگریز کی نگاہوں میں
 فتبول دین سچی سے برہمن کا مقام
 اگر فتبول کرنے دین مصطفیٰ، انگریز
 سیاہ روز مسلمان رہے گا پھر بھی غلام

لا و الا

فضائے نور میں کرتانہ شاخ و برگ و برپیدا
 سفر خالی شبستان سے نہ کر سکتا الرودانہ
 نہسا زندگی میں ابستہ الا، انتہا، الا
 پیام موت سے جب لا ہوا الا سے بیگانہ
 وہ ملت روح جس کی لا سے آگے بڑھ نہیں سکتی
 یقین جانو ہوا البریز اس ملت کا پیمانہ



۵۷۶

ضربِ کلیم

۷۶

اُمّ اَلْعَرَبِ

کرے یہ کافر ہندی بھی جبراً تگفتار
 اگر نہ ہو اُمّ اَلْعَرَبِ کی بے ادبی!
 چنگت پہلے سلکھایا کیا کس امت کو؟
 وصالِ مُصطَفَوِی، اُفتراقِ بولہسی!
 نہیں وجود حدود و ثغور سے اس کا
 مستندِ عربی سے ہے عالمِ عربی!

احکامِ الہی

پابندیِ تقدیر کہ پابندیِ احکام!
 یہ سداً مشکل نہیں اے مردِ خردمند

❁ بھوپال (شیش محل) میں لکھے گئے

اک ان میں سو بار بدل جاتی ہے تقدیر
 ہے اس کا مقدر ابھی ناخوشن ابھی خوش
 تقدیر کے پاس نہ سنا توجہ ادا
 مومن فقط احکام الہی کا ہے پاس

موت

لحہ میں بھی یہی غیب و حضور رہتا ہے
 اگر ہو زندہ تو دل نا صبور رہتا ہے
 مہ و ستارہ، مثال شرارہ یک و نفس
 مے خودی کا ابد تک سرور رہتا ہے
 فرشتہ موت کا چھوٹا ہے کو بدن تیرا
 ترے وجود کے مرکز سے دور رہتا ہے!



۵۷۸

ضریب کلیم

۷۸

بِسْمِ بَارِئِ اللّٰهِ

جہاں ارجپہر لکڑوں ہے بِسْمِ بَارِئِ اللّٰهِ
وہی زمین، وہی لکڑوں ہے بِسْمِ بَارِئِ اللّٰهِ
کیا نوائے انا الحق کو آتشیں جس نے
ترمی رکوں میں وہی نوحوں ہے بِسْمِ بَارِئِ اللّٰهِ
نعمیں نہ چو کہ پر اسندہ ہے شعور ترا
فرنگیوں کا یہ افسوں ہے بِسْمِ بَارِئِ اللّٰهِ



۵۶۹
ضربِ کلیم

۷۹



۵۸۰
ضرب کلیم
۸۰

سَعُور (Sawir) (سور)

سینوزا

نظرو حیات صحیب رطاب زرد اشک
حیات کیا ہے؟ حضور اکرم زور و زور!

ملا طول

نگاہ موت میری رطاب زرد اشک
حیات ہے بربتِ مابیت میرا شرابِ زور!

حیاتِ موتِ میرا اشکِ زور
مضطرِ حودی ہے حودی دگھاہ کا حضور!

تعلیم و تربیت

۵۸۱
ضربِ کلیم
۸۱

مقصود*

(سینورا)

نظر حیات پر رکھتا ہے مرد و دانش مند
حیات کیا ہے حضور و سرور و نور و وجود

(فلاطون)

نگاہ موت پر رکھتا ہے مرد و دانش مند
حیات ہے شب تاریک میں شرر کی نمود

حیات موت نہیں التفات کے لائق
فقط خودی ہے خودی کی نگاہ کا مقصود

* ریاض منزل (دولت کدہ سر اس مسعود) بھوپال میں لکھے گئے

۵۸۲
ضرب کاہم
۸۲

زمانہ حاضر کا انسان

مُعشِقِ ناپسید و خردِ میکزوشِ صورتِ مار،
 عقل کو تابعِ فرمانِ نطنِ کر نہ سکا
 ڈھونڈنے والے ستاروں کی لُزر کا ہوں کا
 اپنے افکار کی دُنیا میں سحر کرنے سکا
 اپنی جھمت کے حنم و پیچ میں ابھرا ایسا
 آج تک نسیبہ نہ نفع و ضرر کرنے سکا
 جس نے سورج کی شعاعوں کو گرفتار کیا
 زندگی کی شبِ تاریک سحر کرنے سکا!

اقوامِ مشرق

نظر آتے نہیں بے پردہ حقائق ان کو
 انکھ جن کی ہوئی محکومی و مستلید سے کو

زندہ کر سکتی ہے ایران و عرب کو کیونکر
یہ فرنگی بدست کہ جو ہے خود لب کو را

آگاہی

نظر سپہریہ رکھتا ہے جو ستارہ شناس
نہیں ہے اپنی خودی کے معتم سے آگاہ
خودی کو جس نے فلک سے بلند تر دیکھا
وہی ہے مملکتِ صبح و شام سے آگاہ
وہی نگاہ کے ناخوب و خوب سے محرم
وہی ہے دل کے حلال و حرام سے آگاہ

مصلحتی بن مشرق

میں ہوں نوید تیرے ساقیانِ سامری فن سے
کہ بزمِ خاوراں میں لے لے آئے ساتھیں خالی

۵۸۲
ضربِ کلیم
۸۲

نئی بھلی کہاں اُن بادلوں کے جیبِ دامن میں
پُرانی بھلیوں سے بھی ہے جن کی آستیں خالی!

مغربی تہذیب

فسادِ قلب و نظر ہے غربت کی تہذیب
کہ رُوح اس مذہبیت کی رہ سکی نہ عقیف
رہے نہ رُوح میں پاکیزگی تو ہے ناپید
ضمیر پاک و خیالِ بلند و ذوقِ لطیف

اسرارِ پیدا

اُس قوم کو شمشیر کی حاجت نہیں ہوتی
جو جس کے جانوں کی خودی صورتِ فولاد
ناچسب ز جہانِ مرد و پروں ترے آگے
وہ عالمِ مجبور ہے، تو عالمِ آزاد

موجوں کی تپش کیلئے فقط ذوقِ طلب ہے
 پہناں جو صدف میں ہے وہ دولت سے خداؤ
 شاہیں کبھی پرواز سے تھک کر نہیں کرتا
 پروم ہے اگر تو تو نہیں خطرۂ مفت

سلطانِ ٹینیسی کی وصیت

تو رہ نور و شوق ہے منہ نزل نہ کر قبول
 لیلی بھی ہم نشیں ہو تو محمول نہ کر قبول
 اے جو تے اب بڑھ کے ہو دریا تے تند تیز
 ساحل تجھے عطا ہو تو ساحل نہ کر قبول
 کھویا نہ جا صدم کدۂ کائنات میں
 محسن کداز ابرمی محسن نہ کر قبول
 صبحِ ازل یہ مجھ سے کہا چیریل نے
 جو عمتل کا سلام ہو وہ دل نہ کر قبول

۵۸۶

ضربِ کلیم

۸۶

باطل دُوتی پسند ہے، حق لاشریک سے
شُرکت مسیاتہ حق و باطل نہ کر قبول!

غزل

نہ میں عجمی نہ ہندی نہ عراقی و حجازی
کہ خودی سے میں نے سیکھی وہاں کے بے نیازی
تو مری نطن میں کافر میں تری نطن میں کافر
تراوین نفس شماری مراوین نفس کدازی
تو بدل گیا تو بہت کہ بدل گئی شریعت
کہ موافق تدرواں نہیں دین شاہبازی
ترے رشت و در میں مجھ کو وہ جنوں نطن نہ آیا
کہ کھائے سکے خرد کورہ و رسم کار سازی
نہ جدار ہے نوا کرتے تپ ندکی سے
کہ ہلا کی اُمم ہے یہ طریق نے نوازی

بیداری

جس بندۂ حق ہیں کی خودی ہو گئی بیدار
 ششیر کی مانند ہے بڑندہ و براق
 اس کی نگہ شوخ پہ ہوتی ہے نمودار
 ہر ذرے میں پوشیدہ ہے جو قوتِ اشراق
 اس مردِ خدا سے کوئی نسبت نہیں تجھ کو
 تو بندۂ آفاق ہے وہ صاحبِ آفاق
 تجھ میں ابھی پیدا نہیں ساحل کی طلب بھی
 وہ پالی فطرت سے ہوا محرمِ آفاق

خودی کی تربیت

خودی کی پرورش و تربیت پہ ہے موقوف
 کہ نشتِ خاک میں پیدا ہوا ششیر سوز

۵۸۸

ضربِ کلیم

۸۸

یہی ہے سِرِّ کلیمی ہر اک زمانے میں
چوائے دشت و شعیب و شبانی شب و روز!

آزادی منکر

آزادی افکار سے ہے اُن کی تباہی
رکھتے نہیں جو منکر و تدبیر کا سلیقہ
جو منکر اگر حرام تو آزادی افکار
انسان کو حیوان بنانے کا طرعیۃ!

خودی کی زندگی

خودی ہو زندہ تو ہے فہم بھی شہنشاہی
نہیں ہے سنجیر و طغزل سے کم شکوہ فقیر
خودی ہو زندہ تو دریائے بے دریاں پایا
خودی ہو زندہ تو کسار پر نیان و حسیر

۵۸۹

ضربِ کلیم

۸۹

نہنگِ زندہ ہے اپنے محیط میں ازاد
نہنگِ مردہ کو موجِ سراب بھی زنجیر!

حکومت*

ہے مریدوں کو تو حقِ باس کو ارا لیکن
شیخ و ملا کو بُری لگتی ہے درویش کی بات
قوم کے ہاتھ سے جاتا ہے مستاعِ کردار
بحث میں آتا ہے جب فلسفہ نوات و صفات
گرچہ اس دیر کھن کا ہے یہ دستورِ قدیم
کہ نہیں مے کدہ و ساقی و میسنار کو ثبات
قسمتِ باوہ مگر حق ہے اسی ملت کا
انگلیں جس کے جوانوں کو تے تلخابِ حیات!

* ریاض منزل (دولت کدہ سر اس مسعود) بھوپال میں لکھے گئے

۵۹۰
ضربِ کلیم
۹۰

ہندی مکتب

اقبال! یہاں نام نہ لے علم خودی کا
 موزوں نہیں مکتب کے لیے ایسے مقالات
 بہتر ہے کہ بیچارے مولوں کی نطن سے
 پوشیدہ رہیں باز کے احوال و مقامات
 آزاد کی ال ان ہے محکوم کا ال سال
 کس درجہ کراں سیر ہیں محکوم کے اوقات!
 آزاد کا ہر لفظ نہ پیام اپدیت
 محکوم کا ہر لفظ نہ تی مرگِ مفاجات
 آزاد کا اندیشہ حقیقت سے منور
 محکوم کا اندیشہ گرفتار خرافات
 محکوم کو پیروں کی کرامات کا سوا
 ہے بندہ آزاد خود اک زندہ کرامات

۵۹۱

ضربِ کلیم

۹۱

محکوم کے حق میں ہے یہی تربیت اچھی
موسیٰ تھی و صورت گری و علم نباتات!

تربیت

زندگی کچھ اور شے ہے، علم ہے کچھ اور شے
زندگی سوزِ جگر ہے، علم ہے سوزِ دماغ
علم میں دولت بھی ہے، قدرت بھی ہے لذت بھی ہے
ایک مشکل ہے کہ ہاتھ آتا نہیں اپنا سراغ
اہل دانش عام ہیں، کم یاب ہیں اہل نظر
کیا تعجب ہے کہ حنائی رہ گیا تیرا ایام!
شیخ مکتب کے طریقوں سے کشادہ دل کہاں
کس طرح کبریت سے روشن ہو بجلی کا چراغ!



۵۹۲
ضربِ کلیم
۹۲

خوب زشت

ستارگانِ فضا ہائے نیلکوں کی طرح
 تختیلاست بھی ہیں تابعِ طلوع و غروب
 جہاں خودی کا بھی ہے صاحبِ فرار و نشیب
 یہاں بھی سرکہ آرا ہے خوب سے ناخوب
 نمود جس کی فرارِ خودی سے ہو وہ جسمیل
 جو ہوشیہ میں پیدا، تیسرے و نامحبوب!

مرکبِ خودی

خودی کی موت سے منسوب کاندڑوں بے نور
 خودی کی موت سے مشرق ہے بے سلائے جہنم
 خودی کی موت سے رُوحِ عربیہ بے توتاب
 بدنِ سراق و عجبم کا ہے بے عروق و عطنم

۵۹۳
 ضربِ کاہم
 ۹۳

خودی کی موت سے ہندی شکستہ بالوں پر
 قفس ہوا ہے حلال اور آشیانہ حرام
 خودی کی موت سے چیرم ہوا مجبور
 کہ بیچ کھاتے سماں کا جامہ احرام

مہمان عزیز

پڑھے افکار سے ان مدرسے والوں کا ضمیر
 خوب ناخوب کی اس فور میں ہے کس کو تیز
 چاہیے نمانہ دل کی کوئی منزل حسالی
 شاید آجاتے کہیں سے کوئی مہمان عزیز

عصر حاضر

پخت افکار کہاں ڈھونڈنے جاتے کوئی
 اس زمانے کی ہوا رکھتی ہے ہر چیز کو خام

۵۹۲
 ضرب کلیم
 ۹۲

مدرسہ عصمت کو آزاد تو کرتا ہے مگر
چھوڑ جاتا ہے خیالات کو بے ربط و نظام
مردہ، لاویںی افکار سے افرنگ میں عشق
عقل بے ربطی افکار سے مشرق میں غلام!

طالب علم

خدا تجھے کسی طوفان سے آشنا کر دے
کہ تیرے بھر کی موجوں میں اضطراب نہیں
تجھے کتاب سے ممکن نہیں سراغ کہ تو
کتاب خواں ہے مگر صاحب کتاب نہیں!

امتحان

کہا پٹا کی ندی نے سنگینے سے
فتاویٰ و سرفلت کی تری معراج!

۵۹۵
ضربِ کلیم
۹۵

ترا یہ حال کہ پامال و دروہند ہے تو
 مری یہ شان کہ دریا بھی ہے مرا محتاج
 جہاں میں تو کسی دیوار سے نہ ٹکرایا
 کئے بسر کہ تو ہے سنگ خارہ یا کہ زجاج!

مدرسہ

عصر حاضر ملک الموت ہے تیرا، جس نے
 قبض کی رُوح تری دے کے تجھے فکرِ معاش
 دل لرزتا ہے حریفانہ کشاکش سے ترا
 زندگی موت ہے، کھو دیتی ہے جب فوقِ خراش
 اُس جنوں سے تجھے تعلیم نے بیگانہ کیا
 جو یہ کہتا تھا حسرت سے کہ بہانے نہ تراش
 فیضِ فطرت نے تجھے دیدہ شاہین بخشا
 جس میں کھدی ہے غلامی نے نگاہِ حقاش

۵۹۶

ضربِ کلیم

۹۶

مدر سے نے تری آنکھوں سے چھپایا جن کو
خلوتِ کوہ و بیاباں میں وہ اسرار ہیں نقاش

حکیم نطشہ

حریفِ نکتہ توحید ہو سکا نہ حکیم
بنگاہِ چاہیے اسرارِ لا الہ کے لیے
خدا کے پینہ کر دوں ہے اس کا فکر بلند
کنند اس کا تختل ہے مہر کے لیے
اگرچہ پاک ہے طہنت میں رہی اس کی
ترس رہی ہے مگر لذتِ گنہ کے لیے

اساتذہ

مقصود ہو اگر تربیتِ لعل بدخشاں
بے سووے بھٹکے ہوئے خورشید کا پر تو

وئیایے روایات کے پھندوں میں گرفت
 کیا مدرسہ کیا مدرسے والوں کی تک و دو!
 کر سکتے تھے جو اپنے زمانے کی امامت
 وہ لہنت و باغ اپنے زمانے کے ہیں پیرو!

غزل

ملے گا منہ نزل مقصود کا اسی کو سراغ
 اندھیری شب میں ہے چیتے کی آنکھ جس کا چراغ
 میسر آتی ہے فرصت فقط عنلاموں کو
 نہیں ہے بندہ خُمر کے لیے جہاں میں سراغ
 فروغ معنہ بیان خیر کر رہا ہے تجھے
 ترمی نطن کر کا نگہباز ہو صاحبِ مازاغ
 وہ بزمِ عیش ہے مہمانِ یک نفس و نفس
 چمکے ہیں مثال ستارہ جس کے ابلاغ

۵۹۸
 ضربِ کلیم
 ۹۸

کیا ہے تجھ کو گستاخوں نے کور ذوق اتنا
صبا سے بھی نہ ملا تجھ کو بوسے گل کا سراغ!

تعمیر دین و مسلم

مجھ کو مسلم ہیں پیرانِ حرم کے اندر
چونہ اخلاص تو دعوائے نظر لاف و لراف
اور یہ اہل کلیسا کا نطنِ مسلم
ایک سازش ہے فقط دینِ مروت کے خلاف
اُس کی تفتیر میں سکومی وطنِ لومی ہے
قوم جو کرنے سکی اپنی خودی سے انصاف
فطرتِ افرا سے غمِ ساخن بھی لڑیتی ہے
کبھی کرتی نہیں ملتے گئے لٹا ہوں کو معاف



جاوید سے



غارت کر دیں ہے یہ زمانہ
 دربارِ شہنشاہی سے خوشتر
 لیکن یہ دورِ ساحری ہے
 سرچشمہ زندگی ہوا خشک
 حنائی اُن سے ہوا دستاں
 جس گھر کا مگر چراغ ہے تُو
 جوہر میں ہو لالہ تو کیا خوف
 شاخ گل پر چہکے ولیکن
 وہ جسے آدمی کہ جس کا
 دہشتانِ الرزق ہوں اسان
 ”غافل منشینِ وقتِ بازی ست
 ہے اس کی نہاد کا منہ
 مردانِ خدا کا استمانہ
 انداز ہیں سب کے جاوید
 باقی ہے کہاں سے شبانہ
 تھی جن کی نگاہ تازیانہ
 ہے اس کا مذاق عارفانہ
 تسلیم ہو کو فتنہ نگیانہ
 کر اپنی خودی میں آشیانہ
 قطرے ہے بحرِ بیکرانہ
 ہر دانہ ہے صد ہزار دانہ
 وقتِ نہر است و کار سازی ست“

ضربِ کلیم



سینے میں اگر نہ ہو دلِ کرم
 نچھیرا کر ہو زیرِ کسِ چُست
 ہے آپ حیاتِ اسی جہاں میں
 غیرت سے طرِ قیستِ حقیقی
 اے جانِ پدِ انہس میں ہے ممکن
 نایاب نہیں متاعِ لُفتِ
 ہے میری بساطِ کیا جہاں میں
 اک صدقِ معال ہے کہ جس سے
 اللہ کی دین ہے جسے دے
 اپنے نورِ نطن سے کیا خوب
 فرماتے ہیں حضرت نطنِ ستامی
 ”جاے کہ بزرگِ بایست بو
 فرزند ہی من بندار دست سو“





مومن پہ کراں ہیں شب و روز
 ناپید ہے بندہ عمل مست
 دین و دولت ہستار بازی!
 باقی ہے منقطع نفس و بازی
 جس فقر کی اصل ہے حجازی
 اللہ کی شان بے نیازی
 ہے اس کا مقام شاہ بازی
 بے سُرْمَہ نوح علی و رازی
 فطرت میں اگر نہ ہو ایازی
 رکھتا نہیں فوق نئے نوازی
 درپردہ تمام کار سازی
 بی تیغ و سناں ہے مرد غازی
 یہ سقر غیور جس نے پایا

مومن کی اسی میں ہے امیری
 اللہ سے مانگ فقیر میری



۶۰۲
 ضربِ کلیم
 ۱۰۲

عورت



۲۰۲
ضربِ کلیم
۱۰۳

مردِ فرنگ

ہزار بار حکیموں نے اس کو سنبھایا
 مگر یہ مسئلہ زن رہا وہیں کا وہیں
 قصور زن کا نہیں ہے کچھ اس خرابی میں
 گواہ اس کی شرافت پہ ہیں مردِ پروں
 فساد کا ہے منہ نگی معاشرت میں ظہور
 کہ مرد سادہ ہے بیچارہ زن شناس نہیں

ایک سوال

کوئی پوچھے حکیم یورپ سے
 ہندو یونان ہیں جس کے حلقہ جوش

۶۰۲
 ضربِ کلیم
 ۱۰۲

کیا یہی ہے معاشرت کا کمال
مرد بے کار و زن تھی آغوشش!

پرودہ

بہت رنگ بد لے پہریریں نے
خدا یا یہ دُنیا جہاں تھی، وہیں ہے
تفاوت نہ دیکھا زن و شو میں میں نے
وہ خلوت نشیں ہے، یہ خلوت نشیں ہے
ابھی تک ہے پردے میں اولادِ آدم
کسی کی خودی آشکارا نہیں ہے

خلوت

زسوا کیا اس دور کو جلوت کی ہوس نے
روشن ہے نلکہ، آسنہ دل ہے مگر

۶۰۵
ضربِ کلیم
۱۰۵

بڑھ جاتا ہے جب ذوقِ نظر اپنی حدوں سے
 چو جاتے ہیں افکار پر افسندہ و اہتر
 اغوشِ صدف جس کے نصیبوں میں نہیں ہے
 وہ قطرۂ نیساں کبھی بنتا نہیں کوہِ
 خلوت میں خودی ہوتی ہے خود کیر، و لیکن
 خلوت نہیں اب دیر و رسم میں بھی میسر!

عورت

وجودِ زن سے ہے تصویرِ کائنات میں رنگ
 اسی کے ساز سے ہے زندگی کا سوزِ دروں
 شرف میں بڑھ کے شریکِ شہتِ خال اس کی
 کہ ہر شرف ہے اسی درج کا درِ مکنوں
 مکالماتِ فلاطوں نہ لکھ سکی لیکن
 اسی کے شعلے سے ٹوٹا شرارِ افلاطوں

۶۰۶
ضربِ کلیم

۶۰۶

آزادی نسواں

اس بحث کا کچھ فیصلہ میں کر نہیں سکتا
 گو خوب سمجھتا ہوں کہ یہ زہر ہے، وہ قند
 کیا فائدہ کچھ کہہ کے بنوں اور بھی معتوب
 پہلے ہی خفا مجھ سے ہیں تہذیب کے فرزند
 اس راز کو عورت کی بصیرت ہی کرے فاش
 مجبور ہیں، محذور ہیں، مروان خرد مند
 کیا چیز ہے آرائش و قیمت میں زیادہ
 آزادی نسواں کہ زمرہ کا گلوبند!

عورت کی حفاظت

اک زندہ حقیقت مرے سینے میں ہے ستور
 کیا سمجھے گا وہ جس کی رگوں میں ہے لٹور

۶۰۶
 ضربِ کلیم
 ۱۰۶

نے پروہ، نہ تسلیم، نہ ہی چو کہ پرانی
 نسوانیتِ زن کا نگہباز ہے فقط مرو
 جس قوم نے اس زندہ حقیقت کو نہ پایا
 اُس قوم کا خورشید بہت جلد چوا زرد

عورت اور تسلیم

تہذیبِ فرنگی ہے اگر مرگِ اُموست
 ہے حضرتِ انساں کے لیے اس کا ثمر موت
 جس علم کی تاثیر سے زن ہوتی ہے نازن
 کہتے ہیں اُسی علم کو اربابِ نظر موت
 بیگانہ رہے ہیں سے اگر مدرسہ زن
 ہے عشق و محبت کے لیے علم و ہنر موت



۶۰۸
 ضربِ کلیم
 ۱۰۸

عورت

جو ہر مرد عیساں ہوتا ہے بے منتِ غیر
 غیر کے ہاتھ میں ہے جو ہر عورت کی نو
 راز ہے اس کے پیچھے کا یہی نکتہ شوق
 آتشیں لذتِ تخلیق سے ہے اس کا جو
 کھلتے جاتے ہیں اسی آگ کے اسرارِ حیات
 گرم اسی آگ کے ہے معرکہ بود و نبود
 میں بھی مظلومی نسواں سے ہوں غم ناک بہت
 نہیں مسکن مگر اس عقدہ مشکل کی نشوونما





ادبیات

فنون لطیفہ

۶۱۱
ضربِ کلیم
۱۱۱

دین و مہنر

سرود و شعیر سیاست، کتاب و دین و مہنر
 گہر ہیں ان کی کرہ میں تمام یک آنہ
 ضمیر بندہ خالی سے ہے نمود ان کی
 بلند تر ہے ستاروں سے ان کا شانہ
 اگر خودی کی حفاظت کریں تو عین حیت
 نہ کر سکیں تو سراپا فسوں و افسانہ
 چوٹی ہے زیر فلک اُستوں کی رسوائی
 خودی سے جب اوب ڈیں چوتے ہیں بیگانہ



۲۱۲
 ضربِ کلیم
 ۱۱۲

تخلیق

جہاں تازہ کی افکار تازہ سے ہے نمود
 کہ سنگ و خشت سے ہوتے نہیں جہاں پیدا
 خودی میں ڈوبنے والوں کے عزم و ہمت نے
 اس ابھو سے کیے بحرب بے چراں پیدا
 وہی زمانے کی گردش پہ غالب آتا ہے
 جو چرخِ نفس سے کرے عمر جاوداں پیدا
 خودی کی موت سے مشرق کی سرزمینوں میں
 ہوا نہ کوئی حُندانی کا رازواں پیدا
 ہوا تے دہشتے سے نوتے رفاقت آتی ہے
 عجب نہیں ہے کہ ہوں میرے ہم عنان پیدا



جنوں

نُجَباج کر کی دُکاں شاعرِ مِٹاتی
 ستم پئے خوار پھرے دشتِ دُور میں دیوانہ!
 کسے خبر کہ جنوں میں کمال اور بھی ہیں
 کریں اگر اسے کوہِ و کمرے سے بیگانہ
 ہجومِ مدرسہ بھی سازگار ہے اس کو
 کہ اس کے واسطے لازم نہیں ہے میرانہ

اپنے شعر سے

ہے کلمہ مجھ کو تری لذتِ پیدائی کا
 تو ہوا فاش تو ہیں اب مے اسرار بھی فاش
 شعلے سے ٹوٹ کے مثلِ شرارِ وارہ نہ رہ
 گر کسی سینہ پر سوز میں خلوت کی تلاش!

۶۱۲
 ضربِ کلیم
 ۱۱۲

پیرس کی مسجد

مری نگاہ کس الٹنٹ کو کیا دیکھے
 کہ حق سے یہ حرمِ منبر بی ہے بیگانہ
 حرمِ منبر میں ہے فرنی کرشمہ بازوں نے
 تین حرم میں چھپا دی ہے رُوحِ بیتِ خانہ
 یہ بیت کد انھی غارت گروں کی ہے تعمیر
 و عشق ہاتھ سے جن کے ہوا ہے ویرانہ

ادبیتا

عشق اب پیڑھی عقلِ حسدِ ادا کرے
 ابرو کو چہرہ جاناں میں نہ برباد کرے
 کہنہ چسکر میں نئی رُوح کو آباد کرے
 یا کہن رُوح کو تفتلید سے آزاد کرے

ننگاہ

بہار و قافلہ لالہ ہاتے صحرائی
 شبابِ مستی و ذوقِ سُور و عینانی
 اندھیری است میں یہ چشمکین ستاروں کی
 یہ جبرائیل فلکِ نیلکوں کی پہنائی
 سفرِ عروسِ قمر کا عساری شب ہیں
 طلوعِ مہر و سلوکِ سپہرِ سینائی
 ننگاہ ہو تو بہ سائے نظارہ کچھ بھی نہیں
 کہ بچتی نہیں فطرتِ جمال و زیبائی



❁ ریاضِ منسزل (دولت کدہ سراسر سعود) بھوپال میں لکھے گئے

۶۱۶
ضربِ کلیم

۱۱۶

مسجدِ وقتِ اسلام

ہے مرے سینہ بے نور میں اب کیا باقی
 لالہ، مردہ و افسردہ و بے ذوق نمود
 چشمِ فطرت بھی نہ پہچان سکے کی مجھ کو
 کہ ایازمی سے دگرگوں ہے مقامِ مستود
 کیوں سماں نہ چل ہو تری سنگینی سے
 کہ غلامی سے ہوا مثل زجاج اس کا وجود
 ہے تری شان کے شایاں اسی مومن کی نماز
 جس کی تنگی میں ہو سر کہ بود و نبود
 اب کہاں میرے نفس میں وہ حرارت، وہ لذت
 بے تپ و تابِ دروں میری صلوة اور درود
 ہے مری بانگِ اذان میں نہ بلندی، نہ شکوہ
 کیا لوہا ہے تجھے ایسے سماں کا سجود؟

۴۱۷

ضربِ کلیم

۱۱۷

تیرا

تیری خودی سے ہے روشن ترا حریم وجود
 حیات کیا ہے، اسی کا سرور و سوز و شبات
 بلند تر مہ و پرویں سے ہے اسی کا عتہم
 اسی کے نور سے پیدا ہیں تیرے فہات و صفات
 حریم تیرا، خودی غیبی سر کی ہے اس لئے
 دوبارہ زندہ نہ کر کار و بارِ لائت و منات
 یہی کمال ہے تمشیل کا کہ تو نہ رہے
 رہا نہ تو تو نہ سوز خودی نہ سازِ حیات



۶۱۸
ضربِ کلیم
۱۱۸

شُعَاعِ اُمِّید



سُورج نے دیا اپنی شعاعوں کو یہ پیغام
 دُنیا ہے عجب چیز، کبھی صبح کبھی شام
 مدت سے تم آوارہ ہو پناہ کے فضا میں
 بڑھتی ہی چلی جاتی ہے بے مہری ایام
 نے ریت کے ذروں چپکے میں ہے رات
 نے مثل صبا طوفانِ گل لالہ میں آرام
 پھر میرے تجلی لہلہ دل میں سما جاؤ
 چھوڑو چمنستان و بیابان و روبام

۴۱۹

ضربِ کلیم

۱۱۹



افاق کے ہر گوشے سے اٹھتی ہیں شعاعیں
 پچھڑے ہوئے خورشید کی ہوتی ہیں ہم آغوش
 ال شورے مغرب میں ابلا نہیں مسکن
 افرنک شینوں کے دھوئیں کے یہ پوش
 مشرق نہیں کو لذت نطتارہ سے محروم
 لیکن صفتِ عالم لاہوت ہے خاموش
 پھر ہم کو اسی سینہ روشن میں چھپالے
 اے مہر جہاں تاب نہ کر ہم کو فراموش



اک شوخ کزن، شوخ مثال نگرہ خور
 آرام سے فارغ، صفتِ جوہر سیاب
 بولی کہ مجھے رخصتِ تنویر عطا ہو
 جب تک نہ ہو مشرق کا ہر اک ذرہ جہاں تاب

۶۲۰
 ضربِ کلیم
 ۱۲۰

چھوڑوں کی نہ میں ہند کی تاریک فضا کو
 جب تک نہ اٹھیں غم اب سے مردان گراں خراب
 خاور کی امیدوں کا یہی خال ہے مرکز
 اقبال کے اشکوں سے یہی خال ہے سیراب
 چشمِ مژپروں ہے اسی خال سے روشن
 یہ خال کہ ہے جس کا حرفِ ریزہ ورناب
 اس خال کے اٹھے ہیں وہ عواصِ حسانی
 جن کے لیے ہر پر اسٹوٹ کے پایاب
 جس سائے کے نسوں کے حرارت تھی دلوں میں
 محفل کا وہی سائے ہے بیکانہ مضراب
 بت خانے کے دروازے پہ سوتا ہے بڑھان
 تفتدیر کو روتا ہے سماں تہِ محراب
 مشرق سے ہو بیزار نہ مغرب کے حذر کہ
 فطرت کا اشارہ ہے کہ ہر شب کو سحر کرنا

۴۲۱
ضربِ کلیم

۱۲۱

امید

مستابلہ تو زمانے کا خوب کرتا ہوں
 اگرچہ میں نہ سپاہی ہوں نے امیرِ جنود
 مجھے خبر نہیں یہ شاعری ہے یا کچھ اور
 عطا ہوا ہے مجھے ذکر و نکر و جذبِ سرود
 جبین بندہ حق میں نمود ہے جس کی
 اسی جلال سے لبِ پیرِ ضمیر وجود
 یہ کافر می تو نہیں کافر می سے کم بھی نہیں
 کہ مردِ حق ہو گرفتارِ حاضرِ موجود
 غمیں نہ ہو کہ بہت دور ہیں ابھی باقی
 نئے ستاروں سے خالی نہیں سپہرِ کبود

✽ ریاضِ سننزل (دولت کدہ سرراکس سنوود) بھوپال میں لکھے گئے

۶۲۲
 ضربِ کلیم
 ۱۱۲۲

نگاہِ شوق

یہ کائنات چھپاتی نہیں ضمیر اپنا
 کہ ڈرتے ڈرتے میں ہے ذوقِ آشکارائی
 کچھ اور ہی نظر آتا ہے کاروبارِ جہاں
 نگاہِ شوق اگر ہو شریکِ بینائی
 اسی نگاہ سے محکم قوم کے فنِ زند
 ہوئے جہاں میں سزاوارِ کارِ نرمانی
 اسی نگاہ میں ہے فتاہری جستاری
 اسی نگاہ میں ہے دبیری و عنائی
 اسی نگاہ سے ہر ڈرتے کو جنوں میرا
 سکھا رہا ہے رہ و رسم و شہتِ پیمائی
 نگاہِ شوق میتز نہیں اگر تجھ کو
 ترا وجود ہے قلبِ وطن کی رسوائی

۶۶۳

ضربِ کلیم

۱۲۳

اہل تیر سے

مہر و مہر و شتری چند نفس کا نسر و غ
 عشق سے ہے پائدار تیری خودی کا وجود
 تیرے حرم کا ضمیر اسود و احمر سے پال
 تنگ سے تیرے لیے نسر و پیر و کبوتر
 تیری خودی کا غیاب ہے کہ ذکر و فکر
 تیری خودی کا حضور عالم شعر و سرور
 رُوح الہی سے تری رنج غلامی سے نزار
 تیرے شکر کا جہاں دیر و طواف و سجود
 اور الہیہ شرافت سے ہے
 تیری سپہا نس و جن تو ہے اسی پر مٹو



۶۲۲
ضرب کاہم
۱۲۲

غزل

دریا میں موتی، اسے موج بے باک
 ساحل کی سوغات! خار و خس و خاک
 میرے شرر میں بجلی کے جوہر
 لسیکن نیستان تیرا ہے نم نال
 تیرا زمانہ، تاثیر تیری
 ناداں! نہیں یہ تاثیر افلاک
 ایسا جنوں بھی دیکھا ہے میں نے
 جس نے سسے ہیں تفت دیر کے چال
 کاہل وہی ہے رندی کے فن میں
 مستی ہے جس کی بے مشقت تال
 رکھتا ہے اب تک مہینا شوق
 وہ ہے کہ جس سے روشن ہوا اور اک

۶۲۵

ضرب کلیم

۱۲۵

اہلِ نطنس رہیں یورپ سے نومسند
ان امتوں کے باطن نہیں پاک

وُجُوْد

اے کہ ہے زیرِ فلک مثلِ شہرِ تیری نمود
کون سمجھاتے تجھے کیا ہیں مقاماتِ وجود
گر شہر میں نہیں تعمیرِ خودی کا جوہر
وائے صورتِ کرمی و شاعری و ناسے و سرود
مکتب و مے کہہ جزوِ حسنِ بون نہ ہند
بودن آموز کہ ہر ہاشمی و ہر خمِ اہری بود

سرود

ایا کہاں سے نالہ تے میں سرورے
اصل اس کی نئے نواز کا دل ہے کہ چوہے

۴۲۶

ضربِ کلیم

۱۲۶

دل کیا ہے اس کی مستی و قوت کہاں سے ہے
 کیوں اس کی النگاہ الٹتی ہے تخت کے
 کیوں اس کی زندگی سے ہے اقوام میں حیات
 کیوں اس کے واروات بدلتے ہیں پے پے
 کیا بات ہے کہ صاحبِ دل کی نگاہ میں
 چھتی نہیں ہے سلطنتِ روم و شام و رے
 جس روز دل کی رمزِ معنی سمجھ گیا
 سمجھو تو سامِ مرحلہ ہائے ہنر ہیں طے

نسیم
 نسیم
 نسیم

انجم کی فضا تک نہ ہوئی سیری رسانی
 کرتی رہی میں سپرین لالہ و گل چال

۴۲۶
 ضربِ کلیم
 ۱۲۶

مجبور ہوئی جساتی ہوں میں ترکِ وطن پر
 بے ذوق ہیں بسبل کی نواہائے طرب ناک
 دونوں سے کیا ہے تجھے تقدیر نے محسوس
 خاکِ پسین اچھی کہ سرِ پر وہ افلاک!

شبِ نیم
 کھینچیں نہ اگر تجھ کو چمن کے خس و خاشاک
 گلشن بھی ہے ال سراسر پر وہ افلاک

اہرامِ مصر
 اس دشتِ جگر تاب کی خاموش فضا میں
 فطرت نے فقط ریت کے ٹیلے کی تعمیر
 اہرام کی عظمت سے نگوں سار ہیں اسدال
 کس ہاتھ نے کھینچی ابدیت کی تصویر!

۶۲۸
 ضربِ کلیم
 ۱۲۸

فطرت کی غلامی سے کرازا اور ہنس کر
صیاد ہیں مروان ہنر مند کہ نچیر!

مخلوقاتِ پُنی

ہے یہ فردوس نظر اہل ہنر کی تعمیر
فاش ہے چشم تماشا پہ نہاں حنائت
نہ خودی ہے نہ جہاں سحر و شام کے دور
زندگانی کی حریفانہ کشاکش سے نجات
آہ، وہ کافر بیچارہ کہ ہیں اس کے صنم
عصر رفتہ کے وہی ٹوٹے ہوئے لات و منات
تو ہے میت، یہ ہنر تیرے جنازے کا امام
نظر آتی جسے مرشد کے پستیاں ہیں حیات



اقبال

فردوس میں رومی سے یہ کہتا تھا ستانی
مشرق میں ابھی تک ہے وہی کاسہ وہی آتش
حلاج کی لیسکن یہ روایت ہے کہ آخر
اک مرقد سندر نے کیا رازِ خودی فاش!

فنون لطیفہ

اے اہل نظر ذوقِ نظر خوب سے لیکن
جوشے کی حقیقت کو نہ دیکھے وہ نظر کیا
مقصودِ ہوشِ سوزِ حیاتِ ابدی ہے
یہ ایک نفس یا دو نفس مثلِ شکر کیا
جس سے دلِ دریا مُستِ لاطم نہیں ہوتا
اے قطعہ قریباں وہ صدف کیا وہ گہر کیا

۲۳۰
ضربِ کلیم
۱۳۰

شاعر کی نوا ہو کہ مُعَنّی کا نفس ہو
 جس سے چمن افسردہ ہو وہ باوجودِ سر کیا
 بے مجزرہ دنیا میں اُٹھ سرتی نہیں قومیں
 جو ضربِ کلیمی نہیں رکھتے وہ ہنر کیا!

صبحِ چمن

پھول

شاید تو سمجھتی تھی وطنِ دُور ہے میرا
 اے قاصدِ افلاک! انہیں دُور نہیں ہے

شبنم

ہوتا ہے مگر محنتِ پرواز سے روشن
 یہ نکتہ کہ گردوں سے زمیں دُور نہیں ہے

۶۳۱
 ضربِ کلیم
 ۱۳۱

صُبح

مانندِ صبحِ کھستاں میں قدم رکھ
 اکتے تیرا کویا کویا شمشیرِ شمشیر تو نہ ٹوٹے
 ہو کوہِ وِسیا باں سے ہم اغوشِ لبیک
 ہاتھوں سے ترے امنِ اسلاک نہ چھوٹے!

خاقانی

وہ صاحبِ شہنشاہِ عراقین
 ہے پردہ شگافِ اس کا اور اک
 خاموش ہے عالمِ معانی
 پوچھ اس کے یہ خالِ اس ہے کیا چیز
 وہ محرمِ عالمِ مکافات
 اربابِ نطنبر کا قرة العین
 پردے ہیں تمام چاک و رچاک
 کہتے نہیں حرفِ کن تہائی
 ہنگامتہ این اس ہے کیا چیز
 اک بات میں کہہ کیا ہے سوا

خود بوبے چنیں جہاں تو ان بُرود

کابلیس بساندو بوالبشر مرداً

۶۳۲
 ضربِ کلیم
 ۱۳۲

رومی

غلط نگر ہے تری چشم نیم بازاں تک
 ترا وجود ترے واسطے ہے رازاں تک
 ترانیاں نہیں آشنائے نازاں تک
 کہ ہے قیام سے خالی تری نمازاں تک
 گستاخ ہے تیری خودی کا سازاں تک
 کہ تو ہے نعمتہ رومی سے بے نیازاں تک!

جدت

دیکھے تو زمانے کو اگر اپنی نظر سے
 اسلاک منور ہوں تھے نورِ حسرت سے
 خورشیدِ کبریا کی تیرے شر سے
 ظاہر تری تقدیر ہو یہاں سے

۶۳۳
 ضربِ کلیم
 ۱۳۳

دریا مُستِ لاطم ہوں تیری موج کھر سے
 شرمندہ ہو فطرت تیرے اعجازِ ہنر سے
 انخسار کے افکار و تخیل کی گدائی
 کیا تجھ کو نہیں اپنی خودی تک بھی رسائی؟

میرزا بیدل

ہے حقیقت یا مری چشمِ غلط ہیں کا فساد
 یہ زمین، یہ دشت، یہ کھسار، یہ چرخِ کبود
 کوئی کہتا ہے نہیں ہے کوئی کہتا ہے کہ ہے
 کیا خبر ہے یا نہیں ہے تیری دنیا کا وجود
 میرزا بیدل نے کس خوبی سے لھولی یہ لکہ
 اہل حکمت پر بہت مشکل رہی جس کی کشو
 ”دل اگر میداشت وسعت بے نشان بو این حمن
 زنا کے بیرون شست از بسکہ عینا تناب بو“

۶۳۲
 ضربِ کلیم
 ۱۳۲

جلال و جمال

مرے لیے فقط زورِ حیدری کافی
 ترے نصیبِ سلاطوں کی تیزی اور اک
 مری نظر میں ہی ہے جمال و زیبائی
 کہ سر بسجود ہیں قوم کے سامنے افلاک
 نہ جو جلال تو حسن و جمال بے تاثیر
 زرا نفس ہے الغنم سونہ آتش ناک
 مجھے سزا کے لیے بھی نہیں قبول و اک
 کہ جس کا شعلہ نہ ہو شند و سرش و بے باک!

مُصَوِّر

کس درجہ میں عام ہوتی مرکبِ تخیل
 ہندی بھی سنسکرتی کا مستند عجمی بھی!

۶۳۵

ضربِ کلیم

۱۳۵

مجھ کو تو یہی عنسہم ہے کہ اس دور کے بہتر
 کھو بیٹھے ہیں مشرق کا سرور انہی بھی
 معلوم ہیں اے مردِ سنہ تیرے کمالات
 صنعت تجھے آتی ہے پرانی بھی نئی بھی
 فطرت کو دکھایا بھی ہے دیکھا بھی ہے تونے
 آئینہ فطرت میں دکھ اپنی خودی بھی!

سرودِ حلال

کھل تو جاتا ہے مغنی کے ہم زریں دل
 نہ رہا زندہ و پائندہ تو کیا دل کی کشودا
 سے ابھی سینہ افلاک میں سپاس وہ نوا
 جس کی گرمی سے پھل جاتے ستاروں کا وجود
 جس کی تاثیر سے اوم ہو غم و خوف کے پاک
 اور پیدا ہو ایازمی سے مستام محمود

۶۳۶
 ضربِ کاہم
 ۱۳۶

مہ و انجسہم کا یہ تیکر کہہ باقی نہ رہے
 تو رہے اور ترا زمزم سے لہام موجود
 جس کو مشروع سمجھتے ہیں فقہر سان خودی
 منتظر ہے کہ مطاب سے کا ابھی تک وہ سرود!

سرد و حرام

نہ میرے ذکر میں ہے صوفیوں کا سوز و سرور
 نہ میرا نکرے سے پیمانہ ثواب و عذاب
 خدا کرے کہ اسے کچھ نفاق ہو مجھ سے
 فقیر شہر کہے محرم حدیث و کتاب
 اگر نوا میں ہے پوشیدہ موت کا پیغام
 حرام میری کاہوں میں نائے و چناں و رباب!



۶۳۷
 ضرب کاظم
 ۱۳۷

فوارہ

یہ آبِ حیات کی روانی، یہ سیکسٹناری خاک
 مری نگاہ میں ناخوبے کی نطرت
 ادھر نہ دیکھ، ادھر دیکھ اے جوانِ عزیز
 بلند زورِ دروں سے ہوا ہے فوارہ

شاعر

مشرق کے نیساتاں میں ہے محتاجِ نفس نے
 شاعرِ تری سینے میں نفس ہے کہ نہیں ہے
 تاثیرِ اسلامی سے خودی جس کی ہوتی نرم
 اچھی نہیں اس قوم کے حق میں جیسی
 شیشے کی صراحی ہو کہ مٹی کا سب ہو
 ششیر کی مانند ہو سبزی میں تری

۶۳۸
 ضربِ کلیم
 ۱۳۸

ایسی کوئی ذنیب نہیں افلاک کے نیچے
 ہے جس کو ہاتھ آئے جہاں تختِ حرم کے
 چرخِ نرباطوں، نہی برقِ تحسلی
 اللہ کرے حرسہ شوق نہ ہوٹے!

شعرِ محرم

ہے شعرِ محرم کمرِ چربِ ناکِ دلِ آویز
 اس شعر سے کہ ہوتی نہیں شیرِ خودی تیز
 افسردہ اگر اس کی نوا سے ہو گلستاں
 بہتر ہے کہ خاموش رہے مرغِ سخنِ خیز
 وہ ضربِ اگر کوہِ شکن بھی ہو تو کیا ہے
 جس سے مستزلزل نہ ہوتی دولتِ پرز
 اقبال یہ ہے حصارِ تراشی کا زمانہ
 از چہرِ چہرِ بائیس نہ نمایندہ پرز

۶۳۹
 ضربِ کلیم
 ۱۳۹

پندرہویں ہند

عشق و ہستی کا جن زلفے تختیل ان کا
 ان کے اندیشہ تاریک میں قوموں کے مزار
 موت کی نقش گری ان کے صنم خانوں میں
 زندگی سے ہنسا ان برہمنوں کا بیزار
 چشم آدم سے چھپاتے ہیں مقامات بلند
 کرتے ہیں رُوح کو خواہ پند، بدن کو بیدار
 ہند کے شعور صورت کرو افسانہ نویس
 آہ، بیچاروں کے اعصاب پر عورتیں سوا



۶۲۰
 ضرب کلیم
 ۱۲۰

مرد بزرگ

اُس کی نفرت بھی عمیق، اُس کی محبت بھی عمیق
 قہر بھی اُس کا ہے اللہ کے بندوں پر نسیت
 پرورش پاتا ہے نعمت لیل کی تاریکی میں
 ہے ملکہ اُس کی طبیعت کا تقاضا نسیت
 انہن میں بھی میسر رہی خلوت اُس کو
 شمع محفل کی طرح سب کے جدا، سب کا نسیت
 مثل خورشیدِ سحرِ کبر کی تابانی میں
 بات میں سادہ و آزاوہ، معانی میں وقیق
 اُس کا اندازِ نظر اپنے زمانے سے جدا
 اُس کے احوال سے محرم نہیں سیرانِ طریق



۶۴۱
 ضربِ کلیم
 ۱۲۱

عالمِ نو

زندہ دل سے نہیں پوشیدہ ضمیرِ تقدیر
 خواب میں دکھتا ہے عالمِ نو کی تصویر
 اور جب بانگِ اذان کرتی ہے سیدار اُسے
 کرتا ہے خواب میں دکھی ہوئی دنیا سیر
 بدن اس تازہ جہاں کا ہے اسی کی کفِ خاک
 رُوح اس تازہ جہاں کی ہے اسی کی تکبیر

ایجادِ معانی

پہر چپند کہ ایسا و معانی ہے حسنِ راو
 کوشش سے کہاں مر و نہر مہنہ ہے ازا
 خونِ رگِ سدا کی گرمی سے ہے تعمیر
 میخِ چیتا فوط ہو کہ تختِ تازہ بر سزا

۶۲۲
 ضربِ کلیم
 ۱۲۲

بے محنتِ پیہم کوئی جوہر نہیں کھلتا
روشن شہزادہ شہ سے ہے خانہ سرگنا

موسیقی

وہ نغمہ سردی خونِ نزلِ سہرا کی دلیل
کہ جس کونسن کے تراپہ سہرتا نکال نہیں
نوا کو کرتا ہے موجِ نفَس سے زہرِ اُود
وہ نے نواز کہ جس کا ضمیر پاک نہیں
پھر ایں مشرق و مغرب کے لالہ زاروں میں
کسی چمن میں کبیر بانِ لالہ چال نہیں

ذوقِ نظر

خودی طلبِ بند تھی اُس نوحِ گرفتِ چینی کی
کہا غریب نے جلاوے سے دمِ تیریز

۶۲۳
ضربِ کلیم
۱۲۲

ٹھہر ٹھہر کر کہ بہت دل کشا ہے یہ منظر
 ذرا میں دیکھ تو لوں تا بس نام کی شمشیر!

شعر

میں شعر کے اسرار سے محرم نہیں لیکن
 یہ نکتہ ہے تاریخِ اُمم جس کی ہے تفصیل
 وہ شعر کہ پیغامِ حیاتِ ابدی ہے
 یا عنبرِ جبریل ہے یا بانابِ سرافیل!

رقص و موسیقی

شعر سے روشن ہے جانِ حیرتِ سیلِ ابھرن
 رقص و موسیقی سے ہے سوز و سرورِ انجمن
 فاش یوں کرتا ہے ال چینی حکیم اسرارِ فن
 شعر کو یا روحِ موسیقی ہے رقص اس کا بدن!

۶۲۲
 ضربِ کلیم
 ۱۲۲

ضبط

طریق اہل دنیسا سے گلہ شکوہ زمانے کا
 نہیں ہے زخم کھا کر آہ کرنا شانِ درویشی
 یہ نکتہ پیر و انانے مجھے خلوت میں سمجھایا
 کہ ضبطِ فغانِ شیریں فغانِ و باہری ویشی!

قص

چھوڑ پورے کے لیے رقصِ بن کے سنم پیچ
 روح کے رقص میں ہے ضربِ کلیم اللہی!
 جہلہ اس رقص کا ہے تشنگی کا مودہن
 جہلہ اس رقص کا درویشی و شاہنشاہی!



۶۲۵
 ضربِ کلیم
 ۱۲۵

سیاسیات مشرق و مغرب

۶۲۷
ضرب کلیم
۱۲۷

اشتراکیت

قوموں کی روش سے مجھے ہوتا ہے یہ معلوم
 بے سود نہیں زوس کی یہ گرمی رستار
 اندیشہ ہوا شوخی افکار پہ محبور
 فرسودہ طریقوں سے زمانہ ہوا ایسنا
 انساں کی ہوس نے جنھیں رکھا تھا چھپا کر
 کھلتے نظر آتے ہیں بتدیج وہ اسرا
 شران میں ہو غوطہ زن اے مرد مسلمان
 اللہ کرے تجھ کو عطا چاہت کر دے
 جو حرفِ قیل العفون میں پوشیدہ ہے اب تک
 اس فور میں شاید وہ حقیقت ہو نمودار



۶۲۸
 ضربِ کلیم
 ۱۲۸

کارل مارکس کی آواز

یہ علم و حکمت کی فہرہ بازی، یہ بحث و تکرار کی نمائش
 نہیں ہے، ذہنی کواکب کو اراپنے افکار کی نمائش
 تری کتابوں میں اے حکیم معاش رکھا ہی کیا ہے آخر
 خطوطِ حسنہ دار کی نمائش، مرز و کوچ دار کی نمائش
 جہانِ مغرب کے بت لڑوں میں کلیسیاؤں میں مدرسوں میں
 ہوس کی خونِ نریاں چھپاتی ہے عیال عیار کی نمائش

انقلاب

نہ ایشیا میں نہ یورپ میں سوؤ و سازِ حیات
 خودی کی موت سے یہ اور وہ ضمیر کی موت
 دلوں میں ولولہ، انقلاب سے پیدا
 قریب آگتی شاید جہانِ پیر کی موت!

۶۲۹
 ضربِ کلیم
 ۱۲۹

خوشامد

نہیں کارِ جہاں سے نہیں آگاہ، و سکن
 اربابِ نظر سے نہیں پوشیدہ کوئی راز
 کرتو بھی حکومت کے وزیروں کی خوشامد
 دستورِ نیا، اور نئے دور کا اعزاز
 معلوم نہیں ہے یہ خوشامد کہ حقیقت
 کہہ دے کوئی آلو کو اگر رات کا شہباز!

مناصب

ہوا ہے بندۂ مومن فسونی افرنگ
 اسی سبب سے قلند کی آنکھ ہے نم نال
 ترے بلند مناصب کی خیر سو ہا رب! ا
 کہ ان کے واسطے تو نے کیا خودی کو ہلاک

۱۵۰
 ضربِ کلیم
 ۱۵۰

مگر یہ بات چھپاتے سے چھپ نہیں سکتی
 سمجھ گئی ہے اسے ہر طبیعت چالاک
 شرابی کلم غلاموں کو کر نہیں سکتے
 خریدتے ہیں منقذ ان کا جوہر اور ال!

یورپ اور یہود

یہ عیش فرادان، یہ حکومت، یہ تجارت
 دل سینہ بے نور میں محسوس تہمتی
 تاریکی ہے افزائش سینوں کے دھوئیں سے
 یہ واہی امین نہیں شایان تجرتی
 ہے نزع کی حالت میں یہ تہذیب جاں مرک
 شاید ہوں کلیسا کے یہودی مثولی!



نفسیاتِ غلامی

شاعر بھی ہیں پیدا، علمِ سما بھی، حکما بھی
 حنالی نہیں قوموں کی غلامی کا زمانہ
 مقصد ہے ان اللہ کے بندوں کا مگر ایک
 پھر ایک ہے کوشِرحِ معانی میں سجانہ
 بہتر ہے کہ شیروں کو سلکھاویں رم آہو
 باقی نہ رہے شیر کی شیری کا فسانہ،
 کرتے ہیں غلاموں کو غلامی پہ ضامن
 تاویل مسائل کو بناتے ہیں ہبانہ



۶۵۲
 ضربِ کلیم
 ۱۵۲

بیشویا روس

روشن قضائے الہی کی بے عجب و غیب
 خبر نہیں کہ ضمیر جہاں میں ہے کیا بات
 ہوتے ہیں کس سر پر پیہ پاک کے واسطے مامو
 وہی کہ حفظِ حلیہِ پاک کو جانتے تھے نجات
 یہ وحیِ دہریتِ روس پر ہوتی نازل
 کہ توڑ ڈال کلیسیائیوں کے لات و منات!

آج اور کل

وہ کل کے غم ویشس کیچھ حق نہیں رکھتا
 جو آج خود اسروز و جب کرسوز نہیں ہے
 وہ قوم نہیں لائقِ سنا کار و سزا
 جس قوم کی تقدیر میں امروز نہیں ہے!

۶۵۳
 ضربِ کلیم
 ۱۵۲

مشرق

مری نوا سے کریببانِ لالہ چاک ہوا
 نسیمِ صبحِ چمن کی تلاش میں ہے ابھی
 نہ مصطفیٰ نہ رضا شاہ میں نمود اس کی
 کہ زورِ شرقِ بدن کی تلاش میں ہے ابھی
 مری خودی بھی سزا کی ہے مستحق لیکن
 زمانہ وارورسن کی تلاش میں ہے ابھی

سیاستِ افرنک

ترمی حرفیے یارب سیاستِ افرنک
 مگر ہیں اس کے پجاری فقط امیر و رئیس
 بنایا ایک ہی ابلیسراک سے نو
 بنائے خاک سے اُس نے دو صد ہزار ابلیس!

۶۵۲
 ضربِ کلیم
 ۱۵۲

خواب کی

دورِ حاضر ہے حقیقت میں وہی عہدِ قدیم
 اہلِ سبب اور وہ ہیں یا اہلِ سیاست ہیں امام
 اس میں پھیری کی کراہت ہے نہ میری کا ہے نور
 سیکڑوں صدیوں سے خوں کر ہیں سلامی کے عوام
 خواب کی میں کوئی مشکل نہیں رہتی باقی
 چنختہ ہو جاتے ہیں جب خوں کر سلامی میں غلام!

غلاموں کے لیے

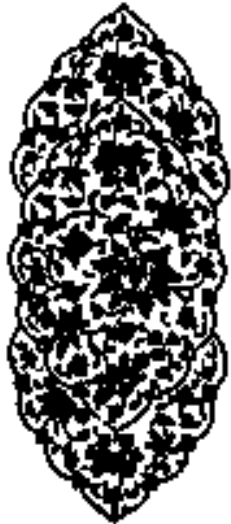
حکمتِ مشرق و مغرب نے سلکھایا ہے مجھے
 ایک نکتہ کہ غلاموں کے لیے کسیر
 دین ہو، سلف ہو، مقرر ہو، سلطان ہو
 ہوتے ہیں چنختہ عہد کی بنا پر کسیر

۶۵۵
 ضربِ کلیم
 ۱۵۵

صرف اُس قوم کا بے سوز، غسل زار و زبوں
ہو گیا نچتہ عقائد سے تہی جس کا ضمیر!

اہلِ مصر سے

خود ابوالہول نے یہ نکتہ سیکھا یا مجھ کو
وہ ابوالہول کہ ہے صاحبِ اسرارِ قدیم
فجستہ جس سے بدل جاتی ہے تعتیرِ اُمم
ہے وہ قوت کہ صرف اس کی نہیں عقلِ حکیم
ہرزمانے میں دلروں ہے طبیعت اس کی
کبھی شمشیرِ محمد ہے، کبھی چوہِ کلیم!



۶۵۶
ضربِ کلیم
۱۵۶

ابی سینیا

(۱۸ اگست ۱۹۲۵ء)

یورپ کے لڑکوں کو نہیں ہے ابھی خبر
 ہے کتنی زہرناک ابی سینیا کی لاش
 ہونے کو ہے یہ مُردہ دیرینہ قاش قاش!
 تہذیب کا کمال شرافت کا بے زوال
 غارت گری جہاں میں ہے اقوام کی معاش
 ہر لڑکے کو ہے بڑے معصوم کی تلاش!
 اے وائے ابروئے کلینا کا آئینہ
 رومانے کر دیا سر بازار پاش پاش
 پیہرِ کلینا! یہ حقیقت ہے دلخراش!



۶۵۶
 ضربِ کلیم
 ۱۵۶

ابلیس کا فرمان اپنے سیاسی فرزندوں کے نام*

لا کر بڑے سمنوں کو سیاست کے پیچ میں
 زُتاریوں کو دیر کھن سے نکال دو
 وہ فاقہ کش کہ موت کے ڈرنا نہیں ڈرا
 رُوحِ محمدؐ اس کے بدن سے نکال دو
 فکرِ عرب کو دے کے فرنگی تختیلات
 اسلام کو حجاز و یمن سے نکال دو
 افغانیوں کی غیرت دین کا ہے یہ علاج
 ملا کو اُن کے کوہ و دمن سے نکال دو
 اہلِ حرم سے اُن کی روایاں چھین لو
 اہپو کو مرعزہ زارِ ختن سے نکال دو

❁ بھوپال (شیش محل) میں لکھے گئے

۶۵۸
 ضربِ کلیم
 ۱۵۸

اقبال کے نفس سے ہے لالے کی آگ تیز
ایسے غزل سہرا کو چمن سے نکال دو!

* جمعیتِ اقوامِ مشرق

پانی بھی مُسخر ہے پتھر بھی مُسخر
کیا ہو جو نگاہِ فلک پر بدل جائے
دیکھا ہے ملو کیتیت افزا نے جو خواب
ممکن ہے کہ اُس خواب کی تعبیر بدل جائے
طہران ہو کر عالمِ مشرق کا جنیوا
شاید کمرۂ ارض کی تختہ دیر بدل جائے



✽ بھوپال (شمیش محل) میں لکھے گئے

سُلطانی جاوید

غواص تو فطرت نے بنایا ہے مجھے بھی
 لیکن مجھے اعماقِ سیاست سے پرہیز
 فطرت کو اور انہیں سُلطانی جاوید
 چرچند کہ یہ شعبہ بازی ہے دل آویز
 فرہاد کی خارا شکنی زندہ ہے اب تک
 باقی نہیں دنیا میں ملو کیت پڑیا

جمہوریت

اس راز کو ال * مرد فرنگی نے کیا فاش
 چرچند کہ وانا اسے کھولا نہیں کرتے

* استانِ ال

۶۶۰
 ضربِ کلیم
 ۱۶۰

جمہوریت اک طرز حکومت ہے کہ جس میں
بندوں کو لٹکا کرتے ہیں، تو لانا نہیں کرتے!

یورپ اور سوویا

فرنگیوں کو عطا خاکِ سوویا نے زلیب
نبیِ عفت و عنم خواری و کم ازاری
صدہ فرنگ سے آیا ہے سوویا کے لیے
مے و قمار و ہجومِ زنانِ بازاری!

مسو لینی *

(اپنے مشرقی اور مغربی حریفوں سے)

کیا زمانے سے نرالا ہے مسو لینی کا جرم!
بے محسب بلڑا ہے معصومانِ یورپ کا مزاج

* ۲۲ اگست ۱۹۳۵ء بھوپال (شیش محل) میں لکھے گئے

میں پھٹکتا ہوں تو پھلنی کو بُرا لگتا ہے کیوں
 ہیں سبھی تہذیب کے اوزار! تو پھلنی میں چھلج
 میرے سوداے ملوکیت کو ٹھکراتے ہو تم
 تم نے کیا توڑے نہیں کمزور قوموں کے رُجح؟
 یہ عجائب شعبدے کس کی ملوکیت کے ہیں
 راجدھانی ہے، مگر باقی نہ راجہ ہے نہ راج
 ال سیز چو پنے کی آبیاری میں ہے
 اور تم ڈنیا کے بخر بھی نہ چھوڑو بے خراج!
 تم نے لوٹے بے نوا صحرائشینوں کے خیام
 تم نے لوٹی کشتِ دہقان تم نے لوٹے تختِ تاج
 پردہ تہذیب میں غارتگری آدم کشی
 کل زوار کھی تھی تم نے، میں زوار کھتا ہوں آج!



۶۶۲
 ضربِ کلیم
 ۱۶۲

گکہ

معلوم کسے پسند کی تفتدیر کہ اب تک
 بیچارہ کسی تاج کا تا پسند نہ کھیں ہے
 دہشتاں ہے کسی قبر کا اگلا ہوا مردہ
 بوسیدہ کفن جس کا ابھی زیر زمین ہے
 جاں بھی لکڑو غمیر بدن بھی لکڑو غمیر
 افسوس کہ باقی نہ مکاں ہے نہ عین ہے
 یورپ کی عنلامی پہ رضامند ہوا تو
 مجھ کو تو گکہ تجھ سے ہے یورپ سے نہیں ہے!

انتداب

کہاں فرشتہ تہذیب کی ضرورت ہے
 نہیں زمانہ جس حاضر کو اس میں دشواری

جہاں شمار نہیں زنِ شکر لباس نہیں
 جہاں آرام ہاتے ہیں شعلِ نل سے خواری
 بدن میں گرچہ ہے اک رُوحِ ناشکیب و سیت
 طرعتِ آبِ جَد سے نہیں ہے بیزاری
 خُور و زریک و پُر دم ہے بچ پتر بدوی
 نہیں ہے فیضِ مکاتب کا چشمہ جاری
 نطن و زرانِ سنرنگی کا ہے یہی سنتوی
 وہ سنر میں مدنیستے ہے ابھی عاری!

لا دین ستیا

جو باستحق ہو وہ مجھ سے چھپی نہیں رہتی
 خدا نے مجھ کو دیا ہے دلِ خسیر و بصیر
 مری نگاہ میں ہے یہ سیاستِ لا دین
 کس نیز اہر من و دوں نہاد و مردہ خسیر

۶۶۲
 ضربِ کلیم
 ۱۶۲

ہوتی ہے ترکِ کلیسا سے حال کی آزاد
 فرنگیوں کی سیاست ہے دیوبند زنجیر
 متاعِ غم یہ رہتی ہے جب نظر اس کی
 تو ہیں ہر اول شکرِ کلیسا کے سفیر!

دامِ تہذیب

اقبال کو شک اس کی شرافت میں نہیں ہے
 ہر ملتِ مظلوم کا یورپ ہے حسدِ ریا
 یہ پیرِ کلیسا کی کراہت ہے کہ اس نے
 بجلی کے چراغوں سے منور کیے افکار
 جلتا ہے ملکِ شام و فلسطین چمر اول
 تہذیب سے کھلتا نہیں عجمتِ دشا
 ترکانِ جفا پیشہ کے پنجے سے نکل کر
 بیچارے ہیں تہذیب کے پھندے میں گرفتار!

۶۶۵

ضربِ کلیم

۱۶۵

نصیحت

اک لڑو سنزنگی نے کہا اپنے پسر سے
 منظر وہ طلب کر کہ تری آنکھ نہ پوسیر
 بیچارے کے حق میں ہے یہی سب بڑا مسلم
 بڑے پہ الرفاشس کریں قاعدہ شیر
 سینے میں رہے راز نلوکانہ تو بہت
 کرتے نہیں محکم کو تیغوں کے کبھی یہ
 تعلیم کے تیزاب میں ڈال اس کی خودی جو
 ہو جائے ملامت تو جدھر چاہے اسی پسر
 تاثیر میں اکسیر سے بڑھ کر ہے یہ تیزاب
 سونے کا ہمالہ ہو تو مٹی کا ہے اک ڈھیر!



۶۶۶

ضرب کلیم

۱۶۶

ایک محرمی قزاق اور سکند

سکند

جہلہ تیرا تری زنجیر یا شمشیر ہے میری
کہ تیری رہزنی سے تنگ ہے دریا کی پہنائی!

قزاق

سکندر! حیف تو اس کو جو ان مہر می سمجھتا ہے
گو ارا اس طرح کرتے ہیں چشموں کی رسوائی؟
ترا پیشے سفاکی، مرا پیشے سفاکی
کہ ہم تیرا ق ہیں و نوں تو سیدانی، میں دریائی!



۶۶۷
ضریحہ کلیم

۱۶۷

جمعیتِ اوقام

بچپاری کئی روز سے دم توڑ رہی ہے
 ڈر ہے خیر بد نہ مرے مُنہ سے نکل جائے
 تقدیر تو مُنہ سے نظر آتی ہے ویسے
 پیرانِ کلیسا کی دعائے یہ ہے کہ ٹل جائے
 ممکن ہے کہ یہ دوا شہتیر پیرا فرناک
 ابلیس کے تعویذ سے کچھ روز سنبھل جائے!

شامِ وین

زندہ ان نسیرائیس کا مینا نہ سلامت
 پر ہے مگر گناہ سے ہر شیشہ حلب کا
 ہے خاکِ فلسطین یہ یہودی کا الحق
 ہسپانیہ پر حق نہیں کیوں اہل عرب کا

۶۶۸
 ضربِ کلیم
 ۱۶۸

مقصد ہے ملوکیت انگلیس کا کچھ اور
قصہ نہیں نارج کا یا شہد و رطب کا

سیاسی پیشوا

اُمید کیا ہے سیاست کے پیشواؤں سے
یہ خال باز ہیں رکھتے ہیں خاک سے پیوند
ہمیشہ مور و مگس پر نگاہ ہے ان کی
جہاں میں ہے صفتِ عنکبوت ان کی کند
خوشا وہ قافلہ جس کے امیر کی ہے ستاع
تخیلِ ملوٹی جب ذبہ ہاتے بلند!

نفسیاتِ غلامی

سخت باریک ہیں امراضِ اُمم کے اسباب
کھول کر کہیے تو کرتا ہے بیباں کو تاپی

دین شیری میں غلاموں کے امام اور شیوخ
 دیکھتے ہیں نقطہ ال فلسفہ زوہاسی
 ہوا اگر قوتت و عون کی درپردہ مرید
 قوم کے حق میں ہے لعنت وہ کلیم اللہ!

غلاموں کی نماز

(ترکی وفدِ لال احمد لاپور میں)

کہا مجھ سے کہ ترکی نے مجھ سے بعد نماز
 طویل سجڈ ہیں کیوں اس قدر تمہارے امام
 وہ سادہ مردِ مجاہد، وہ مومنِ آزاد
 خبر نہ تھی اُسے کیا چیز ہے نمازِ غلام
 ہزار کام ہیں مردانِ حُر کو دنیا میں
 انھی کے ذوقِ عمل سے ہیں امتوں کے نظام

۶۴۰
 ضربِ کلیم
 ۱۴۰

بدن عن سلام کا سوزِ عمل سے ہے محروم
 کہ ہے مُرورِ غلاموں کے روز و شب پہ حرام
 طویل سجدہ اگر ہیں تو کیا تعجب ہے
 ورائے سجدہ غریبوں کو اور کیا ہے کام
 خدا نصیب کرے پسند کے اماموں کو
 وہ سجدہ جس میں ہے قلت کی زندگی کا پیام

فلسطینی عرب سے

زمانہ اب بھی نہیں جس کے سوز سے فارغ
 میں جانتا ہوں وہ آتش ترے وجود میں ہے
 تری دوانہ جنیوا میں ہے نہ لندن میں
 فرنگ کی رگِ جاں سنجہ یہ یہود میں ہے
 سنا ہے میں نے غلامی سے امتوں کی جانت
 خودی کی پرورش و لذت نمود میں ہے

۶۶۱
 ضربِ کلیم

۱۶۱

مشرق و مغرب

یہاں مرض کا سبب غلامی و تہمت لید
 وہاں مرض کا سبب نظامِ بھوری
 نہ مشرق اس کے بری ہے نہ مغرب اس کے بری
 جہاں میں عالم ہے قلب و نطفہ کی رنجوری

نفسیاتِ حامی

(اصلاحات)

یہ ہے بے خبری صیاد کا پرہ
 اتنی نہ مرے کام مری تازہ صفیری
 رکھنے لگا مڑھباتے ہوئے پھولِ قفس میں
 شاید کہ اسیروں کو لوارا ہو اسیری!



۶۶۲
 ضربِ کلیمہ
 ۱۶۲

محراب کنگل افغان کے انکار



محراب گل افغان کے افکار



میرے کہستاں! تجھے چھوٹے جاؤں کہاں
 تیری چٹانوں میں ہے میرے آب و جد کی خاک
 روزِ ازل سے ہے تو منزلِ شاہینِ مرغ
 لالہ و گل سے تھی عنبرِ نعل سے پاک
 تیرے حسنِ پیچ میں میری ہشت بے
 خاک تیری عنبریں اب ترا تا بنال



۶۶۲
 ضربِ کلیم
 ۱۶۲

باز نہ ہو گا کبھی بندہ کبک موسم
 حفظِ بدن کے لیے رُوح کو کروں ہلاک!
 اے مرے فقرِ غیور! فیصلہ تیرا ہے کیا
 خلعتِ انگریز یا سپرین چاک چاک!



حقیقتِ ازلی ہے رقابتِ اقوام
 نگاہِ پیرِ فلک میں نہ میں عزیز نہ تو
 خودی میں ڈوب زمانے سے ناامید نہ ہو
 کہ اس کا زخم ہے در پر وہ آہتممِ فو
 رہے گا تو ہی جہاں میں جگانہ ویستا
 اتر لیا جو ترے دل میں لاشکر نیک لہ



۶۶۵
 ضربِ کلیم
 ۱۶۵



ترمی دُعا سے قضا تو بدل نہیں سکتی
 مگر ہے اس سے یہ ممکن کہ تُو بدل جائے
 ترمی خودی میں اگر نعتِ اَب ہو پید ا
 عجب نہیں ہے کہ یہ چار سُو بدل جائے
 وہی شراب، وہی ہاے و ہُو رہے باقی
 طریقِ ساقی و رسمِ کدُو بدل جائے
 ترمی دُعا ہے کہ ہوتی سیری آرزو پوری
 مری دُعا ہے ترمی آرزو بدل جائے!



کیا چرخِ کج رو، کیا مہر، کیا ماہ
 سب راہرو ہیں و اماندہ راہ

۶۶۶
 ضربِ کلیم
 ۱۶۶

کڑکا سکندر بجلی کی مانند
 تجھ کو خبر ہے اسے مرگِ ناکاہ
 نادر نے لوٹی دلی کی دولت
 اک ضربِ شمشیر، افسانہ کوتاہ
 افسانہ باقی، کسار باقی
 اٹھ کھڑے! اٹھ کھڑے!
 حاجت سے مجبور مردانِ آزاد
 کرتی ہے حاجت شیروں کو روباہ
 محرمِ خودی سے جس دم ہوا فقر
 تو بھی شہنشاہ، میں بھی شہنشاہ!
 قوموں کی تقدیر وہ مردِ درویش
 جس نے نہ ڈھونڈی سلطان کی درگاہ



۶۷۷
ضربِ کلیم

۱۷۷



یہ مدرسہ یہ کھیل یہ غوغائے روارو
 اس عیشِ فراواں میں ہے ہر لحظہ غم نو
 وہ علم نہیں زہر ہے آسرار کے حق میں
 جس علم کا حاصل ہے جہاں میں دو کف جو
 ناداں! ادب و فلسفہ کچھ چیز نہیں ہے
 اسبابِ ہنر کے لیے لازم ہے تک و دو
 فطرت کے نوا میں ہے غالب سے ہنر مند
 شام اس کی ہے مانند سحر صاحبِ پرتو
 وہ صاحبِ فن چاہے تو فن کی برکت سے
 ٹپکے بدن سے شبنم کی طس جھنوا



۶۷۸
 ضربِ کلیم
 ۱۷۸



جو عالم ایجاد میں ہے صاحب ایجاد
ہر دور میں کرتا ہے طوائف اس کا زمانہ

تقلید سے ناکارہ نہ کر اپنی خودی کو
کر اس کی حفاظت کہ یہ گوہر ہے یہ گمانہ

اُس قوم کو تجلید کا سینا مبارک!
ہے جس کے تصور میں فقط بزم شبانہ

لیکن مجھے ڈر ہے کہ یہ آوازۂ تجلید
مشرق میں ہے تقلیدِ فرنگی کا ہنہ



۶۶۹
ضربِ کلیم
۱۶۹



رومی بد لے، شامی بد لے، بدلا ہندوستان
تو بھی اے فرزندِ کہستاں! اپنی خودی پہچان

اپنی خودی پہچان
او غافلِ فہستان!

موسم اچھا، پانی و ہنس، مٹی بھی زرخیز
جس نے اپنا کھیت نہ سینچا، وہ کیسا دہقان

اپنی خودی پہچان
او غافلِ فہستان!

اُونچی جس کی لہر نہیں ہے، وہ کیسا دریائے
جس کی ہوائیں تند نہیں ہیں، وہ کیسا طوفان

اپنی خودی پہچان
او غافلِ فہستان!

۴۸۰
ضربِ کلیم
۱۸۰

ٹھونڈ کے اپنی خاک میں جس نے پایا اپنا آپ
اُس بندے کی وسعتانی پر سلطانِ قربان

اپنی خودی پہچان

او غافلِ فہمان!

تیری بے علمی نے رکھ لی بے علموں کی لاج
عالمِ فاضل بیچ رہے ہیں اپنا دین ایمان

اپنی خودی پہچان

او غافلِ فہمان!



زراغ کہتا ہے نہایت بد نما ہیں تیرے پر
شپرک کہتی ہے تجھ کو کور چشم بے ہنر
لیکن اے شہباز! یہ مرغِ ان صحرا کے اچھوت
ہیں فضائے نیلگوں کے پیچ و خم سے خبر

ان کو کیا معلوم اُس سارے کے احوال و مقام
رُوح ہے جس کی دم پرواز ستارہ پلنگ!



عشق طینت میں فرومایہ نہیں مثلِ ہوس
پر شہباز سے ممکن نہیں پروازِ مگس
یوں بھی دستورِ گلستاں کو بدل سکتے ہیں
کہ شیمنِ چمنِ اول یہ کراں مثلِ قفس
سفرِ آمادہ نہیں منتظرِ بانگِ ریل
ہے کہاں قافلہ موج کو پروائے جبرس!
گرچہ مکتب کا جواں زندہ نطن آتا ہے
مردہ ہے مانا کے لایا ہے فرنگی سے نفس
پرویشِ دل کی اگر نطن ہے تہجد کو
مرد مومن کی نگاہِ نطن انداز ہے بس!

۶۸۲
ضربِ کلیم
۱۸۲



وہی جواں ہے قبیلے کی آنکھ کا تارا
 شبِ شبیں کا ہے بے داغِ ضربِ بے کاری
 اگر ہو جنک تو شیرانِ غائب کے بڑھ کر
 اگر چو سلیح تو رعنِ عنزالِ تاروی
 عجب نہیں ہے اگر اس کا سوز ہے ہمہ سوز
 کہ نیستاں کے لیے بسجِ ایسا چنگاری
 خدا نے اس کو دیا ہے شکوہِ سلطانِ
 کہ اس کے فقر میں ہے حیدری و کتراری
 نگاہِ کم سے نہ دیکھ اس کی بے گلاہی کو
 یہ بے گلاہ ہے سرمایہ کلمہ داری





جس کے رتوں سے منور تیری سیری شب پوش
 پھر بھی ہو سکتا ہے روشن چہ پر انغ خاموش
 مرد بے جو حسد کرتا ہے زمانے کا گلہ
 بندہ جس کے لیے شہرِ تقدیر ہے پوش
 نہیں پسنگا مریہ پیکار کے لائق وہ جوان
 جو ہوا مالہ مرعنانِ سحر کے مد پوش
 مجھ کو ڈر ہے کہ ہے طعنہ لاناہ طبیعت تیری
 اور عیت سار ہیں بوریہ کے شکر پارہ فر پوش!



لا دینی و لا سینی، بس بیچ میں ابھاتو
 وارو ہے ضعیفوں کا لا غالب الّاھو،

۶۸۲

ضربِ کلیم

۶۸۲

صیاد معانی کو پورے پکے نمبر سی
 وکاش سے فضا لین بے نام تمام اہو
 بے اشک سحر کا ہی تقویم خودی شکل
 یہ لالہ پیکانی خوشتر ہے کمنار جو
 صیاد ہے کافر کا، پنچ پر ہے مومن کا
 یہ دیر لہن یعنی تختانہ رنگ و بو
 اے شیخ، امیروں کو جس سے نکلاو اوسے
 ہے ان کی نسا زوں سے محراب شس اربو



مجھ کو تو یہ ذنیب نظر آتی ہے دگرگوں
 معلوم نہیں دیکھتی ہے تیری نظر کیا
 چہ سینے میں اک صبح قیامت ہے نمودار
 انکار جوانوں کے ہوتے زیر و زبر کیا

کر سکتی ہے بے ہوشی کو جینے کی تلافی
 اے پیرِ حرمِ تیسری مناجاتِ سحر کیا
 ممکن نہیں تخیلِ خدایہ خودی حنائیوں سے
 اس شعلہٴ نغمِ خوردہ سے ٹوٹے کا شکر کیا!



بے جراتِ نڈانہ ہر عشق ہے رُو باہی
 بازو ہے قومی برس کا، وہ عشقِ دیدار ہی
 جو سختی منزل کو سامانِ سخن سمجھے
 اے وائے تنِ آسانی! ناپید ہے وہ راہی
 وحشتِ نہ بھجھ اس کو اے فردِ مسیانی!
 کھسار کی خلوت ہے تعلیمِ خود کا رہی
 دُنیا ہے روایاتی، عقوبتی ہے مناجاتی
 دربارِ دو عالم را، این است شہنشاہی!

۲۸۶

ضربِ کلیم

۱۸۶



آدم کا خمیسا اس کی حقیقت پہ ہے شاید
 مشکل نہیں اے سالک! اب علم تیری
 فولادوں سے رہتا ہے شیر کے لائق
 پیدا ہو اگر اس کی طبیعت میں صبری
 خود دار نہ ہو فتور تو ہے قسمِ الہی
 جو صاحبِ غیرت تو ہے تمہیں امیری
 افزائش ز خود بے خبرت کرو ورنہ
 اے بندہ مومن! تو بشیری! تو نذیری!



قوموں کے لیے ہوتے ہیں مرکز سے جدائی
 جو صاحبِ مرکز تو خودی کیا ہے خدائی!

۲۸۶

ضربِ کلیم

۱۸۶

جو فہم تر نہوا تلمنخی دوران کا گلہ مند
 اُس فہم تر میں باقی ہے ابھی بوئے کدائی
 اس فور میں بھی مردِ حُشا کو ہے پیٹیر
 جو مجبوزہ پرست کو بنا سکتا ہے رانی
 در معرکہ بے سوز تو ذوقِ قے نتواں یافت
 اے بندۂ مومن تو کجائی تو کجائی
 خورشیدِ ابرار پر وہ شوق سے نکل کر
 پہنا مرے کھسار کو ملبوسِ حسنائی



اگل اس کی ٹھونک دیتی ہے برناو پیر کو
 لالحوں میں ایک بھی چو الرصاحب یقین
 ہوتا ہے کوہ و دشت میں پیدا کبھی بھی
 وہ مرد جس کا فہم تر خرف کو لے نہ جیں

۶۸۸
 ضربِ کلیم
 ۱۸۸

تُو اپنی سر نوشت اب اپنے قلم سے لکھ
 خالی رکھی ہے حسرتِ حق نے تیری بسیر
 یہ نیلگوںِ فضلِ جبرے کہتے ہیں آسماں
 ہمتِ پور کشتا تو حقیقت میں کچھ نہیں
 بالائے سر رہا تو ہے نام اس کا آسماں
 زیرِ پر کیا تو ہی آسماں، زمین!



پیکتِ خوب کہا شیر شاہ سُوری نے
 کہ استیازِ قبائل تمام تر خواری
 عزیز ہے انہیں نامِ وزیری و محسود
 ابھی یہ خلعتِ افضانیت سے ہیں عاری
 ہزار پارہ ہے کسار کی سلمانی
 کہ ہر قبیلہ ہے اپنے بتوں کا زقاری

۶۸۹

ضربِ کلیم

۱۸۹

وہی حرم ہے وہی عمارت و مناسبت
 حُدا نصیب کرے تجھ کو ضربِ کاری!



نگاہ وہ نہیں جو سرخ و زرد پہچانے
 نگاہ وہ ہے کہ محتاجِ مشورہ نہیں
 فرنگ سے بہت آگے ہے منزلِ مومن
 قدم اٹھا یہ تمام انتہائے راہ نہیں
 کھلے ہیں سب کے لیے غریبوں کے مکانے
 علوم تازہ کی کستریاں سناہ نہیں
 اسی سرور میں پوشیدہ موت بھی ہے ترمی
 ترے بدن میں الرسوز لالہ نہیں
 سنیں گے میری صدا خانزادگانِ کبیر؟
 گلیم پوش ہوں میں صاحبِ کلاہ نہیں!

۶۹۰
 ضربِ کلیم
 ۱۹۰



فطرت کے مقاصد کی کرتا ہے نہ گہبانی
 یا بندہ صحرائی یا مردِ گہستانی
 دنیا میں محاربت ہے تہذیب فوسوں لڑکا
 ہے اس کی فستیری میں ساری سلطان
 یہ حسن لطافت کیوں وہ قوت و شوکت کیوں
 بلبلِ چمنستانی شہبازِ سیامانی
 اے شیخِ بہت اچھی محبت کی فضا، لیکن
 بنتی ہے سیاہاں میں ناروقی و سلمانی
 صدیوں میں کہیں پیدا ہوتا ہے حرفِ اس کا
 تلوار تہ تیہی میں صہبائے مسلمانانی



۲۹۱

ضربِ کلیم

۱۹۱

۲۱
 اللہ تعالیٰ نے ہر ایک کو اپنی جگہ پر رکھا ہے اور ہر ایک کو اپنی ذمہ داری سونپی ہے۔
 اللہ تعالیٰ نے ہر ایک کو اپنی جگہ پر رکھا ہے اور ہر ایک کو اپنی ذمہ داری سونپی ہے۔
 اللہ تعالیٰ نے ہر ایک کو اپنی جگہ پر رکھا ہے اور ہر ایک کو اپنی ذمہ داری سونپی ہے۔
 اللہ تعالیٰ نے ہر ایک کو اپنی جگہ پر رکھا ہے اور ہر ایک کو اپنی ذمہ داری سونپی ہے۔
 اللہ تعالیٰ نے ہر ایک کو اپنی جگہ پر رکھا ہے اور ہر ایک کو اپنی ذمہ داری سونپی ہے۔
 اللہ تعالیٰ نے ہر ایک کو اپنی جگہ پر رکھا ہے اور ہر ایک کو اپنی ذمہ داری سونپی ہے۔
 اللہ تعالیٰ نے ہر ایک کو اپنی جگہ پر رکھا ہے اور ہر ایک کو اپنی ذمہ داری سونپی ہے۔
 اللہ تعالیٰ نے ہر ایک کو اپنی جگہ پر رکھا ہے اور ہر ایک کو اپنی ذمہ داری سونپی ہے۔
 اللہ تعالیٰ نے ہر ایک کو اپنی جگہ پر رکھا ہے اور ہر ایک کو اپنی ذمہ داری سونپی ہے۔
 اللہ تعالیٰ نے ہر ایک کو اپنی جگہ پر رکھا ہے اور ہر ایک کو اپنی ذمہ داری سونپی ہے۔



۴۹۲
 ضرب کلیم
 ۱۹۲

ارمغانِ حجاز

اُردو

اقبال

۶۹۳
ارمغانِ حجاز

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

فہرست

۷۰۱/۹	ابلیس کی مجلس شوریٰ	۱
۷۱۳/۲۱	بڈھے بلوچ کی نصیحت بیٹے کو	۲
۷۱۵/۲۳	تصویر و مصوٰر	۳
۷۱۶/۲۵	عالم برزخ	۴
۷۲۱/۲۹	مسنزل شہنشاہ	۵
۷۲۲/۳۰	دوزخی کی سنا جاست	۶
۷۲۳/۳۱	مسعود مرحوم	۷
۷۲۶/۳۲	آوازِ غیب	۸

۶۹۵
ارغانِ حجاز
۳

رُبا عیادت

- ۱ مری شاخ اہل کا ہے ترکیا ۴۲۹/۲۷
- ۲ فراغت سے اسے کار جہاں سے ۴۳/۳۸
- ۳ دگر لوں عالم شام و بحر کر ۴۳/۳۸
- ۴ عنبر ہی میں ہوں محسوس آسری ۴۳۱/۳۹
- ۵ حنر و کی تنگ دامانی سے سنریا ۴۳۱/۳۹
- ۶ کہا اقبال نے شیخ حرم سے ۴۳۲/۴۰
- ۷ گنہن ہنکار ہاتے آرزو سرد ۴۳۲/۴۰
- ۸ حدیث بندہ مومن دل آویز ۴۳۳/۴۱
- ۹ تیسرے خار و گل سے آشکارا ۴۳۳/۴۱
- ۱۰ نہ کر ذکر منراق و آشنائی ۴۳۴/۴۲
- ۱۱ ترے دریا میں طوفان کیوں نہیں ہے ۴۳۴/۴۲
- ۱۲ حنر و دیکھے اگر دل کی نگہ سے ۴۳۵/۴۳
- ۱۳ کبھی دریا سے مشیل موج ابھر کر ۴۳۵/۴۳

۶۶۶
ارغان مجاز
۲

ملا زادہ خصوصی لولابی کشمیری کا بیاض

- | | |
|--------|---|
| ۴۳۷/۲۵ | ۱ پانی ترے چشموں کا تڑپتا ہوا سیلاب |
| ۴۳۸/۲۶ | ۲ موت ہے اک سخت تر جس کا غلامی ہے نام |
| ۴۳۹/۲۷ | ۳ آج وہ شیر ہے محکوم و مجبور و فستیر |
| ۴۳۹/۲۷ | ۴ گرم ہو جاتا ہے جب محکوم قوموں کا لہو |
| ۴۴۰/۲۸ | ۵ و تاج کی پرواز میں ہے شوکت شاہیں |
| ۴۴۱/۲۹ | ۶ رندوں کو بھی معلوم ہیں صوفی کے کمالات |
| ۴۴۱/۲۹ | ۷ نکل کر حن نفاہوں سے ادا کر رسم شہیری |
| ۴۴۲/۵۰ | ۸ سمجھا لہو کی بوند اگر تو اسے تو خیر |
| ۴۴۳/۵۱ | ۹ کھنڈا جب چسپن میں کتب خانہ گل |
| ۴۴۴/۵۲ | ۱۰ ازاد کی رک سخت ہے مانند رک سندر |
| ۴۴۵/۵۳ | ۱۱ تمام عارف و عامی خودی سے بیگانہ |
| ۴۴۶/۵۴ | ۱۲ و لڑکوں جہاں ان کے زور عمل سے |

۴۲۷/۵۵	۱۳	نشاں یہی ہے زمانے میں زندہ قوموں کا
۴۲۸/۵۶	۱۴	چہ کافرانہ قمارِ حیات می بازی
۴۲۹/۵۷	۱۵	ضمیمہ سیرِ سبکے تاجرانہ ضمیرِ مشرق ہے رہبانہ
۴۵۰/۵۸	۱۶	حاجت نہیں اے خطہٴ کل شرح و بیاساں کی
۴۵۱/۵۹	۱۷	خود آگاہی نے سکھلا دی ہے جس کو تن فراموشی
۴۵۱/۵۹	۱۸	اے عزمِ بلند آور اے سوزِ جگر اور
۴۵۲/۶۰	۱۹	غریب شہریوں میں سن تو لے مری فریاد



۴۵۳/۶۱	۱	سراکبرِ حیدری
۴۵۳/۶۲	۲	صدرِ اعظم حیدرآباد و حن کے نام
۴۵۳/۶۲	۳	حضرت انساں



۴۹۸
ایمانِ حجاز

۶

اُردو نظمیں

۴۹۹
اسحاق مجاز

ابلیس در مجلس خود سے

ابلیس

۱ یہ غاصر کا پرانا کھیل! یہ دنیا ہے دروں!
ساکنینِ عرشِ اعلم کہ تمہاروں ہوں!

۲ ~~سنجیدہ~~ اگر کہ شہزادوں کا بیچ آمان ہے وہ لاکھوں
جنے اگر نام رکھا ~~تھا~~ جہان کاف و زور

۳ کون کرے گا ہے اسے آتش خودوں کو سرد

حک مٹھا مولیٰ میرا ابلیس ہونے دروں
۴ ~~مٹھے~~ دکھ دیا زندگی کو حرکت ہونے غریب

۵ نے ~~ہند~~ توڑا ~~میرا~~ مسجد و دیر و کلیسا ہونوں!

۶ ~~مٹھے~~ ناداروں کو کھلے ہاتھ تندر کا

۷ نے ~~ہند~~ غم کو دیا سرمایہ دلدار ہونوں!

۸ ~~مٹھے~~ جگہ جگہ جگہ جگہ جگہ جگہ جگہ جگہ

کون کرے گا ہے اسے کلک کن کو سڑکوں!

۷۰۰
ایمان حجاز
۸

ابیس کی محاکمہ شوریٰ

۱۹۳۶ء

ابیس

یہ عین صبر کا پُرانا کھیل، یہ دنیا کے فُوں
ساکنانِ عیشِ عظیم کی تمستوں کا خون!
اس کی بربادی پہ راجِ امانہ ہے وہ کار ساز
جس نے اس کا نام رکھا تھا جہانِ کافروں
میں نے دیکھا لایا فرنگی کو ملوکتیت کا خواب
میں نے توڑا مسجد و دیر و کلیسا کافسوں

۶۰۱
ارغوان مجاز

۹

میں نے ناداروں کو سکھلایا سبق تفتدیر کا
 میں نے مُنعم کو دیا ساری کا جنوں
 کون کر سکتا ہے اس کی آتش سوزاں کو سرد
 جس کے ہنکاموں میں ہو اب یہ کس سوزوں
 جس کی شاخیں ہوں ہماری آبیاری سے بلند
 کون کر سکتا ہے اُس نخل لہن کو سرتنگوں!

پہلا شیر

اس میں کیا شک ہے کہ محکم ہے یہ ابلیسی نظام
 پُختہ تر اس سے ہوتے خوتے غلامی میں عوام
 ہے ازل سے ان عنبریوں کے مقدر میں سجود
 ان کی فطرت کا تقاضا ہے نماز بے قیام
 ارزوا اول تو پیدا ہو نہیں سکتی کہیں
 ہو کہیں پیدا تو مر جاتی ہے یا رہتی ہے خام

۷۰۲
 اربعان مجاز
 ۱۰

یہ ہماری سعی پیسہ کی کراہت ہے کہ آج
 صوفی و ملاطو لیتے ہیں کہ ہم
 طبع شرق کے لیے موزوں ہی افیون تھی
 ورنہ قوالی سے کچھ کم تر نہیں و علم کلام
 ہے طواف و حج کا سنگار الربانی تو کیا
 گندہو کر رہ گئی مومن کی تیغ بنیام
 کس کی نو میدی پختے ہیں نرمان جدید؟
 ہے جہاں اس دور میں مرد مسلمان پر حرام!

دوسرا شیر

خیر ہے سلطانِ جمہور کا غوغا کہ شر
 تو جہاں کے تازہ فتنوں سے نہیں ہے باخبر!

پہلا شیر

چوں ہرگز یہ ساری جہاں اپنی بتاتی ہے مجھے
 جو ملوکیت کا ال پروہ ہو گیا اس نے خطر
 ہم نے خود شاہی کو پہنایا ہے جمہوری لباس
 جب ذرا دم ہوا ہے خود شناس خود نگر
 کاروبار شہری کی حقیقت اور ہے
 یہ وجود میں و سلطان پر نہیں ہے منحصر
 مجلس ملت ہو یا پرویز کا دربار ہو
 ہے وہ سلطان، غیر کی کھیتی یہ ہو جس کی نظر
 ٹوٹنے کیا دیکھا نہیں مغرب کا جمہوری نطنام
 چہرہ روشن، اندروں چنگیز سے تاریک ترا

۷۰۲
 اصغان مجاز
 ۱۲

تیسرا شیر

روحِ سلطانی رہے باقی تو پھر کیا خط

ہے مگر کیا اس یہودی کی شرارت کا جواب؟

وہ حکیم ہے تجھ سے تلی، وہ مسیح ہے رھیب

نہیست پیغمبروں کی کن و پر عمل دار و کتاب

کیا بتاؤں کیا ہے کافر کی نگاہ پر وہ سوز

مشرق و مغرب کی قوموں کے لیے روزِ حساب!

اس سے بڑھ کر اور کیا چوکا طبیعت کا فساد
توڑ دی بندوں نے آقاؤں کے خمیوں کی طناب!

چوتھا شیر

توڑ اس کا رومۃ اللبر کے ایوانوں میں دیکھ

اے سیر کو دکھایا ہم نے پھر سیر کا خواب

کون بحرِ روم کی موجوں سے ہے لپٹا ہوا
گاہ بالہ چوں صحنِ نوبر گاہ نالہ چوں باب

تیسرا شیر

میں تو اس کی عاقبت بینی کا کچھ قائل نہیں
جس نے زافرنگی سیاست کو کیا یوں بے حجاب

پانچواں شیر

(ابلیس کو مخاطب کر کے)

اے ترے سوزِ نفس سے کارِ عالم استوار
ٹوٹے جب چاہا، کیا بہرِ پرولی لو اشکار
اب کل تیری حرارت کے جہانِ سوز و ساء
ابدِ جنت تری تسلیم سے دانائے کار

۷۰۶
ایمانِ مجاز
۱۲

تجھ سے بڑھ کر فطرت آدم کا وہ مجرم نہیں
 ساوہ دل بندوں میں جو مشورے پروردگار
 کام تھا جن کا فقط تقدیس و تسبیح و طواف
 تیری غیبت سے ابتدا تک نہ خون و شرمسار
 کرچہ ہیں تیری زریں زریں ان کے جسم
 اب مجھے ان کی فراست پر نہیں بے اعتبار
 وہ یہودی فرستندہ کہ وہ رُوح مزوک کا برو
 قہر باسوزے کو ہے اس کے جنوں سے تار مار
 زناغ و شستی ہو رہا ہے ہر شاہین و چرخ
 کتنی نرعت سے بدلتا ہے مزاج روزگار
 چھا لتی آشفقت ہو کر وسعت افلاک پر
 جس کو نادانی سے ہم سمجھتے آں مشیتِ غیباً
 فتنہ و زالی ہو سیتا یہ عالم ہے کہ آج
 کانپتے ہیں کوہِ سار و مرغزار و جوہا

میرے آقا! وہ جہاں زیر و زبر ہونے کو ہے
جس جہاں کا ہے فقط تیری سیادت پر مدار

ابیس

(اپنے نشیروں سے)

پے مرے دستِ تصرف میں جہاں بن گئی ہو
کیا زمین، کیا مہر، کیا آسمان، تو بٹو
دیکھ لیں کے اپنی آنکھوں سے تماشاِ غرب و شرق
میں نے جب کر ما دیا اقوامِ یورپ کا لہو
کیا امانِ سیاست، کیا کلیسا کے شیوخ
سب کو دیوانہ بنا سکتی ہے میری ایک بو
کارگاہِ شیشہ جو ناواں سمجھتا ہے اسے
توڑ کر دیکھے تو اس تہذیب کے جامِ بوبا

۴۰۸

اصغان مجاز

۱۶

دستِ فطرت نے کیسا ہے جن کرسیاں کو چال
 مزد کی منطق کی سوزن نے نہیں ہوتے رفو
 کب ڈرا سکتے ہیں مجھ کو اشتراکی کوچہ کرد
 یہ پیشاں روزگارِ آشفیتہ میں غمناک آشفیتہ نمود
 ہے اگر مجھ کو خطر کوئی تو اُس اُمت سے ہے
 جس کی خاکستریں ہے اب تک شرارِ آرزو
 خال خال اس قوم میں اب تک نظر آتے ہیں وہ
 کرتے ہیں اشکِ سحر کا ہی سے جو ظالم و ضمو

جاننا ہے، بس یہ روشن باطنِ ایام ہے
 مزد کینتِ فتنہ فردا نہیں، اسلام ہے!



جاننا ہوں میں یہ اُمتِ حاملِ قرآن نہیں
 ہے وہی ساری داری بندہ مومن کا دیں

جانتا ہوں میں کہ مشرق کی اندھیری ات میں
 بے پیدھیالے پیرانِ حرم کی آستین
 عصرِ حاضر کے تقاضاؤں سے بے لیس کن یہ خو
 ہونہ جاتے اشکارا شرعِ پیغمبر کہیں
 اگڈرا! اتین پیت بر سے سو بار الحد
 حافظ ناموس بن مرد آزما، مرد انسرین
 موت کا پیغام ہر نوع عن لای کے لیے
 نے کوئی غفور و خاقان نے فقیر رہشیں
 کرتا ہے دولت کو ہرا کو دلی سے پال صہاف
 منعموں کو مال و دولت کا بناتا ہے اپیں
 اس کے بڑھ کر اور کیا فکر و عمل کا انقلاب
 پاوشا ہوں کی نہیں اتدی ہے یہ زمین!
 چشمِ عالم سے رہے پوشیدہ آہیں تو خوب
 غنیمت ہے کہ خود مومن ہے محروم ہمتیں

۷۱۰
 اربعان مجاز
 ۱۸

چے یہی بہتر الہیات میں الجھار ہے
یہ کتاب اللہ کی تاویلات میں الجھار ہے



توڑ ڈالیں جس کی تکسیریں طلسم شش جہات
ہونہ روشن اُس خدا اندیش کی تاریک رات
ابن مریم مرکیا یا زندہ جاوید سے
ہیں صفات ذات حق حق سے خدا یا عین ذات
انے والے سے مسیح ناصر ہی مقصود ہے
یا مجدد جس میں ہوں سرزندہ مریم کے لصفاف
ہیں کلام اللہ کے الفاظ حادث یا قدیم
امت مرحوم کی ہے کس عقیدے میں نجات
کیا سماں کے لیے کافی نہیں اس فور میں
یہ الہیات کے ترشے ہوئے لات و سنا؟

تم اسے سیکانہ رکھو عالم کرا سے
 تا بساط زندگی میں اس کے سب نمبرے ہوں تا
 خیر اسی میں ہے قیامت تاکہ سے مومن غلام
 چھوڑ کر اوروں کی خاطر یہ جہان بے شہادت
 ہے وہی شعر و تصوف اس کے حق میں غبت
 جو چھپا دے اس کی آنکھوں سے تماشائے حیات
 ہر نفس تا ہوں اس اُمت کی بیداری نہیں
 ہے حقیقت جس کے وہیں کی احتساب کا نیت
 مست رکھو ذکر و فکرِ صبحی کا ہی میں اسے
 پنختہ ترکہ دو مزاج خانقاہی میں اسے



۷۱۲
 اربعان مجاز
 ۲۰

بڈھے بلوچ کی نصیحت بیلے کو

ہوتی رہے یہاں کی ہوا تجھ کو لوارا
 اس وقت سے بہت سے ہر نہ ولی نہ بخارا
 جس سمت میں چاہے صفتِ سیلِ واں پل
 وادی یہ ہم ساری ہے وہ صحرا بھی ہمارا
 غیرت کے بڑھے پینہ جہان تک دو میں
 پہناتی ہے درویش کو تاجِ درارا
 حاصل کسی کامل سے یہ پوشیدہ ہے کہ
 کہتے ہیں کہ شیشے کو بنا سکتے ہیں خارا
 انرا دے کے ہاتھوں میں ہے اقوام کی تقدیر
 ہر نہ ہے ملت کے معتمد کا ستارا
 محرم رہا دوستِ دریا سے وہ غمخوار
 کرتا نہیں جو صحبتِ ساحل سے کنار

دین ہاتھ سے دے کر اگر آزاد ہو ملکت
 ہے ایسی تجارت میں سماں کا خسار
 دنیا کو ہے پھر کدو روح و بدن پیش
 تہذیب نے پھر اپنے درندوں کو اٹھسارا
 اللہ کو پامردی مومن پہ بھروسا
 ایس کو یورپ کی شینوں کا سہارا
 تفتیر اٹھم کیا ہے کوئی کہ نہیں سکتا
 مومن کی فراست ہو تو کافی ہے اشارا
 احسن عمل مانگ نسیا کان لہن سے
 شاہاں چہ عجب کربنوازند کدرا را!



۷۱۲
 اربعان مجاز
 ۲۲

تصویر و مصوّر

تصویر

کہا تصویر نے تصویر کر سے
نمائش ہے مری تیرے منہ سے
بس کن کس تدرنا منصفی ہے
کہ تو پوشیدہ ہو یہی نطن سے!

مصوّر

گراں ہے چشم سینا دیدہ و رپر
جہاں بسینی سے کیا لڑی شہر پر
نطن درو عنسم و سوز و تب و تاب
تو اسے ناواں، قناعت کر خراب

تصویر

خبر، عہد، صل و جنس رو کی ناتوانی
 نظر، دل کی حیاست جاودانی
 نہیں ہے اس زمانے کی تاز و تاز
 سزاوار حدیث لہن ترائی

مُصوّر

تو ہے میرے کمال استہنر سے
 نہ ہو نویں اپنے نقش کر سے
 مرے دیدار کی ہے اس یہی شرط
 کہ تو پنہاں نہ ہو اپنی نظر سے



۷۱۶

ایمان مجاز

۲۲

عالم برنج

مردہ اپنی قبر سے

کیا شے بے کس امروز کا فردا سے قیامت
اے میرے شبستان کہن! کیا ہے قیامت؟

قبر

اے مردہ صمد! تجھے کیا نہیں سلوم؟
ہر موت کا پوشیدہ تقاضا ہے قیامت!

مردہ

حسرت کا پوشیدہ تقاضا ہے قیامت
اُس موت کے پھنکے میں گرفتار نہیں ہیں

۷۱۷
اعجاز مجاز
۲۵

چہر چہند کہ نہوں مُردہ صمد لہ ولیکن
 ظلمت کدہ خاک سے بیزار نہیں میں
 چہر زوح چہراک بار سوار بدن زار
 ایسی ہے قیامت تو خریدار نہیں میں

صمدائے غیب

ز نصیب مارو کر ڈوم، ز نصیب دام و دو
 ہے فقط محکم قوم قوموں کے لیے مرگِ ابد
 بانائے اسرائیل ان کو زندہ کر سکتی نہیں
 رُوح سے تھا زندگی میں بھی تھی جن کا جسد
 مر کے جی اٹھنا فقط آزاد مردوں کا ہے کام
 گرچہ چہر ذمی رُوح کی منزل ہے آغوشِ لحد

۷۱۸

اصغان مجاز

۲۶

قبر

(اپنے مُردے سے)

اے وطنِ عالم! تو جہاں میں بندہ محکوم تھا
 میں نہ سمجھی تھی کہ ہے کیوں حال میری سو جوانک
 تیری میت سے میری تاریکیاں تاریکی تر
 تیری میت سے زمیں کا پردہ ناموس چاک
 افسردہ محکوم کی میت سے سو بار افسردہ
 اے سرافیل! اے خدائے کائنات! اے جانِ مال!

صدائے غیب

گرچہ پریم قیامت کے نظامِ ہست و بود
 ہیں اسی اسوئے کے لیے پردہ اسرارِ جو
 زلزلے سے کوہ و دریاڑھے ہیں مانندِ حساب
 زلزلے سے ادویوں میں تازہ چشموں کی نمود

ہر تہمتی سیر کو لازم ہے تخریب تمام
ہے اسی میں شکستِ زندگانی کی نشوونما

زمین

آہ یہ مرگِ دوام، آہ یہ رزمِ حیات
خستہم بھی ہوئی کبھی شکستِ کائنات!
عقل کو ملتی نہیں اپنے بتوں سے نجات
عارفِ عامی تمام بندۂ لات و سناات
خوارِ ہوا کس قدر آدمِ بزواں صفت
قلبِ نظر پر لہراں ایسے جہاں کائنات
کیوں نہیں ہوتی سحرِ حضرتِ انساں کی بات؟



۴۰
اصغانِ حجاز
۲۸

معزول شہنشاہ

ہو مبارک اس شہنشاہِ نیکو فرجام کو
جس کی قربانی سے اس ریلوے کی تہذیب
شہنشاہ ہے برطانوی مندر میں اک مٹی کا بت
جس کو کر سکتے ہیں جب چاہیں سُجاری مائش
ہے یہ مُشک آمیز افیوں ہم غلاموں کے لیے
ساحرِ انگلیس! مارا خواجہ تیرے ویلر تراش



دورخی کی مناسبت

اس دیرکھن میں ہیں غرض مند نخباری
 نخبیدہ بتوں سے ہوں تو کرتے ہیں خدا یاد
 پوجا بھی ہے بے سود، نمازیں بھی ہیں بے سود
 قسمت ہے عنسیر ہوں کی وہی نالہ و سنریا
 ہیں گرچہ بلند می میں عمارات فلک بوس
 شہر حقیقت میں ہے ویرانہ آباد
 تیشے کی کوئی گردش تہمت دیر تو دیکھے
 سیراب ہے پرویز، چلر شہنہ ہے فریاد
 یہ علم، یہ حکمت، یہ سیاست، یہ تجارت
 جو کچھ ہے وہ ہے فنکار ملکاتہ کی ایجاب
 اللہ! ترا شکر کہ یہ خطہ زیر پر سوز
 سوڈا البریورپ کی عنلامی سے ہے ازاد

۷۲۲

ارغانِ حجاز

۳۰

مسعود مرحوم

یہ مہر و مہر، یہ ستارے یہ آسمان کبود
 کئے خنجر بے رگہ یہ عالم عدم ہے یا کہ وجود
 خیالِ جاودہ منور نزلِ فسانہ و افسوں
 کہ زندگی ہے سرِ پاپا ریل بے مقصود
 رہی نہ آہ، زمانے کے ہاتھ سے باقی
 وہ یادگار کمالا ت احمد و محمود
 زوالِ علم و ہنسِ سرِ مرگِ ناکہاں اس کی
 وہ کارواں کا مستطیع گراں بہا مسعود!
 مجھے زلاتی ہے اہل جہاں کی بید روی
 فغانِ مرغِ سحرِ خواں کو جانتے ہیں سرو
 نہ کہہ کہ صبر میں پنہاں ہے چارہ غم دوست
 نہ کہہ کہ صبر معنائے موت کی ہے کشود

۷۲۳

ایمانِ حجاز

۳۱

”وَلَيْكُمُ الْعَاشِقُ وَصَاحِبُ بَدَنٍ مَكْرُومٌ
 زَعِشِقُ تَابِ صَبُورِي مِزَارِ فَرْسَنَكِ اسْت“
 (سعدیؒ)

نہ مجھ سے پوچھو کہ عسر کر رہا کیا ہے
 کہنے خبر کہ یہ نیرنگ و سیمیا کیا ہے
 ہوا جو حال سے پیدا، وہ حال میں ستور
 مگر غیبیت صغریٰ ہے یا فنا، کیا ہے!
 غبارِ راہ کو بخشا کیا ہے فوجِ جمال
 خبر دیتا نہیں سکتی کہ مدعا کیا ہے
 دل و شہر بھی اسی آبِ گل کے ہیں اعجاز
 نہیں تو حضرت انساں کی انتہا کیا ہے؟
 جہاں کی رُوحِ رواں لالِ الہِ الْاَھُو
 مسیح و مسیح و حلیا، یہ ماہِ حیرا کیا ہے!
 قصاصِ خونِ تمنا کا مانگے کس سے
 گناہِ کار ہے کون، اور خون بہا کیا ہے

۷۲۲

ایمانِ حجاز

۳۲

غم میں مشو کہ بہ بند جہاں گرفتاریم
 طلسم ہا شکند ان دے لے کہ ماواریم
 خودی ہے زندہ تو ہے موت اک مقام حیات
 کہ عشق موت سے کرتا ہے امتحان ثبات
 خودی سے زندہ تو دریا ہے بے کرا نہ ترا
 ترے فراق میں مضطرب ہے موج نیل و فرا
 خودی ہے مردہ تو مانند گاہ پیش نسیم
 خودی سے زندہ تو سلطان جملہ موجودات
 نگاہ ایک تختی سے ہے اگر محروم
 دو صد ہزار تختی تلافی مافات
 مستام بندہ مومن کا ہے ورانے سپر
 زمین سے تا بہ ثریا تمام لات و منات
 حریم ذات ہے اس کا نشین ابیدی
 نہ تیرہ خالِ حسد ہے نہ جلوہ گاہِ صفات

۷۲۵

اصغان مجاز

۳۴

خود آگہاں کہ ازین خاکداں بروں بستند
طلسم مہر و سپہر و ستارہ بستند

اوازِ غیب

اتی ہے دم صبح صداعرشین میں سے
لھویا کیا کس طرح ترا جوہر اورال!
کس طرح ہوا کس ترا نشتر تحقیق
ہوتے نہیں کیوں تجھ سے ستاروں کے جلا چاک
نوطن بہر و باطن کی خلافت کا سزاوار
کیا شعلہ بھی ہوتا ہے غلام حسن خاشاک
مہر و مہر و اب بسم نہیں محکم تیرے کیوں
کیوں تیری نگاہوں سے لرزتے نہیں افلاک

۷۲۶

ارغانِ حجاز

۳۲۲

اب تک ہے رواں کرجہ لہو تیری رکوں میں
نے گرمی انکار، نہ اندیشہ تے بے باک
روشن تو وہ ہوتی ہے جہاں ہیں نہیں ہوتی
جس آنکھ کے پردوں میں نہیں ہے نگر پاک

باقی نہ رہی تیری وہ آئینہ ضمیری
اے شہسوار سلطانی و ملائی و سپیری!



رُبا عیبتا



مری شاخ اہل کافے ترکیا
ترمی تفت دیرلی مجھ کو خبر کریا
کلی گل کی ہے محتاج کشوداج
نہیم صبح مندر اپر نطن کریا

۷۲۹
اصغان حجاز
۳۷



فراغت دے اُسے کارِ جہاں سے
کہ چھوٹے ہر نفس کے امتحاں سے
ہوا پیری سے شیطان کہ بندیش
گستاخ تازہ تر لائے کہاں سے!



دگرگوں عالمِ شام و سحر کر
جہاں خشک و تر زیر و زبر کر
ہے تیری حسدائی داغ سے پاک
مے بے ذوق سجدوں سے حذر کر

۷۳۰
مغان مجاز
۳۸



عنبر بی میں ہوں محسوسِ آسیری
کہ غیتِ منہ سے میری فہمی تیری
حذر! سنسز و رویشی سے ہا جس نے
سماں کو کھادھی سنزیری!



خرد کی تنگ و امانی سے سنیرا
تجلی کی سنراوانی سے سنیرا
گوارا ہے اسے نطشہ غمیر
زندگی ناسلمانی سے سنیرا!



کہا اقبال نے شیخ حسام سے
تہ محراب مسجد سویڈن کون
بدا مسجد کی دیواروں سے اتنی
فرنگی بت کدے میں لھویا کون؟



کہن سنگام ہائے آرزو
کہ ہے مرد مسلمان کا لہو
بتوں کو میسر می لا وینی مبارک
کہ ہے آج ایشیا لڈ ہو

۴۲۲
ایمان حجاز
۲۰

سید شہنشاہِ مومنؑ کی آویز
 چکر پرخوں، نفقہ روستوں، نگہ تیز
 میٹھرا ہو کے دیدارِ اس کا
 کہ ہے وہ رونقِ محسنِ کلمہ آیز

تمیزِ نار و گل سے آشکارا
 نسیمِ رحمت کی روشن سیبری
 حفاظتِ پھول کی کون نہیں ہے
 اگر کانٹے میں ہو خوتے سیبری



نہ کر ذکرِ سراق و آشنائی
کہ اصل زندگی ہے خود نمائی
نہ دریا کا زیاں ہے نہ نہر کا
دلِ دریا سے گوہر کی بدائی



ترے پیام میں طوفان کیوں نہیں ہے
خود ہی سیر کی سماں کیوں نہیں ہے
عیشے شکوہ تیرے پیرزواں
تو خود تفتیر پیرزواں کیوں نہیں ہے؟

۷۳۲
ایمانِ حجاز
۲۲



نہ رو دیکھے اگر دل کی نگہ سے
 جہاں روشنی ہے نورِ لا الہ سے
 فقط اک کرو شیشِ شام و سحر
 اگر دیکھیں سرخِ مرغِ مہر سے



کبھی دریا سے شیل موجِ بحر
 کبھی دریا کے سینے میں اتر کر
 کبھی دریا کے گل سے لڑ کر
 مہمِ نامِ اپنی خودی کا فاشِ ترکر!

ملا زادہ ضلع لولاکشمیری کا بیان



پانی ترے چشموں کا ترپتا ہوا سیلاب
مرغانِ سخنِ تیرے فضاؤں میں ہیں بیتاب

اے وادیِ لولاب!

گر صاحبِ پنکام نہ ہو سنبرِ سرب
دینِ بند قوموں کے لیے موتیے یا خواب

اے وادیِ لولاب!

ہیں سازِ یہ موقوفِ نوا ہاے جگر سوز
ڈھیلے ہوں اگر تارِ توبیہ کا ہے مضراب

اے وادیِ لولاب!

۷۳۷
اصغان مجاز
۲۵

ملا کی نظر زورِ فراست سے چہ چنالی
 بے سوز ہے مچھتا نہ مٹھونی کی مے مناب
 اے واہی لولاب!

بیدار ہوں دل جس کی فعانِ سحری سے
 اس قوم میں مدت سے وہ درویش ہے نایاب
 اے واہی لولاب!



موتے اک سخت تر جب کا غلامی ہے نام
 مکر و فنِ خواجگی کا شس سمجھت غلام
 شرعِ ملوکانہ میں جدتِ احکام دیکھ
 صُور کا غوغا سلالِ حشر کی لذت حرام
 اے کہ غلامی سے ہے روح تری مُضمحل
 سینہ بے سوز میں ڈھونڈ خودی کا مقام!

۷۳۸

افغان مجاز

۲۶



آج وہ کشمیر کے محکوم و مجبور و فقیر
 کل جسے اہل نظر کہتے تھے ایرانِ صغیر
 سینہ اسلاک سے اٹھتی ہے آہِ سونال
 مرد حق ہوتا ہے جب برعوبتِ سلطانِ امیر
 کہہ رہا ہے داستانِ بیدروئی ایامِ لی
 کوہ کے دامن میں وہ غمِ نسیم نہر و پھانِ پیر
 آہ! یہ قوم نجیب و چرب دست و تر دماغ
 ہے کہاں روزِ مسکافت اے خدا تو کیر؟



گرم ہو جاتا ہے جب محکوم قوموں کا لہو
 تھر تھرا تا ہے جہانِ چار سوسے ورنک بو

پاک ہوتا ہے وطن و تھمیں سے انساں کا ضمیر
 کرتا ہے ہر راہ کو روشن پس رخِ آرزو
 وہ پُرانے چاک جن کو عقل ہی سکتی نہیں
 عشق سیتا ہے انھیں بے سون و تارِ زو
 ضربتِ پیہم سے ہو جاتا ہے آخر پاش پاش
 جاگتیت کا بے سنگین دل و آسینہ زو



دُراج کی پرواز میں ہے شکستِ شاہیں
 حیات میں ہے صیاد و پیر شاہیں ہے کہ دُراج
 ہر قوم کے فنکار میں پیدا ہے تلام
 مشرق میں ہے فراتے قیامت کی نمودِ ج
 فطرت کے تقاضوں سے ہوا حشرِ چربو
 وہ مردہ کہ بھتا بانگِ فرسائل کا محتاج

۷۲۰
 اربعانِ مجاز
 ۲۸



رندوں کو بھی معلوم ہیں ضوونی کے کمالات
 پھر حسد کہ مشہور نہیں ان کے کرامات
 خود گیری و خود داری و گلبانگ اناحق
 آزاد ہو سالک تو ہیں یہ اس کے مقامات
 محکوم ہو سالک تو یہی اس کا پیراوست
 خود مرده و خود مرشد و خود مرلِ معاجات!



نکل کر حسن نقاہوں سے ادا کر رسم شبتیری
 کہ گفت خائف تا ہی ہے فقط اندرہ و دوسیری
 ترے دین اوسب سے آرہی ہے بے پاسبانی
 یہی ہے مرنے والی امتوں کا عالم پیری

شیاطینِ ملولیت کی آنکھوں میں ہے وہ جادو
 کہ خود نچھپ کر دل میں ہو سید ازوقِ نچھپیری
 چہ بے پروا لذت مند از نو اے سب گاہن
 کہ برواں شور و ستی از یہ چشمانِ شمیری!



سجھنا لہو کی بوند اگر تو اسے تو حسیر
 دل آدمی کا ہے منقطع ال جذبہ بلبند
 گردشِ مرہ و ستارہ کی ہے ناکوار اسے
 دل آپ اپنے شامِ حشر کا نقشِ بند
 جس خاک کے ضمیر میں ہے آتشِ چنار
 ممکن نہیں کہ سب ہو وہ خاکِ ارجمند



۷۲۲
 ارفانِ حجاز
 ۵۰



کٹھن لاجب چمن میں کتب خانہ گل
 نہ کام آیا ملا کو علم کتابی
 متانت شکن تھی ہوا رتے بہاراں
 غزل خواں ہوا سپرک اندرابی
 کہ لالہ آتشیں پیرہن نے
 کہ اسرارِ جہاں کی ہوں میں بے حجابی
 سمجھتا ہے جو موت خواب کو
 نہاں اس کی تعمیر میں ہے خرابی
 نہیں زندگی سلسلہ روز و شب کا
 نہیں زندگی مستی و نیم خوابی
 حیات است در آتش خود پیدین
 خوش اس دم کہ این گشتہ بازاریابی

۷۲۲
 اربعان مجاز
 ۵۱

گستاخِ دلِ شرارے بگیری
تواں کرد زیرِ سنگِ آفتابی



ازاد کی رک سختیے مانندِ رکِ سنگ
محمکوم کی رک نرم ہے مانندِ رکِ تاک
محمکوم کا دل مُردہ و افسردہ و نومید
ازاد کا دل زندہ و پرسوز و طربِ ناک
ازاد کی دولتِ دل روشن، نفسِ گرم
محمکوم کا سرمایہ فقط ویدہ نم ناک
محمکوم ہے بیگانہٴ اخلاصِ مروت
چرچند کہ منطق کی دلیلوں میں ہے چالاک
ممکن نہیں محکوم ہو آزاد کا ہمدوش
وہ بندہٴ افلاس ہے، یہ خواجہٴ مرفلاک

۷۲۲
اصغان مجاز
۵۲



تمام عارف و عامی خودی سے بیگانہ
 کوئی بتائے یہ مسجد ہے یا کہ مسجد نہ
 یہ راز ہم سے چھپایا ہے میرا اعطائے
 کہ خود حرم ہے چہ پر غ حرم کا پروانہ
 طلسم بے خبری، کافنری وین اری
 حدیث شیخ و برہہ سن فسون افسانہ
 نصیب خط ہو یارب وہ بندہ درویش
 کہ جس کے فقر میں انداز ہوں کلہم
 چھپے رہیں گے زمانے کی آنکھ سے کب تک
 گھر ہیں اسب و لر کے تمام یک دانہ





وگرنوں جہاں اُن کے زورِ عمل سے
 بڑے معرکے زندہ قوموں نے مارے
 منہ ختم کی تقویمِ سرودا ہے باطل
 کرے آسماں سے پڑانے ستارے
 ضمیرِ جہاں اس قدر آتشیں ہے
 کہ دریا کی موجوں سے ٹوٹے ستارے
 زمین کو فراغت نہیں زلزلوں سے
 نمایاں ہیں فطرت کے باریک اشارے
 ہمالہ کے چشمے اُبلتے ہیں کب تک
 خضر سوچتا ہے وُلر کے کنارے!



۷۲۶
 اصفان حجاز
 ۵۲



نشاں یہی ہے زمانے میں زندہ قوموں کا
 کہ صبح و شام بدلتی ہیں ان کی تقدیریں
 کمالِ صدق و مروت سے زندگی ان کی
 معاف کرتی ہے فطرت بھی ان کی تقصیریں
 قلندرانہ ادا ہیں، سکندرانہ جلال
 یہ امتیں ہیں جہاں میں برہنہ شیریں
 خودی سے مردِ خود آگاہ کا جمال و جلال
 کہ یہ کتاب ہے باقی تمام تفسیریں
 شکوہ عیسا کا منکر نہیں ہوں میں، لیکن
 قبولِ حق ہیں فقط مردِ حُسر کی تجسیریں
 حکیمِ سیری نواؤں کا راز کیا جانے
 وراے عقل ہیں اہلِ حسُنوں کی تدبیریں

۷۲۷

ایضاح مجاز

۵۵



چه کافرانہ قمارِ حیات می بازی
 کہ بازمانہ بسازی بخود نمی سازی
 و کبر بدمد رسد ہاے حسرت می بینم
 دلِ خستید و نگاہِ غمناکی و رازی
 بحکمِ مفتی اعظم کہ فطرتِ ازلیت
 بدین صعوبت حرام است کاشہبازی
 ہماں فقیرِ ازل گفت خیرہ شاہین ا
 با سماں کروی باز میں نہ پروازی
 منم کہ توبہ نہ کردم ز مناش کوئی ہا
 ز بیمِ این کہ سلطان کنند عمارتی
 بدستِ مائے سرفند و زنجارِ ایت
 و عبا بگوز فقیران بٹرک شیرازی

۷۲۸

اصغان حجاز

۵۶



ضمیر مغرب کے تاجرانہ، ضمیر مشرق سے ایسا نہ
 وہاں دگر لوں ہے لفظ لفظ، یہاں بدلتا نہیں زمانہ
 کنار دریا خضر نے مجھ سے کہا بہ انداز محراب
 سکندری ہو، سکندری ہو یہ سب طریقے ہیں ساحر
 حرفی اپنا سمجھ رہے ہیں مجھے خدایانِ خالق ہی
 انھیں یہ ڈر ہے کہ میرے نالوں سے شوق نہ ہو سنا
 غلام قوموں کے علم و سفلوں کی ہے یہی مرز آشکا
 زمین اگر تنگ ہے تو کیا ہے فضائے کرڈوں سے بے کرانہ
 خبر نہیں کیا ہے نام اس کا، خدا فریبی کہ خود فریبی
 عمل سے فارغ ہو اسلماں بنا کے تقدیر کا بہا

۷۲۹

اصغان حجاز

۵۷

مری اسیری پہ شاخِ گل نے یہ کہے صہتا کو زلایا
کہ ایسے پرسوز نغمہ خواں کا گراں نہ تھا مجھ پہ آشیانہ



حاجت نہیں اے خطہ گل شرحِ مہیاں کی
تصویر میرے دل پرخوں کی ہے لالہ
تقدیر ہے اک نام مکافاتِ عمل کا
دیتے ہیں یہ پینامِ خدا یا ان ہمالہ
سرمالی جو اقل میں ہے عریاں بدن اس کا
دیتا ہے ہنر جس کا ایسے موز ووشاہ
آفتاب نہ رکھ دولتِ دنیا سے وفا کی
زم اس کی طبیعت میں ہے مانندِ غزالہ



۷۵۰
اصغانِ حجاز
۵۸



خود آگاہی نے سکھلا دی ہے جس کو تن فراموشی
سرم آئی ہے اس مردِ مجاہد پر زہ پوشی



اس عزمِ بلند اور اس سوزِ جگر اور
شمشیرِ پدرِ خواہی بازو سے پدر اور



۷۵۱
ایمانِ مجاہد
۵۹



غریب شہر ہوں میں بسن تو لے مری فریاد
 کہ تیرے سینے میں بھی ہوں قیامتیں آباد
 مری نوائے غم کو وہ ہے مستراح عزیز
 جہاں میں غم نہیں دولتِ دل ناساؤ
 گلہ ہے مجھ کو زمانے کی کوڑ ووقی سے
 سمجھتا ہے مری محنت کو محنتِ فریاد
 ”صدائے تیشہ کہ برسنگ مینخورد و لہر است
 خبر بکیر کہ آواز تیشہ و جگر است“

* صدائے تیشہ الخ یہ شعر مرزا جانجباں مظہر علیہ الرحمۃ کے

مشہور بیاض حشریچہ جاہر میں ہے

۷۵۲

ارغوان مجاز

۶۰

سرگرم جیدی صدرِ اعظم حیدرآباد دکن کے نام

یوم اقبال کے موقع پر تو شہ خانہ حضور نظام کی طرف سے جو صاحبِ عظم
کے ماتحت ہے، ایک نزار پورے چیک بطلے تو وضع موصول ہونے پر

تھا یہ اللہ کا فرمان کہ شکوہ پرویز
دوست لندر کو کہ ہیں اس میں ملو کا نہ صفا
مجھ سے منر مایا کہ لے اور شہنشاہی کر
حسن تدبیر سے دے آئی وفانی کو ثبت
میں تو اس بار امانت کو اٹھانا سر دوش
کام درویش میں ہر تلخ ہے مانند نبت
غیرتِ نعت سر طر کر نہ سکی اس کو قبول
جب کہا اس نے ہے میری خدائی کی زکا!



حُسين احمد

عجم ہنوز نداند روزِ دین، ورنہ
 ز دیوبند حسین احمد! این چه بواجبی است
 سرود بر سر منبر کہ ملت از وطن است
 چه بے خبر ز مقامِ محمدِ عربی است
 بمصطفیٰ برسماں خویش را کہ دین ہمراہ است
 اگر بہ او ز سیدی تمام بولہبی است

حضرت انس

جہاں میں دانش و بینش کی بے کس درجہ ارزانی
 کوئی شے چھپ نہیں سکتی کہ یہ عالم ہے نورانی
 کوئی دیکھے تو ہے باریک فطرت کا حجاب اتنا
 نمایاں ہیں فرشتوں کے تہتم ہاتے پہنانی

۷۵۲

امغان حجاز

۶۲

یہ دنیا دعوتِ دیدار ہے منہ نزدیک اور کم کو
 کہ ہر ستور کو بخشا گیا ہے ذوقِ عشقِ یانی
 یہی منہ نزدیک اور کم ہے کہ جس کے اشکِ خم نہیں سے
 کیا ہے حضرتِ نبواں نے زریاؤں کو طوفانی
 فدا کے کو کیا خوب خیال دیاں کس کا شہین ہے
 غرضِ انجمن سے ہے کس کے شہستان کی تہبانی

اگر مقصودِ کل میں ہوں تو مجھ سے ماورا کیا ہے
 مرے ہر سنگا مرہ ہاتے تو بہ نو کی انتہا کیا ہے؟





۷۵۶

اربعان حجاز

۶۲